
عجائبِ نفس
رئیس امروہوی

عجائب نفس

حصہ اول۔ دوئم (مکمل)

رئیس امروہوی

ویلکم بُک پورٹ

اردو بازار کراچی، پاکستان

اشاعت : 2014ء
اہتمام : قمر زیدی
کمپوزنگ : دانشور گرافکس
قیمت : -/400 روپے

ناشر
ویلکم بک پورٹ
مین اردو بازار کراچی۔ پاکستان

فون : 021-32639581-32633151
فیکس : 021-32638086
ای میل : welbooks@hotmail.com
wbp@welbooks.com
ویب : www.welbooks.com

فہرست

جب بھی آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کیا یہی سوچ کر چپ ہوگئی کہ آپ بے حد معروف آدمی ہیں ۔شاید جواب نہ دے سکیں کبھی سوچا اس موضوع پر آپ سے مشورہ طلب کروں گی ۔جس پر سوچنا تک گوارا نہیں کرتی ۔جس کا تذکرہ تک ناگوار ہے ۔

جرم مشابہت

رئیس صاحب! میں ایک شریف اور غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں ۔والدین نے بہزار مشکل مجھے تعلیم دلائی ہے ۔سب سے بڑی اولاد ہوں ۔آج کل ایم اے کا امتحان دے رہی ہوں ۔بی اے کے بعد ایک پرائمری اسکول میں ملازمت کرلی ہے ۔میری ایک عزیزہ کا انتقال پاکستان سے قبل جوانی میں ہوگیا تھا ۔سنا ہے کہ خودکشی کرلی تھی ۔سب کہتے ہیں کہ ان سے غیر معمولی بلکہ حیرت انگیز مشابہت رکھتی ہوں ۔آج سے دو سال قبل ایک رشتے کے چچا کا تبادلہ ہمارے شہر میں ہوگیا ۔اتفاق سے انہوں نے ہمارے گھر کے نزدیک ہی کرائے پر مکان لیا ۔عمر میں وہ میرے والد سے چند سال چھوٹے ۔پانچ بچوں کے باپ اور شادی شدہ ہیں ۔ان کی شادی محبت کی شادی تھی پہلے دن جب وہ والد صاحب سے ملنے کے لئے تشریف لائے تو میں صحن میں کھڑی تھی ۔اچانک سامنا ہوگیا ۔مجھے دیکھتے ہی ان رشتے کے چچا پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی ۔بے اختیار منہ سے نکلا ۔جنت جنت ۔۔جنت !(یہ علم بعد میں ہوا کہ میری مرحوم عزیزہ کا نام جنت تھا ۔ان دونوں میں محبت تھی اور چچا انہیں پیار سے جنت کہا کرتے تھے ۔ان کی شادی کے تین دن بعد مرحومہ اللہ کو پیاری ہوگئیں ۔کہا جاتا ہے کہ وہ سانپ کے کاٹنے سے مریں جبکہ خاندان والوں کا بیان ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر سانپ کو پکڑنے کی کوشش کی تھی ۔
خیر اب اصل قصے کی طرف آتی ہوں ۔ہاں تو چچا گھر میں داخل ہوئے اور مجھے دیکھ کر ان پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی ۔انہوں نے مجھے جنت کہہ کر پکارا اور میں وہاں سے کھسک گئی ۔کوئی بات نہیں ۔معاملہ رفت وگزشت ہوگیا چھ سات مہینے بعد چچا کے گھریلو حالات بے حد خراب ہوگئے اور ان کی بیوی زیادہ وقت ہمارے گھر پر گزارنے لگیں ایک دن چچا اور چچی میں زبردست

لڑائی ہوئی۔ چچی روٹھ کر چلی گئیں۔ چچا ہمارے گھر آئے' اس وقت میں اتفاق سے اکیلی تھی۔ جب مجھے چچا نے گھریلو صورتحال بتائی تو میں نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا کہ چچا آپ چچی کے ساتھ کیوں غلط رویہ اختیار کررہے ہیں۔ آپ دونوں کی ناچاقی اور خانہ جنگی سے بچوں کا مستقبل تباہ ہوجائے گا۔

پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے

میرے اس جملے پر چچا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ میں ان کو روتا دیکھ کر گھبرا گئی۔ پھر جب یہ علم ہوا کہ اس رنجش کی بنیاد میں ہوں تو رئیس صاحب آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مجھ پر کیا قیامت گزر گئی۔ وہ تو کہہ سن کر اور رو پیٹ کر جی کا بخار نکال گئے لیکن میں ایک نئے عذاب کی آگ میں جلنے لگی۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ ''عشق وشق'' سے میرا کوئی تعلق نہیں' میں ان تمام باتوں کو محمول کرتی ہوں۔ میرے مزاج پر سنجیدگی غالب ہے۔ ذمہ داریوں کا ایک پہاڑ ہے جو میرے کاندھے پر دھرا ہے مجھے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالنا ہے۔ یہ تو نہیں کہتی کہ میں اس شخص سے محبت کرتی ہوں۔ البتہ اس کا احترام ضرور ملحوظ رہتا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ یتیم خانے میں پلے بڑھے ہیں خود محنت کی۔ لوگوں کے گھروں میں جھاڑو دینے اور برتن دھونے کا کام بھی کیا۔ پھر محض اپنی محنت و قابلیت سے ایک بلند مقام پر فائز ہوئے۔ آج کل انجینئر ہیں۔ ان کا دوسرا وصف یہ ہے کہ 1947ء کے فسادات کے بعد ایک اُجڑی ہوئی نا اُمید لڑکی کو سہارا دیا اور اس سے شادی کرلی۔ وہ (یعنی رشتے کے چچا) کہتے ہیں کہ میں نے صرف ہمدردی کی بنا پر شادی کی ہے۔ میری غلطی یہ کہ میں لحاظ و مروت کے سبب اُن سے کچھ نہ کہہ سکی اور وہ سادہ لوحی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ میں انہیں پسند کرتی ہوں۔ اور آخر انہیں ٹوکتی بھی کس بات پر؟۔۔ انہوں نے مجھ سے صرف اپنی اور اس مرحومہ کی شدید محبت کا تذکرہ بڑے زور شور سے کیا تھا اور آخر میں معذرت خواہانہ لہجے میں کہا تھا کہ چونکہ تم غیر معمولی طور پر جنت (عزیزہ مرحومہ) سے مشابہہ ہو۔ اس لئے تمہیں دیکھ کر پرانے زخم تازہ ہوگئے اور بس۔

تمہاری جیسی شباہت کو ڈھونڈ تا تھا دل
تمہاری شکل نہ دیکھی تھی جس زمانے میں

انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے حسن سلوک کریں گے۔ چنانچہ اس وعدے کو نبھانے کی پوری پوری کوشش کی۔ اور پھر مجھ سے اس موضوع پر گفتگو نہیں کی۔ تقریباً چھ مہینے بعد یہ ہوا کہ وہ میری کسی بات کی تعریف کر رہے تھے کہ اُن کی بیوی نے اظہار ناگواری کیا۔ اس پر بحث شروع ہوگئی۔ آخر میری حمایت میں انہوں نے بیوی سے تلخ کلامی شروع کردی اور کہا کہ ''اگر تم نے ''ش'' کے بارے میں ایک بھی نامناسب لفظ کہا تو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہت خراب نکلے گا۔

مختصر یہ کہ فوری جھڑپ میں انہوں نے ان نامراد جذبات محبت کا اظہار کردیا۔ جو میری ناچیز ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ بس قیامت آگئی۔ اُن کی بیوی نے اس افسوسناک واقعے کا ذکر مجھ سے کیا نہ میرے والدین سے! بس میرے متعلق شرم ناک افواہیں پھیلانی اور باتیں اُڑانی شروع کردیں اور اس تباہ کن اسکینڈل کو اس قدر طول دیا کہ خاندان کا ہر فرد اس الزام سے واقف ہوگیا۔ حالانکہ یہ الزام سو فیصد بے بنیاد ہے۔ ظاہر ہے کہ شوہر کے رویے میں تبدیلی آگئی ہے۔ اس طرح ان کی گھریلو زندگی مکمل تباہی سے دوچار ہوگئی۔ بیوی نے سختی کے ساتھ جواب طلبی کی تو انہوں نے اپنی بدنصیب بیوی سے صاف کہہ دیا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں سب لوگ اس سلسلے میں ناکام کوشش کر گزرے۔ معاملہ اس قدر سنگین ہے کہ اُن کے بچے بھی میری حمایت میں ایک لفظ کہتے ہیں تو چچی بھڑک اُٹھتیں کیونکہ وہ سمجھتی ہیں کہ میں مجرم ہوں (یعنی میں نے اُن کے شوہر کو بہلا پھسلا کر اپنے دام گیسو میں اسیر کرلیا ہے)؟

سنگین افتاد

یہ ایک سنگین افتاد ہے جس نے ہم سب کو کچل ڈالا ہے۔ جب والدین اس عذاب الیم کے سبب قلب کے بیمار ہوگئے ہیں۔ تو پھر میرے قلب کی کیا حالت ہوگی؟ یقین کریں محبت تو در کنار، میں

ان سے شادی تک کرنا نہیں چاہتی۔ سکون ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ اُن سے شادی نہ کی تو بدنامیوں کا سلسلہ طویل تر ہوتا چلا جائے گا۔ وہ اپنے بچوں اور بیوی سے بالکل بے تعلق ہو گئے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ شادی کی صورت میں بھی ان کی بیوی بچوں کی تباہی کی ذمہ دار میں ہی قرار پاؤں گی اور شادی نہ کرنے کی صورت میں بھی! ان سے شادی کرنے کے بعد میں سکون زیست سے محروم ہو جاؤں گی۔ شادی کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ان الزامات پر مہر تصدیق لگادی جائے جو مجھ پر لگائے گئے ہیں۔ والدین کو مجھ پر مکمل بھروسہ ہے۔ وہ ابھی تک مجھے بے قصور سمجھ رہے ہیں۔ فرض کیجئے کہ میں نے والدین سے اس رشتے کا ذکر کیا تو اس ضعیفی میں ان پر کیا گزرے گی۔ میری دو نوجوان چھوٹی بہنوں کا حشر کیا ہوگا؟ میری اور رشتے کے چچا کی عمر میں بہت فرق ہے۔ وہ پچاس سال کے ہیں اور میری عمر 23 سال کی ہے۔ یوں سمجھئے کہ ان کا بڑا لڑکا میری عمر کا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ وہ شدت عشق میں جان تک دینے پر تیار ہیں اور یقیناً وہ ایسا کر گزریں گے۔

آخری چارہ کار

اب رئیس صاحب! آخری چارہ کار یہ رہ گیا ہے کہ میں خودکشی کرلوں۔ نہ میں رہوں گی۔ نہ یہ ہنگامے برپا ہوں گے۔

چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں

آپ کوئی ایسا طریقہ کار بتا سکتے ہیں کہ اس شخص کو مجھ سے نفرت ہو جائے یا یچی الزام تراشی کا سلسلہ بند کر دیں۔ میں نے حتی الامکان بہت مختصر خط لکھا ہے۔ نہ جانے آپ جواب دیتے ہیں یا نہیں۔ میں پندرہ روز تک آپ کے جواب کا انتظار کروں گی پھر۔۔۔ (ش)

دوسرا خط

بے شک ''ش'' نے اپنے خیال میں بہت مختصر خط لکھا ہے مگر یہ تو کوئی مجھ سے پوچھے جسے

ساٹھ ستر خط روزانہ پڑھنے اوران کے جوابات لکھنے پڑتے ہیں کہ اس قسم کے لمبے چوڑے خطوط کو دیکھ کر کس طرح حواس باختہ ہو جاتا ہوں۔ خیر یہ بھی سہی! ش۔ کا خط پڑھ کر میں نے اُن کی مقرر کردہ مدت یعنی پندرہ روز کے اندر انہیں جواب دیا کہ تمہارے رشتے کے چچا مالیخولیا میں مبتلا ہیں اوران کا نفسیاتی علاج کرانا چاہئے اوران کی بیوی کا بھی۔ اس کے جواب میں ''ش'' کا ایک اور خط وصول ہوا ہے یہ بھی کاغذ کے چار صفحے پر ہے۔ ش نے لکھا ہے کہ میری بدنامیاں میرے گھر والوں کے لئے سخت تشویش کا باعث بن گئی ہیں۔ خود میری ذہنی حالت بہت خراب ہوگئی ہے چکر آتے ہیں۔ نیند سے محروم ہوں۔ زندگی سے بیزار ہوں چچا کی دیوانگی اور چچی کے پاگل پن کا عالم وہی ہے ''ش'' نے اپنے خط کو اس طرح تمام کیا ہے کہ:

''سوچتی ہوں کہ ایک دفعہ کھل کر چچا سے بات کروں اور پوچھوں کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ شادی تو دور کی بات ہے میں نے مزاج پرسی کے علاوہ کبھی ان سے بات تک نہیں کی۔ پھر یہ طوفان کیوں اُٹھے؟ پھر یہ قیامت کیوں مچی؟ سوال یہ ہے کہ میں اُن سے ملوں کیسے؟ تنہائی میں ملنا مناسب نہیں سمجھتی۔ گھر بلا کر بات نہیں کرسکتی۔ شاید مجھ سے نادانستہ طور پر کوئی ایسی بات ہوئی ہو جس نے انہیں ہوش وخرد سے بیگانہ کردیا اور میرے لئے رسوائیوں اور بربادیوں کے دروازے کھول دیئے ہوں۔ آخر پتہ تو چلے کہ اس محبت کی بنیاد کیا تھی۔ جوانی کی دبی ہوئی چنگاری بھڑکے۔ محض شکل وصورت میں مشابہت جان کا روگ بن جائے۔ عقل یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوتی۔ آپ مشورہ دیں کہ کیا میں چچا سے ملوں؟ ایسا کوئی نفسیاتی علاج یا طریقہ ہے جس سے ان کا پاگل پن ختم ہوجائے؟ رئیس صاحب! میں ان حالات میں کیا قدم اُٹھاؤں؟ کہ حالات سدھر جائیں یا پھر خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دوں؟

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسماں
ہورہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

☆☆☆☆

دو پاگل

ش! واقعی تمہارے حال پر رونا آتا ہے۔ بی بی! تم دو پاگلوں۔۔۔ (میاں اور بیوی) کی محبت ونفرت کی چکی کے دو پاٹوں میں خواہ مخواہ پسی جارہی ہو۔ تمہارے پچاس سالہ چچا کی ابتدائی تربیت سخت ناسازگار ماحول میں ہوئی۔ یتیم خانے میں پلے بڑھے۔ گھروں میں جھاڑو دے کر اور برتن مانجھ کر افلاس کا دور گزارا۔ چونکہ ذہن واقع ہوئے تھے رفتہ رفتہ معاشرے میں ممتاز مقام حاصل کرلیا۔ انجینئر بن گئے۔ ذہانت کی جڑواں بہن حساسیت ہے۔ ذہین آدمی حساس نہ ہو ممکن نہیں۔ جنت اُن کی محبوبہ کا نام تھا۔ اس کی شادی کہیں اور کردی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شادی کے تیسرے روز اس بدنصیب لڑکی نے (ناکامی محبت کے سبب) بقول تمہارے سانپ سے اپنے کو ڈسوا کر خودکشی کرلی۔ محبوبہ کی اس المناک موت نے تمہارے چچا کی ذہنی کیفیت کو جس طرح تہہ وبالا کردیا ہوگا۔ اس کا بی بی تمہیں خود اندازہ ہوگا۔ ش۔ قسمت کی کیسی ستم ظریفی ہے کہ تم ''جنت مرحومہ'' کی ہم شبہہ واقع ہوئی ہو۔ تمہارے حسرت نصیب چچا نے تم میں اپنی محبوبہ کی جھلک دیکھ لی۔ نہ جانے فریبِ نظر تھا افسوس بدبختی۔ اس میں شبہ نہیں کہ تم حد درجہ تکلیف دہ دور سے گزر رہی ہو لیکن کیا اس کا علاج خودکشی ہے؟ کیا خودکشی زندگی کی کسی محرومی کی تلافی کرسکتی ہے۔ نہیں یہ خیال خام ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی لومڑی سے ڈر کر خونخوار شیر کی کچھار میں جا گھسے۔ بی بی! سب سے بہتر یہ ہے کہ تم شادی کرلو۔ جب تک تم غیر شادی شدہ رہو گی۔ مخبوط الحواس چچا کی یہ اُمید قائم رہے گی کہ شاید تم اس کے ہاتھ لگ سکو۔ اس کی بن سکو۔ بہتر ہے کہ اس رشتہ اُمید کو قطع کردیا جائے۔ اس طرح تمہاری محروم زندگی میں ایک مقصدیت پیدا ہوجائے گی۔ شادی کے نتائج کیا ہوں گے؟

شادی کے نتائج کیا ہوں گے؟ اس کا علم تو خدا کو ہے۔ البتہ کم سے کم معاملات کی ایک شکل متعین ہوجائے گی۔ تمہارے چچا بھی سمجھ جائیں گے کہ اب صورتحال یہ ہے کہ تم دوسرے کی ہوچکیں۔ چچی مطمئن ہوجائیں گی کہ اب تم سوکن بن کر اُن کے گھر میں قدم نہ رکھو گی اور پھر

تمہاری منزل بھی مقرر ہو جائے گی۔ کیا تم شادی پر تیار ہو۔ش! میں نے تمہیں براہ راست بھی خط لکھا ہے؟

م۔اسلم (لیاری کراچی) رقمطراز ہیں کہ

یقین کیجئے کبھی تو ذہن پوری طرح ساتھ دیتا ہے اور کبھی خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔ لاکھ ٹٹولو ، کچھ نہیں، کبھی تو ذہن پر خیالات کی یلغار ہوتی ہے کبھی بالکل ٹھپ' شروع سے خواہش تھی کہ پسند کی شادی کروں۔ بیوی ایک مثالی لڑکی ہو۔شوہر کو سمجھ سکے۔ میری شادی سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں کردی گئی۔ حالانکہ نہ میں شادی کا خواہش مند تھا نہ اہل! پھر یہ کہ دونوں کے مزاج میں زمین وآسمان کا فرق تاہم دل پر جبر کر کے وقت گزارتا رہا۔ میری زندگی میں چند لڑکیاں آئیں مگر میں ان سے متاثر نہ ہوسکا نہ میں نے انہیں کوئی راستہ غلط دکھایا۔ کسی ستم ظریفی قسمت ہے کہ اچانک میں نے زندگی کی ضرورت' آرزو اور آئیڈیل کو دیکھا۔لوگوں نے میرے کہے اور پوچھے بغیر اس کی برائیاں کیں۔ میں نے اس کان سنا اور اس کان اُڑا دیا دسال ڈیڑ سال بعد میں نے اس پر اظہار محبت کر دیا۔

حسن بے پرواکو خود بیں وخود آراء کردیا
کیا کیا میں نے کہ اظہار تمنا کردیا

میرے اظہار محبت پر وہ دم بخود ہوگئی لیکن اب اس کا رویہ تبدیل ہو چکا تھا۔ جب اس کی توجہ دوسروں کی طرف مبذول ہونے لگی تو میں نے اس سے دوٹوک جواب طلب کیا۔ کہا کہ یا تو مجھ سے شادی کرلو یا اجنبی بن جاؤ۔ اس نے کہا کہ ہم فقط دوست بن کر رہ سکتے ہیں۔ میں دوستی پر قانع نہ تھا۔ میں نے انکار کر دیا (تعلقات میں شگاف پڑ گیا) مگر میں اس کی دوری اور بے رخی برداشت نہ کرسکا۔ میں نے معافی طلب کرلی۔ مگر اب اس کا رویہ انتقام طلبانہ ہو چلا تھا۔ اس نے مجھے بدنام کرنا شروع کر دیا۔ تنگ آ کر خودکشی کا ارادہ کیا۔ مذہبی عقائد آڑے آ گئے۔ میں نے اپنے مرشد سے (جو کہ سلسلہ میں نقش بندیہ ہیں پیر کامل ہیں) فریاد کی وہ مسکرا کر چپ ہو گئے۔ حضرت کے وصال کے بعد اُن کے ایک خلیفہ سے حال دل کہا انہوں نے فرمایا کہ اس لڑکی نے

تمہیں کچھ کھلا دیا ہے تا کہ تم مخبوط الحواس ہو جاؤ۔انہوں نے حضرت کے ایک اور خلیفہ سے ملنے کا مشورہ دیا۔ان بزرگ نے چینی پر دم کر کے دیا اور اطمینان دلایا کہ یہ چینی پیو۔سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا مگر ٹھیک کہاں؟ مزید حالت خراب ہوگئی۔پھر ایک اور عامل کامل نے پینے کا تعویذ دیا ۔اس کے استعمال سے دل پر جھٹکے لگنے لگے۔ایسا لگ رہا تھا کہ دل ڈوب رہا ہے۔دو دن کے بعد دل کا درد غائب ہو گیا۔درد دل غائب ہوا تو پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔دست آنے لگے۔ جسمانی بیماریوں کا حال تو یہ اور عشق کی شدت کی کیفیت وہ! اسی کے ساتھ وہم اور شک کا مریض بن گیا۔ان تمام تفصیلات کے بعد اسلم صاحب نے حالات کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور مختصراً اپنے متعلق کچھ معلومات فراہم کیں ہیں ۔(1) عمر تیس سال ہے بے حد حساس واقع ہوئے ہیں (حساس کا نقطہ خط کشیدہ ہے)(2) بچپن ہی سے شرمیلے ہیں(3) ارادے میں پختگی نہیں(4) پڑھنے میں جی نہیں لگتا۔

طریقہ علاج

ایک عام جذباتی مریض کی کیفیت بعینہ وہی ہوتی ہے جو اسلم صاحب کی ہے آئیڈیل کی تلاش، محرومی کا احساس، مریضانہ عشق کے حملے۔کچا ارادہ، کمزور عزائم،ان کے پیرو مرشد رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ کی رائے یہ کہ ''تمہیں اس لڑکی نے کچھ کھلا دیا ہے کہ تم مخبوط الحواس ہو جاؤ'' قابل قبول نہیں ۔سب نفسیاتی مریض ویسے ہی ہوا کرتے ہیں جیسے اسلم صاحب ہیں۔انہیں ہمارے طریقہ علاج کا بھی علم ہے یعنی نصاب تعمیر تنظیم شخصیت کی مشقیں S.C.T اسلم صاحب کو مشورہ میرا یہ ہے کہ ادارۂ من عرف نفسہ (م۔ع۔ن۔یا معن) کے ممبر بن جائیں۔حساسیت پر غالب آنے اور ارادے میں پختگی پیدا کرنے کے لئے چند مشقیں (دس دس منٹ کی) اس کے لئے تجویز کروں گا اور وہ رفتہ رفتہ (کوئی بیس بار رفتہ رفتہ کہیں)ان تمام جذباتی کمزوریوں پر غالب آئیں گے۔ہمارا طریقہ علاج تو یہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

وہی ذہن، وہی ہم تم

دادی مرحومہ کی یاد

کوئی آٹھ سال پہلے میری دادی جان کا انتقال ہوا۔ ہم کو اُن سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا مگر میرے ذہن نے ان کی جدائی کا اثر ضرور قبول کیا۔ ایک روز عجیب واقعہ گزرا۔ نہ جانے یہ میرا وہم ہے یا اصلیت؟ میں نے فضا میں ایک سفید سی چیز دیکھی۔ وہ سفید مادہ سمٹ کر میری دادی مرحومہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اس واقعہ کے بعد سے اب تک مجھے ایک لمحے کے لئے سکون نہیں ملا۔ شروع شروع میں دادی جان کو خواب میں دیکھتی تھی تو وہ بہت پریشان نظر آتی تھیں۔ جب ہم نے اُن کی روح کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کرائی تو ان مرحومہ کی روح کو سکون مل گیا۔ اب وہ جب بھی خواب میں نظر آتی ہیں مطمئن دکھائی دیتی ہیں۔ اور میں اس دنیا میں بے آرام ہوں (خط کی راقم ہیں ن۔ط) اس کے بعد ن۔ط نے تفصیل کے ساتھ اپنی داستان درد بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی شادی نہیں ہوتی۔ ن۔ط کو شبہ ہے کہ کسی نے جادو کے ذریعے سے اُن کے رشتہ شادی میں گرہیں ڈال دی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ آپ میرے لئے دعا کریں یا کسی بزرگ سے دعا کرائیں۔ اگر کسی نے جادو کر دیا ہے تو اس کا توڑ کر دیں۔

روح کی تجسیم

ن ط نے دادی مرحومہ کی تجسیم (سفید مادے کا سمٹ کر مرحومہ کی شکل اختیار کر جانا) کا جو واقعہ بیان کیا ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ بعض اوقات خاص خاص حالات میں نام نہاد مردے ایک لطیف مادے میں ملفوف ہو کر نظر آ جاتے ہیں۔ میں نے اپنی کتابوں حاضرات ارواح اور عالم ارواح میں اس ''روحی مظہر'' پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ الحمد للہ کہ ن۔ط کی

دادی جان مرحومہ کو عالم ارواح میں سکون مل گیا۔اب رہی خود ان کی بے چینی! تو ان کی بے چینی میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ پڑ جاتی ہے۔اب تک بقول اُن کے تیس رشتے آ چکے ہیں لیکن ہر رشتے میں گرہ پڑ گئی۔ن۔ط کو اندیشہ ہے کہ ان کی محرومی میں اُن کی بہن کا ہاتھ ہے' اس نے کچھ کرا دیا ہے۔ظاہر ہے کہ جب اپنی محرومی اور نامرادی کی کوئی ظاہری وجہ سامنے نہیں آتی تو انسان اپنی ناکامی کا ذمہ دار کسی ایسی طاقت کو ٹھہرا دیتا ہے' جس پر اسے اختیار حاصل نہیں۔یعنی جادو۔یا ستاروں کی نحوست یا گردش تقدیر' یا مشیت الٰہی وغیرہ! بے شک یہ تمام رکاوٹیں اپنی جگہ اہمت رکھتی ہیں لیکن کیا۔ن۔ط کی شادی نہ ہونے کا واحد سبب یہی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یقیناً معاملات طے کرنے میں کوئی غلطی کی جاتی ہے کہ ہر بار ن۔ط کے پیام آتے ہیں اور واپس لے لئے جاتے ہیں۔ن۔ط نے لکھا ہے کہ ان کی بہن (جو کامیاب زندگی بسر کر رہی ہے) ہر مشکل کے وقت عبداللہ شاہ غازی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر جاتی ہے اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر لے آتی ہے' یقیناً باباؒ کے تصرفات روحانی سے لوگوں کی بگڑی بن جاتی ہے۔ن۔ط بھی ہر جمعرات کو بابا صاحب کے مزار پر جایا کریں۔جب مزار کے روبرو پہنچیں تو کہیں کہ السلام علیکم یا بابا عبداللہ شاہ غازیؒ پھر کہیں کہ مجھے۔۔۔رئیس امروہی نے آپ کے مزار پر بھیجا ہے۔اس کے بعد مزار کے قریب بیٹھ کر گیارہ سو مرتبہ ''اللہ الصمد'' کا وظیفہ پڑھیں اور ایک سورۂ فاتحہ پڑھ کر گیارہ مرتبہ درود شریف پہلے گیارہ مرتبہ آخر میں۔اس کا ثواب حضرت کی خدمت اقدس میں پیش کر دیں۔اور سلام کر کے رخصت ہو جائیں' جب تک مراد پوری نہ ہو' جمعرات کو یہی عمل کریں (درگاہ پر حاضری کا ایک وقت مقرر کر لیں) بی بی! میں روحانی آدمی نہیں ہوں' تمہارا معمول نفسیاتی مشیر ہوں (معالج ہونے کا بھی دعویٰ نہیں) میں نے تمہیں جو بتایا ہے اس کی روحانی اہمیت تو اپنی جگہ مسلم ہے اس عمل کے نفسیاتی اثرات بھی حیرت انگیز ہیں جو رفتہ رفتہ انسان کے انداز فکر کو بالکل بدل ڈالتے ہیں اور وہ زندگی کو حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔

☆☆☆☆

حقیقت پسندی

احتشام الحق (سینئر کلرک بلوچستان) نے طویل خط لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں حالات سے سمجھوتہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔انہوں نے اپنا مکمل خط نقل کرنے کی اجازت نہیں دی ۔صرف یہ اصرار کیا ہے کہ کوئی ایسی ترکیب بتائیے کہ میں ''حقیقت پسند بن جاؤں۔حقیقت پسندی کوئی متاع بازار نہیں ہے کہ چند روپے جیب میں ڈال کر بازار گئے اور حقیقت پسندی کا سودا خرید لائے۔بچپن میں بہت سے توہمات بہت سے مغالطے، بہت سے فضول تصورات ہمارے ذہن کو زنگ آلود کر دیتے ہیں۔مثلاً میرے والد نے مجھ سے کبھی پیار نہیں کیا میرے بھائی بہن مجھے اچھوت سمجھتے ہیں۔میں دوسروں کے مقابلے میں کم تر ہوں۔میں اعلیٰ مقاصد کے لئے پیدا کیا گیا تھا لیکن بدقسمتی نے مجھے اس پستی تک گرا دیا ہے۔یہ اور اسی قسم کے صدہا آزاد جان ناتوان کو لاحق ہو جاتے ہیں۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی قوت عمل مفلوج ہو جاتی ہے وہ مستقبل کا مقابلہ کرنے سے بچتا ہے اور ہر شخص کو اپنا مخالف سمجھنے لگتا ہے۔احتشام الحق اسی بلکہ ان ہی الجھنوں میں مبتلا ہیں۔لکھتے ہیں کہ خدارا مجھے کوئی ایسی ترکیب بتلائیے کہ تنہائی میں بھی خود رہ سکوں' حالات سے سمجھوتہ کر سکوں۔مستقبل کو تابناک بنا سکوں۔آخر میں لکھتے ہیں کہ آج بھی میری ''سوچ'' ویسی ہی ہے جیسے بچپن میں تھی! دیکھا آپ نے مریض نے کس طرح اپنے مرض کا اقرار کر لیا بے شک احتشام الحق آج بھی بچے ہیں۔ان کا ذہن آج بھی نابالغ ہے۔بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسانی جسم تو بلوغ کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے اور ذہن اپنے مقام سے ایک انچ نہیں سرکتا۔نفسیاتی مریضوں کا یہ مسئلہ ہے کہ۔۔۔جسمانی اعتبار سے تو وہ بیس پچیس' تیس چالیس اور پچاس ساٹھ سال کے ہو جاتے ہیں البتہ ذہنی اعتبار سے ان کی عمر سات آٹھ سال سے زائد نہیں ہوتی۔جسمانی بلوغیت کے باوجود ان کا ذہن نابالغ رہتا ہے۔نفسیاتی معالج کا کام یہ ہے کہ اس ذہنی نابالغ کو بالغ بنائے۔اس کے دماغ کو بچپن کی سطح سے بلند کرے کیا یہ مقصد سکون بخش دواؤں کے استعمال سے حاصل ہو سکتا ہے؟ نہیں کردار کی گتھیاں' گولیوں' انجکشنوں' انسولین تھراپی اور برقی

علاج سے نہیں، سلجھا کرتیں' البتہ عارضی فوائد ممکن ہیں ۔ مثلاً اگر کسی شخص کے ضعف اعصاب کا سبب اندازِ فکر کی کجی ہے' یعنی آدمی غلط طور پر سوچتا ہے تو سکون بخش گولیاں کھلانے سے قبل اس کے سوچنے کے ڈھنگ کو بدلنا چاہئے تا کہ وہ چیزوں کو اسی طرح دیکھ سکے جس طرح ہیں' زندگی کا مطالعہ رنگین شیشوں کی عینک سے نہ کرے ۔ یہ ممکن نہیں کہ میں ہر شخص کی تحلیل نفسی کر سکوں یا انہیں ازسرنو زندگی بسر کرنے کے حقیقت پسندانہ طریقے سکھلا سکوں' اس مقصد کے لئے میں نے نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت S.C.T مرتب کیا ہے ۔ یہ نصاب نفسیات مابعد النفسیات رجیہ یوگ' ویدانت 'تصوف' طب وغیرہ کی باہمی ترکیب سے ترتیب دیا گیا ہے ۔ مثلاً سانس کی مشقیں جو اعصابی بحالی کے سلسلے میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے ۔ ارتکاز توجہ کے طریقے جن سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے' خودنویسی جو ذاتی تحلیل نفسی کا آسان طریقہ ہے ۔ خودتنویمی' اور خود ترغیبی جس کے ذریعے انسان خود اپنے رویے کردار اور اندازِ فکر میں تبدیلی پیدا کر سکتا ہے ۔ احتشام الحق ادارۂ من عرف نفسہ (م ۔ ع ۔ ن معن) کے ممبر بن کر S.C.T کی مشقیں کر لیں ۔ رفتہ رفتہ اُلجھنوں پر غالب آ جائیں گے ۔

شراب اور عیاشی

ایم قمر (ساکن ہ) معاشرے میں خاص درجہ رکھتے ہیں ایک سیاسی جماعت کے رکن بھی ہیں ۔ میٹرک تک تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود لوگ انہیں عزت کی نگاہ سے سے دیکھتے ہیں ۔ شاعر بھی ہیں' ادیب بھی' ان خوبیوں سے مالا مال ہونے کے باوجود نقص یہ ہے کہ کبھی کبھی شراب سے بھی ذوق کر لیتے ہیں (زیادہ سے زیادہ ہفتے میں دو بار) ہم جنس پرستی کے بھی مرتکب ہو چکے ہیں ۔ لکھتے ہیں کہ

رئیس محترم! میں شروع شروع میں خاندان کی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا اس نے محبت کا جواب نفرت سے دیا ۔ بس ایم قمر جھلا گئے اور انہوں نے عورت ذات سے انتقام لینے کے لئے صنف نازک کا شکار کھیلنا شروع کر دیا اور یکے بعد دیگرے بیس بائیس عورتوں کو گھائل کر ڈالا ۔ وقفے وقفے

سے خود لذتی پر بھی عامل رہے آخر میں لکھتے ہیں کہ

تقریباً چار پانچ مہینے بعد میری شادی ہونے والی ہے۔۔خدارا میری رہنمائی کریں تا کہ میری طاقت بحال ہو سکے (یہ ہے ایم۔قمر کے خط کا خلاصہ) ایم۔قمر درحقیقت جنسی ہیجان کے مریض ہیں۔اور شراب نوشی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔لکھتے ہیں کہ میں خاندان کی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا۔جب اس نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں نے عورت ذات سے انتقام لینے کی ٹھانی۔یعنی عیاشی شروع کر دی' طوائفوں کے کوٹھے پر بھی گئے۔ہم جنسی پرستی سے بھی دریغ نہ کیا۔خود لذتی کا مزہ بھی چکھا اور شراب بھی شروع کر دی۔اب قمر کی شادی کا مرحلہ درپیش ہے انہیں شبہ ہے کہ وہ کمزور تو نہیں ہو گئے۔ایم۔قمر نے عیاشی کی وجہ بیان کی۔وہ غلط ہے۔کوئی شخص محبت میں ناکام ہو کر عیاشی شروع نہیں کر دیا کرتا۔حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جب بچپن میں یکا یک کسی سبب سے انسانی ذہن میں جنسی جذبہ بیدار ہو جاتا ہے تو انسان ایک غیر طبعی ہیجان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اس کا علاج واقعی شادی ہے۔بشرطیکہ شادی کے فرائض کو سمجھ کر سنجیدگی کے ساتھ بیوی کے حقوق کی ادائیگی کی جائے۔میں نے سنجیدگی کی شرط عائد کی ہے دیکھنا یہ ہے کہ ایم قمر شادی کے بعد سنجیدہ رہتے ہیں یا نہیں' جہاں تک شراب نوشی کا تعلق ہے تو اگر ازدواجی زندگی پرسکون ثابت ہوئی تو وہ یقیناً اس عادت پر غالب آ جائیں گے۔شراب کا ترک کوئی مشکل کام نہیں ہے بہت آسان ہے۔شراب عادت ساز نہیں ہے' تمباکو اور افیون ترک کر دی جائے تو انسانی اعصاب پر زبردست اثرات پڑتے ہیں۔ترک شراب سے ایسا نہیں ہوتا۔

جذباتی لاوا

عارف علی خان رقمطراز ہیں کہ میں مخالف جنس (لڑکیوں) کی صحبت کو' گندی فلموں کو اور شرم ناک کتابوں کے مطالعے کو بے حد پسند کرتا ہوں۔نتیجہ بقول ان کے یہ نکلا ہے کہ پچھلے عرصے میں گندے گندے خواب نظر آتے اور کپڑے آلودہ ہو جاتے تھے۔اب صورتحال یہ ہے کہ خواب نظر آئیں نہ آئیں دوسرے تیسرے روز (احتلام کے سبب) کپڑے ضرور گیلے

ہو جاتے ہیں۔ جس کی بنا پر میں بے حد کمزور ہو گیا ہوں۔ عارف علی خان جس اُلجھن میں مبتلا ہیں اُسے اُلجھن کہنا ہی مضحکہ خیز ہے۔ بھلا دنیا میں کون سا شخص ایسا ہے جسے سوتے میں خواب نظر نہ آتے ہوں یا جو احتلام سے محفوظ رہا ہو۔ جس طرح پیشاب' پاخانے کا اخراج طبعی چیز ہے' پسینہ آنا، نکسیر پھوٹنا، منہ سے لعاب نکلنا، سب کے سب اندرونی مواد کی نکاسی کے فطری طریقے ہیں۔ اسی طرح انزال بھی' اندرونی جذباتی ہیجان کی نکاسی کا ایک قدرتی طریقہ ہے' عام طور پر کوئی آدمی احتلام سے کمزور نہیں ہوا کرتا، البتہ اس وہم سے ضرور کمزور ہو جاتا ہے کہ اس کی طاقت خواہ مخواہ ضائع ہو رہی ہے (حالانکہ یہ طاقت ضائع ہونے ہی کے لئے جسم میں نمودار ہوتی ہے) گندے خوابوں کا سبب ہوا کرتی ہیں وہ آتش ناک خواہشات جو نو جوانوں کے سینے میں پیدا ہوتی ہیں اگر اس زمانے میں جذبات انگیز فلموں اور شرم ناک کتابوں کے مطالعے کا چسکا پڑ جائے تو نفس کے اندر گویا جوالا مکھی پہاڑ ایک دھماکے سے پھٹ جاتا ہے اور اس کا لاوا، انزال کی شکل میں خارج ہوتا رہتا ہے۔ اس جذباتی دباؤ کو کم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مریض ہر روز خود نویسی کرے' خود نویسی کس طرح کی جاتی ہے اس کو سمجھنے کے لئے عارف علی خان براہ راست مجھ سے خط و کتابت کریں تاکہ میں انہیں یہ بتا دوں کہ یہ جذباتی لاوا ، جو احتلام کا سبب ہے کس طرح خارج ہو؟

حجاب عصمت

کتور عبدالرشید ص۔ب۔ طبرق لیبیا لکھتے ہیں کہ

عالمی ڈائجسٹ (نومبر 1973ء پیش نظر ہے جس کے صفحے 47 پر آپ نے کسی ع۔ن صاحبہ کے مسئلے کا حل تلاش کیا ہے' یہ صاحبہ بقول خود آٹھ سال کی عمر میں کسی شرم ناک حادثے کا شکار ہو گئی تھیں' ان کی شادی قریب تر ہے اور وہ فکر مند ہیں' یہاں تک کہ خودکشی پر کمر بستہ' آپ نے ان کی اُلجھن پر تفصیلی بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ

پرانے خلیوں کے مرنے اور ان کی جگہ نئے خلیوں کے پیدا ہونے کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے'

پچھلے بارہ سال میں تمہاری جسمانی حیثیت بالکل بدل چکی ہے۔جسم کا ایک ایک خلیہ تبدیل ہو چکا ہے۔جسم ایک خودکار مشین ہے جو اپنی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت خود کرتا رہتا ہے' وہ کسی شگاف اور دراڑ کو باقی نہیں چھوڑتا۔ ہر خلاء کو بھر دیتا ہے۔تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بے فکر ہو کر شادی کرو۔انشاءاللہ شادی کامیاب ثابت ہوگی۔

رئیس صاحب! میں برابر آپ کی تحریروں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔نفسیات اور مابعد النفسیات کے سلسلے میں آپ کی تحقیقات اور مشاہدے قابل ذکر ہیں۔تاہم یہ خط اس لئے لکھ رہا ہوں کہ مذکورہ مندرجات غلط معلوم ہوتے ہیں۔آپ کی تحریریں چونکہ بہت سے لوگ پڑھتے ہیں (اور وہ اس قابل ہیں بھی) اس لئے آپ کی ایک لغزش سے بہت سے افراد گمراہ ہو سکتے ہیں۔لہٰذا میں نے اس سلسلے میں کچھ ایسے حقائق کا بیان ضروری سمجھا ہے جو برابر طب کی کتابوں میں نظر سے گزرتے رہے ہیں۔

(2) جسم میں ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کی صلاحیت یقیناً موجود ہے لیکن یہ غلط ہے کہ جسم کا ایک ایک خلیہ بدل جاتا ہے' کچھ پرانے خلیے مرجاتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں لیکن سب خلیے Replace نہیں ہوتے مثلاً Skelatal Musgle Nerve Sells کے خلیے اُن میں Change ضرور آتی ہے مگر Replacement کا عمل نہیں ہوتا۔۔۔البتہ یہ صحیح ہے کہ خون کے ذرات اور جسم کی دوسری جھیلوں کے خلیے وغیرہ ضرور Replage ہوتے ہیں جلد کے سطحی خلیے ضائع ہو جائیں تو اُن کی مکمل تبدیلی ہو جاتی ہے لیکن زخم ذرا زیادہ گہرا ہو، جلد کی دوسری تہوں کو بھی نقصان پہنچ جائے تو زخم بلاشبہ بھر جاتا ہے لیکن سادہ اور معمولی قسم کے خلیوں سے بننے والا حصہ ان پیچیدہ خلیوں اور غدود سے محروم ہو جاتا ہے جو جسم کے دوسرے حصوں میں موجود ہوتے ہیں۔پھر خلیوں کی ری پلیسمنٹ کسی پورے اسٹرکچر کی ری پلیسمنٹ سے مختلف ہے۔ایک شخص جس کے کان کا پردہ کسی اونچی آواز کے دھماکے یا کسی اور سبب سے پھٹ جاتا ہے عمر بھر کے لئے پردۂ سماعت سے محروم ہو جاتا ہے' حالانکہ کان کا پردۂ جن خلیوں سے بنا ہے اس کلاس کے خلیے اکثر ری پلیس ہوتے رہتے ہیں۔یہ نہیں کہ عمر گزرنے کے ساتھ ہر شگاف پر اور ہر دراڑ بھر

جاتی ہے، جس طرح پردۂ سماعت کے شگاف کا رفو ممکن نہیں اسی پردۂ بکارت بھی دوبارہ رفو پذیر نہیں ۔یہی وجہ ہے کہ اس حجاب عصمت کو دوشیزگی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔البتہ پردۂ بکارت کے شگافتہ ہونے کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔جسمانی ملاپ کے علاوہ بعض دوسری وجوہ سے بھی حجاب عصمت شگافتہ ہوسکتا ہے۔(اگر چہ یہ وجوہ بہت نادر ہیں) آپ کے مضمون کے مطالعہ سے پردۂ بکارت کے سلسلے میں جو تاثر پیدا ہوتا ہے وہ درست نہیں ہے، اس مضمون کے مطالعہ سے بہت سے لوگ گمراہی میں مبتلا ہو سکتے ہیں، اسی لئے میں نے چند سطور قلمبند بحث برائے بحث اپنا شیوہ نہیں، اُمید ہے کہ آپ نے میرے جذبے کو محسوس کرلیا ہوگا۔فقط

دکتور عبدالشکور نے جس جذبے سے یہ سطور تحریر کی ہیں۔میں اُن کی صداقت سے منکر نہیں ۔عرض کرنا یہ ہے کہ میں نے یہ مضمون ماہر تشخیص الاعضاء کی حیثیت سے نہیں ایک نفسیاتی مشیر کی حیثیت سے لکھا ہے۔ع۔ن کو میں نے جو یقین دہانی کرائی ہے وہ ان کے حالات کے لحاظ سے ضروری تھی۔آپ کو یاد گا رکہ وہ شادی کے بجائے خودکشی پر تیار ہیں۔معالج نفسیات، حقائق کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کے مریض کو ذہنی تسکین حاصل ہو اور وہ اس روحانی عذاب سے نجات پا جائے جس نے جیون کو اجیرن بنا دیا ہے۔اُمید ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے میری مشکلات اور ذمے داریوں کو محسوس کرلیا ہوگا۔

لڑکا لڑکی

ق۔تبسم کا بیان سنیئے

میں نے ابتدائی تعلیم گرلز اسکول میں حاصل کی۔گھریلو حالات ایسے تھے کہ مجھے کہیں باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔میں گھر میں سب سے بڑا تھا۔اسکول سے آ کر والدہ کا ہاتھ بٹاتا۔بہن بھائیوں کی دیکھ بھال کرتا۔الغرض گھر کا ہر وہ کام کرتا تھا جو لڑکیاں کیا کرتی ہیں۔گھر سے باہر نکلنے پر پابندی تھی۔البتہ سودا سلف کے لئے باہر نکلنے کی اجازت تھی۔ظاہر ہے کہ قید و بند کی اس حالت میں بجز اس کے کوئی اور چارۂ کار نہ تھا کہ لڑکیوں کے ساتھ کھیلوں، چنانچہ میں لڑکیوں کے ساتھ کھیل

کھیلنے لگا۔اور میرے اندر نسوانیت جڑ پکڑتی چلی گئی۔آخر میں لڑکوں سے باتیں کرتے ہوئے جھجکنے لگا۔حتیٰ کہ رشتے کے بھائیوں تک سے آنکھ ملا کر بات نہ کرسکتا تھا۔اب میں بلوغ کی منزل کی طرف سفر کررہا تھا۔کہتے ہیں کہ جوانی دیوانی ہوا کرتی ہے۔اپنا حال یہ تھا کہ جب کسی لڑکی کو دیکھتا تو خیال ہوتا کہ یہ میری بہن ہے یا سہیلی؟ اب میں نے اپنے ذہن میں ایک آئیڈیل بنانا شروع کیا۔کیسی مزے دار بات ہے کہ وہ آئیڈیل ایک لڑکے کا تھا۔کالج میں آیا تو کئی لڑکے میرے پیچھے لگ گئے لیکن میں نے ان کو کوئی لفٹ نہیں دی۔والد کی وفات کے بعد میں نے ایک دفتر میں ملازمت کرلی اور یہاں مجھے میرا آئیڈیل مل گیا۔وہ صاحب (جنہیں میں نے اپنا آئیڈیل قرار دیا تھا) شادی شدہ ہیں اور ماشاءاللہ تین بچوں کے باپ! لیکن مجھے اس سے کیا؟ میرا واسطہ تو اپنے آئیڈیل (محبوب) سے ہے۔عالم یہ ہے کہ جب تک میں اسے سینے سے نہ لگا لوں چین نہیں آتا۔رئیس صاحب! آپ حیران ہوں گے کہ یہ کیسا لڑکا ہے جو لڑکیوں کی طرح باتیں کررہا ہے۔کیا کروں؟۔۔رئیس صاحب یہی تو میری اُلجھن ہے۔

ہم شمع کا سینہ رکھتے ہیں رہتے ہیں مگر پروانوں میں

تبسم جس اُلجھن میں مبتلا ہیں آپ نے اس پر غور کیا۔لڑکے پیدا ہوئے (اور جسمانی طور پر اب بھی مرد ہیں۔مگر بن گئے لڑکی! دیکھا آپ نے غلط ماحول اور غلط تربیت انسانی کردار کو کس طرح مسخ کردیتی ہے؟ بار بار عرض کرچکا ہوں کہ نفسیاتی مریض ذہنی طور پر بچے ہوا کرتے ہیں تبسم کے تمام بیانات بچکانہ ہیں۔وہ بچپن میں لڑکیوں میں کھیلتے تھے اور 90 فیصد بچے اس دور سے گزرتے ہیں۔تبسم اس سلسلے میں منفرد نہیں۔لڑکوں سے گریز کا نتیجہ یہ نکلا (بقول خود) کہ اُن کے اندر نسوانیت جڑ پکڑ گئی اور ان کا پورا کردار زنانہ بن کررہ گیا۔خود فریبی کی کتنی حیرت انگیز مثال تبسم نے پیش کی ہے۔اس قسم کے ذہن امراض اور اس طرح کے کردار کی اُلجھنیں نصیحتیں کرنے اور مشورے دینے سے حل نہیں ہوا کرتیں تبسم کا فرض ہے کہ وہ اپنے کو بدلیں' کس طرح بدلیں؟ کوئی انجکشن لگوا کر؟ کوئی گولی کھا کر؟ جی نہیں انجکشنوں اور آپریشنوں سے جسم تو بدل جاتا ہے۔ذہن تو تبدیل نہیں ہوا کرتا۔تبسم صاحب کے اندر عورت بننے کا جو تقاضا پیدا ہوگیا ہے' اس کا

سب بھی کوئی جنسی گرہ ہے وہ گرہ کیا ہوسکتی ہے؟ اس کا انہوں نے اپنے خط میں کوئی ذکر نہیں کیا ۔تبسم نے یہ نہیں لکھا کہ ان کا جنسی کردار اب تک کیا رہا ہے؟ ان کے اندر یہ کبھی خواہش پیدا ہوئی ہے کہ وہ عملاً بیوی کے فرائض انجام دیں۔ جب تک اس سوال کا جواب نہ ملے گا۔تبسم کا عورت پن اوراس کے اسرار سمجھ میں نہیں آسکتے۔

س۔کا سین

س۔کا یہ عالم ہے کہ اپنا حال دل کسی کو نہیں بتاتیں۔(2) دماغ ہر وقت غلط قسم کی باتیں سوچتا رہتا ہے۔(3) نکتہ چینی اور تنقید کی عادت شدت اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔(4) چپ رہتی ہیں ۔گم رہتی ہیں۔(5) لاپرواہیں کسی چیز کی آرزو نہیں کسی شے کی تمنا نہیں۔(6) شیشے میں اپنے کو دیکھتی ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ کسی غیر کو دیکھ رہی ہیں۔س۔نے اپنے جو حالات لکھے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک طوفان بلاخیز ان کے اندر چھپا ہوا ہے۔اُن کی شخصیت اس طرح دوحصوں میں بٹ چکی ہے کہ ''آئینے میں اپنی شکل دیکھتی ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی اور کا چہرہ ہے'' یہ تقسیم شخصیت کی انتہا ہے' اس کا واحد علاج یہ ہے کہ وہ خود کلامی پر عمل کریں۔یعنی اپنے آپ سے گفتگو شروع کردیں۔کسی خالی کمرے میں جاکر اپنے سے بولنا شروع کردیں۔سوچ کر نہ بولیں۔ بس بے تکے پن کے ساتھ جو خیال ذہن میں آئے اسے الفاظ کا جامہ پہناتی رہیں۔دن میں دس بیس مرتبہ خود کلامی کریں۔خودنویسی کی ترکیب بارہا لکھ چکا ہوں۔خودنویسی پر بھی عمل کریں۔

س (کوئٹہ) کی عمر اب پچیس سال کی ہے' دوسال کی عمر میں یتیم ہوگئی تھیں' پانچ بھائی ہیں سب شادی شدہ ہیں مگر اپنی بدنصیب بہن کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے جو رشتہ آتا ہے اسے ٹھکرا دیتے ہیں۔س۔ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہے۔اپنے منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتیں۔ماں اس غم میں گھل کر نیم جان ہوگئی ہیں۔س نے سوال کیا ہے کہ میں کیا کروں؟

تو بی بی! تم وہ کرو جس کی اجازت اللہ ورسولؐ نے دی ہے' اب جو رشتہ آئے تو رسمی شرم وحیا کو ٹھکرا کر خود ''ہاں'' کردو اگر ایسا نہ کیا تو شیطان تمہیں بہکا کر دائمی تباہی اور بدنامی کے راستے کی

طرف لے جائے گا۔ بھائیوں کے حکم پر اللہ رسول کے حکم کو فوقیت حاصل ہے' آخر تم کب تک بت بنی بیٹھی رہو گی۔

ڈی۔ایس۔نظامی لکھتی ہیں کہ آپ نے عنفوان شباب کو قیامت خیز لمحہ قرار دیا ہے۔ میں نفسیات کی طالبہ ہوں' مدت سے اس پر غور کر رہی تھی کہ لڑکے اور لڑکیاں عنفوان شباب کے حدود میں قدم رکھ کر ذہنی انتشار میں کیوں مبتلا ہو جاتے ہیں؟ مطالعے اور مشاہدے سے رفتہ رفتہ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اس انتشار خیال کا سبب والدین اور ماحول کی پابندیاں ہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ جب انسان کسی نئی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر جذبہ تجسس بیدار ہو جاتا ہے۔ یہ کیا ہے ؟ یہ کیوں ہے؟ یہ کیسے ہے؟ بچہ ان سوالات کا جواب کس سے مانگے؟ جب بڑوں سے پوچھتا ہے تو ان کے ابرو پر بل پڑ جاتے ہیں۔ والدین کے تیور بدل جاتے ہیں۔ بچے کو شرم دلائی جاتی ہے (کہ وہ ایسے بیہودہ سوالات کر رہا ہے) مذہب کے نام سے ڈرایا جاتا ہے اور اس قدر کہ لڑکیاں اور لڑکے اس تصور سے لرزہ براندام ہو جاتے ہیں کہ وہ جو کچھ سوچ رہا ہے (یا سوچ رہی ہے) وہ مذہب کی رو سے گنا عظیم ہے۔

اس کے بعد ڈی ایس نظامی نے ایک لڑکی کا واقعہ بیان کیا ہے' جو اپنی جہالت' لاعلمی اور مناسب تربیت اور موزوں راہنمائی نہ ملنے کے سبب شادی سے قبل ماں بن گئی تھی۔ آخر میں لکھتی ہیں کہ پھر آج کل بلو فلمز اور قیامت انگیز لٹریچر نے قیامت ڈھا رکھی ہے۔

انجان آدمی

آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ ہر آدمی انجان ہے۔ آپ جن لوگوں کو جاننے پہچاننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ درحقیقت آپ انہیں بھی نہیں جانتے نہیں پہچانتے۔ دوسروں کا کیا ذکر ہے' آپ خود بھی اپنے آپ سے واقف نہیں۔

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے

آپ کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتے کہ فلاں اور فلاں حالات میں آپ کا ردعمل کیا ہو گا۔ مثلاً ایک

دوست آپ کی توہین کرتا اور آپ اور آپ کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچاتا ہے‘اس سلسلے میں آپ قدرتی طور پر متعدد طرز عمل اختیار کر سکتے ہیں۔گالی کا جواب گالی اور تھپڑ کا جواب گھونسے سے دیں ۔(2)اس وقت خاموش ہوجائیں اور اپنی توہین کا انتقام کسی دوسرے وقت پر اُٹھا رکھیں ۔(3)ہتک عزت اور توہین نفس کا بالکل اثر ہی نہ لیں اور دوڑ کر دوست کو گلے سے لگالیں ۔(4)اس وقت یہ پورا معاملہ آپ کو مضحکہ خیز نظر آئے لیکن دوسرے روز جو آپ بستر خواب سے اُٹھیں تو پہلی بات یہی یاد آئے کہ کل ایک دوست نے آپ کی سخت توہین کی تھی اور آپ کا سینہ اشتعال سے لبریز ہوجائے۔(5) آپ خاموشی کے ساتھ دوست سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اور عمر بھر اس سے سیدھے منہ بات نہ کریں۔(6) آپ اپنی کمزوری محسوس کر کے دوست کے خلاف سازش کریں۔الغرض ایک مہیج یعنی ایک واقعے سے نمٹنے کے لئے آدمی مختلف طریقے اختیار کر سکتا ہے لیکن پہلے سے پورے بھروسے کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آدمی لازمی طور پر یہ راستہ اختیار کرے گا یا وہ! جانور اور انسان میں یہی فرق ہے کہ حیوانی ردعمل کیا پیشگوئی بہت حد تک ممکن ہے۔ہمیں معلوم ہے کہ اگر ہم جانور کو ڈرائیں گے تو یا تو وہ حملہ کردے گا یا بھاگ جائے گا لیکن انسان کے بارے میں یہ بات پورے وثوق سے نہیں کہی جاسکتی۔آپ خود اپنے کسی ممکن طرز عمل یا ردعمل کے بارے میں عام اندازہ لگا سکتے ہیں۔حتمی طور پر کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی آدمی کے عمل اور ردعمل کا پیشگی تعین نہیں کیا جاسکتا۔اس طرح ہر آدمی اور ہر انسان پیچیدہ ہے۔

پیچیدہ تر

لیکن جہاں تک ذہنی مریضوں کا تعلق ہے تو وہ پیچیدہ تر حیثیت رکھتے ہیں۔بیرونی یا اندرونی مہیجات اور محرکات کے مقابلے میں ان کا جوابی عمل اور زیادہ اُلجھا ہوا اور غیر یقینی ہوتا ہے اگر ایک نارمل آدمی مبتلائے محبت ہوجائے تو اگر چہ فوری طور پر اس کا ردعمل بھی وہی ہوگا جو ایک نفسیاتی بیمار کا ہوسکتا ہے یعنی شدید اشتعال یا شدید اضمحلال! لیکن ذہنی صحت منداور ذہنی بیمار میں فرق یہ

ہے کہ نارمل آدمی رفتہ رفتہ حالات سے مطابقت پیدا کر لیتا اور ناکامی محبت کو بخوشی یا بہ مجبوری سہارا لیتا ہے۔لیکن ذہنی بیمار ہمیشہ کے لئے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتا ہے۔میں نے عرض کیا کہ ہر واقعے کی نسبت کمزور ذہن رکھنے والے شخص کا ردعمل بے حد پیچیدہ ہوتا ہے اس چیز کو بھی امر واقعہ کے طور پر تسلیم کر لیجئے کہ زندگی جوں جوں پیچیدہ ہوتی چلی جاتی ہے۔نفسیاتی پیچاک (کام پلکس) بھی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔بیسویں صدی کو بجا طور پر نفسیاتی امراض کی صدی کہا گیا ہے'ایک طرف پرانے نظام تصورات اپنی اہمیت زائل کر چکے ہیں۔اب ان کی حیثیت اہرام مصری سے زیادہ نہیں۔جن کی قدامت اور عظمت کی تعریف تو کی جاسکتی ہے لیکن ان کو کسی مفید مقصد کیلئے استعمال نہیں کیا جاسکتا اور دوسری طرف کوئی نیا ہمہ گیر نظام تصورات وجود میں آیا نہیں جس پر لوگ اپنے عقیدے کی بنیاد رکھ سکیں۔البتہ جن ملکوں میں نئے تصوراتی نظام وجود میں آ گئے ہیں مثلاً سوشلسٹ ممالک' وہاں ذہنی کشمکش اور فطری تصادم کے وہ آثار نظر نہیں آتے جو نام نہاد آزاد دنیا (امریکہ'یورپ اور ان کے ذیلی ممالک کی خصوصیت بن گئے ہیں' یہاں سوشلزم کی خوبی وخامی سے بحث نہیں' نقطہ بحث یہ ہے کہ کروڑوں افراد سوشلزم اور اس کے نظریات اور تعلیمات پر سچا، گہرا اٹل اور بے لاگ عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنی تمام ذہنی اور نفسیاتی مشکلات کا حل سوشلسٹ نظام حیات کو سمجھتے ہیں' ان کا یہی عقیدہ انہیں روحانی ٹوٹ پھوٹ اور ذہنی شکست دریخت سے بچائے ہوئے ہے۔فرد بے عقیدہ ہو یا قوم ممکن نہیں کہ وہ ذہنی خلا میں زندگی بسر کر سکے' آج کل یہ ذہنی خلا وسعت پذیر ہے اور اسی لئے نفسیاتی کشمکش تیز سے تیز تر ہوتی چلی جارہی ہے۔

پرشور دنیا میں

سوال یہ ہے کہ اس پرشور دنیا میں ذہنی صحت مندی کی زندگی کس طرح بسر کی جائے۔یہ ایک طویل بحث ہے۔اس وقت تو صرف یہ سمجھ لیجئے کہ ہم میں سے ہر فرد کو اپنی ذمے داری قبول کرنی پڑے گی۔نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی یہ مشقیں ہمیں اسی ذاتی ذمے داری کا سبق

دیتی ہیں' عام طور پر جو لوگ کام پلکسز یعنی اندرونی پیچا کوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان میں خوف 'وہم' مایوسی' بیزاری' احساس کمتری' تشویش' غصہ' ہیجان' بے اعتمادی اور ضعف ارادہ کو نمایاں اہمیت حاصل ہے' خوف کی بے شمار قسمیں ہیں۔ وہم کے ان گنت روپ ہیں۔ مایوسی اور بیزاری کے اظہار کے لاتعداد طریقے ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ سے اُلجھا ہوا ہے اور اس کی یہ اُلجھن صرف اسی کی ذات سے مخصوص ہے' آپ نفسیاتی امراض کے معالجوں کے پاس جائیں گے تو وہ آپ کے لئے سکون بخش یا خواب آور یا سن کر دینے والی گولیاں تجویز کر دیں گے۔ یہ گولیاں دماغ کے بعض حصوں کو غیر احساس یا ''سن'' کر دیتی ہیں۔ اور آدمی وقتی طور پر اپنی خلش ذہنی سے نجات پالیتا ہے لیکن یہ کوئی مستقل علاج نہیں' دماغ کے کسی حصے کے غیر حساس بن جانے سے شخصیت کی بنیادی پیچیدگی حل نہیں ہوتی' عارضی افاقہ ضرور ہو جاتا ہے' بنیادی شکایت بدستور باقی رہ جاتی ہے' ضرورت یہ ہے کہ انسانی شخصیت کی از سر نو تنظیم کی جائے اور پرانے ذہن کے ٹوٹے پھوٹے ملبے سے نیا ذہن بنایا جائے' جب ہی اس پرشور دنیا میں ہم ایک پرسکون شخصیت کے مالک بن سکتے ہیں' ظاہر ہے کہ یہ عمل آسان نہیں' اگر نفسیاتی مریض میں یہ صلاحیت باقی ہوتی کہ وہ اپنے ارادے کی قوت سے اپنے طرز فکر کو بدل کر بیرونی حالات اور ضروریات سے مطابقت پیدا کرے تو اسے ذہنی مریض کون کہتا۔ ذہنی مریض کی شکست کا راز ہی یہ ہے کہ سعی وکوشش کے باوجود وہ اپنے کو بدلنے سے قاصر رہتا ہے ۔خود اس کے اندر ایک ایسی منفی اور تخریبی قوت یا مدمقابل ارادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اصلاح حال کی تمام کوششوں کو ملیامیٹ کر دیتا ہے' جب بھی آپ شدید ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہوں تو بطور خود ان کا حل تلاش کرنے کے بجائے چند لوگوں کو اپنا راز دار بنالیں اور ان پر بے کم وکاست اپنی مجبوریوں اور کمزوریوں کا انکشاف کر دیں۔ حد سے زیادہ دماغی کشمکش اور اندرونی ہیجان کو کم کرنے کے لئے دوسروں کی مدد حاصل کرنا ضروری ہے اگر کوئی آدمی دلدل میں دھنس جائے تو ضروری ہے کہ وہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کرے ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا''۔ یہ کہاوت ہی نہیں ہے حقیقت بھی ہے''۔

مثبت اور منفی

کمزور ذہن رکھنے والے حساس اور اثر پذیر افراد در حقیقت ضعف ارادہ کے مارے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن کی قوت ارادہ دو حصوں میں بٹ چکی ہوتی ہے۔ مثبت ارادہ اور منفی ارادہ مثبت ارادہ یہ کہ میں صحیح طریقے پر زندگی بسر کروں منفی ارادہ یہ کہ میں اپنی شخصیت کو تباہ کردوں' اصولی طور پر ہر انسان کے اندر مثبت اور منفی ارادے کی جھلک پائی جاتی ہے۔ نفس انسانی کے بے شمار پہلو یادریچے ہیں۔ نفس امارہ ہے جو ہمیں خواہشوں کی پیروی کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ تمام اخلاقی عیوب' جھوٹ' حسد' حرص' خودغرضی' انسان' دشمنی' جنسی کج روی' تشدد' تندخوئی' حیوانیت 'نفس امارہ کی ترغیب سے وجود میں آتے ہیں۔ ہم نفس مارہ کی ترغیب وتحریک سے جھوٹ بولتے ہیں لیکن اس پر کسی نہ کسی وقت پچھتاتے بھی ہیں' یہ پچھتانے کی کیفیت نفس لوامہ کے عمل سے طاری ہوتی ہے۔ نفس امارہ کا کام یہ ہے کہ وہ برائی کا راستہ دکھلائے نفس لوامہ کا کام یہ ہے کہ وہ برائیوں پر ملامت کرے مشہور نفسیات داں سگمنڈ فرائیڈ نے نفس امارہ اور نفس لوامہ کے بجائے اڈ اور سپر ایگو کی اصطلاحیں ایجاد کی ہیں اصطلاحوں میں الجھے بغیر تعمیر و تنظیم شخصیت کا بنیادی عمل یہ ہے کہ نفس امارہ (منفی ارادے) پر نفس لوامہ (ملامت کرنے والی قوت) کی گرفت کو مضبوط کرکے انسانی کے اس اعلیٰ ترین حصے کو بروئے کار لایا جائے جسے قدیم علم النفس اور علم الاخلاق کی زبان میں نفس ناطقہ'' کہتے ہیں۔ نفس ناطقہ تمام عقل و دانش اور برتر اوصاف کا سرچشمہ ہے اور صرف انسان کے لئے مخصوص ہے۔ نفس ناطقہ کے سبب سے ہی انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے۔ حیوان میں نفس امارہ بھی ہوتا ہے۔ نفس لوامہ بھی لیکن حیوان ناطق (انسان) نفس ناطقہ سے بھی آراستہ پیراستہ ہے اور یہی اس کی فضیلت کی دلیل ہے۔

سانس کی مشقیں

میں انسان کے مثبت ارادے کو مضبوط بنانے یعنی نفس لوامہ کو بروئے کار لانے کے لئے

S.C.T کے طالب علم کو سانس کی مشقیں کرایا کرتا ہوں۔ انسانی نظام اعصاب کا سب سے بڑا مظہر سانس کا عمل ہے۔ ہماری دماغی اور ذہنی کیفیت کا سب سے پہلا اظہار سانس کی رفتار سے ہوتا ہے شدید محویت کے عالم میں سانس کی رفتار دھیمی اور ہلکی ہو جاتی ہے اور ہیجان کی حالت میں سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگتا ہے۔ سانس کی مشق کا انسانی ذہن پر کیا اثر پڑتا ہے اور کیسے کیسے نادر تجربات ہوتے ہیں' اس کا اندازہ C.S.T کے طالب علم چغتائی صاحب کے حسب ذیل بیان سے ہوگا۔ لکھتے ہیں کہ

''مشقیں جاری ہیں' تنفس نور کی مشق میں یہ محسوس کرتا ہوں گویا فضا میں تحلیل ہوتا چلا جا رہا ہوں۔ جب سانس ناک کے نتھنوں سے خارج کرتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جسم پر سر نہیں ہے۔ سر کے بجائے کھلے آسمان کا تصور اور روشن فضا کا منظر سامنے آ جاتا ہے۔ گاہے گاہے مشق کرتے ہوئے جسم میں خوف کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مثلاً یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ کوئی ان دیکھا ہاتھ منہ پر زور سے طمانچہ مار دے گا یا کوئی مہیب سایہ زندہ انسان کا روپ دھار کر سامنے آ کھڑا ہوگا۔ اس قسم کی کیفیتیں رات کی مشق میں پہلے یا دوسرے دور کے آغاز میں یا دوران میں پیدا ہوتی ہیں۔ دو روز قبل بادل کے دو نوک دار سیاہ ٹکڑوں کو دیکھ کر لرز گیا۔ ہوا یوں کہ رات کو مشق کے ارادے سے مقرر جگہ جا بیٹھا۔ بادل کے ان ٹکڑوں پر نظر پڑی تو سہم گیا۔ خیال آیا کہ یہ عذاب کے وہ بادل تو نہیں جو قوم عاد و ثمود کی تباہی کے لئے بھیجے گئے تھے۔ کئی مرتبہ لاحول پڑھی۔ دل مطمئن نہ ہوا۔ ناچار مشق کا ارادہ ملتوی کر کے چھت سے نیچے آ گیا اور پھر سوتے ہوئے افراد کے درمیان اپنی چارپائی پر بیٹھ کر مشق مکمل کی۔ ہر چند کہ اس وقت بھی وہی' سیاہ نوک دار ابر پارے ہوا میں تیر رہے تھے۔ مگر دوسرے لوگوں کی موجودگی کے سبب ڈھارس بندھی رہی البتہ ایسا ہوا کہ سانس کے پانچ چکر یا دور مکمل کرنے کے بعد سر کے دائیں حصے میں درد کی لہریں محسوس ہوئیں مگر بہت جلد ختم ہو گئیں' اس سے قبل بھی دو تین بار سر میں درد کی لہریں محسوس کر چکا ہوں۔

☆☆☆☆

سیلف ہپناسز

کئی مرتبہ سیلف ہپناسز (اپنے اوپر تنویمی نیند طاری کرنے کا عمل) کرتے ہوئے آپ کے تصور کے ساتھ استغراق کی حالت طاری ہو جاتی ہے یعنی بالکل ڈوب جاتا ہوں مگر یکا یک ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھتا ہوں۔ چند لمحے کے لئے ایسے لگتا ہے کہ جیسے دل ڈوب رہا ہے' دم نکلنے والا اور روح پرواز کرنے والی ہے اس طرح شدید خوف پیدا ہوتا ہے' اس کیفیت کا تدارک کس طرح کیا جائے' چند ہفتے سے تمباکو نوشی میں کافی اضافہ ہو گیا ہے' یہی حالت چائے کی ہے' دن بھر میں آٹھ دس پیالیاں پی جاتا ہوں۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ ہے چغتائی صاحب کے تاثرات وتصورات کا خلاصہ۔ چغتائی صاحب میری تجویز پر چار مشقیں کرتے ہیں' مشق تنفس نور' مراقبہ نور' سیلف ہپناسز یا خود تنویمی اور خود نویسی' وہ شاعر بھی ہیں اور صحافی بھی۔ شعر وصحافت کے ذوق کے سبب ان کا شدید الاحساس ہونا ناگزیر ہے' فنون لطیفہ' شاعری' موسیقی اور ادب وغیرہ سے تعلق رکھنے والے لوگ عام طور پر شدید حساسیت کے شکار ہوا کرتے ہیں۔ بعض کی حساسیت مرض کے درجے پر بھی پہنچ جاتی ہے بعض اپنے آپ کو سنبھالے رکھتے ہیں۔ چغتائی صاحب کی شدید الاحساسی نے انہیں خوف کا مریض بنا دیا ہے۔ یہ خوف اُن کی رگ دپے میں دوڑا ہوا ہے اور روح تک میں سرایت کر گیا ہے' دوسری ذہنی الجھنیں اسی دبے ہوئے خوف کے سبب پیدا ہوئی ہیں۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی مشقوں کا قاعدہ یہ ہے کہ یہ انسانی نفس کے اندر دبے ہوئے اور دبائے ہوئے تمام جذبوں اور کیفیتوں کو اکھیڑ کر اور اکھاڑ کر شعور کی سطح پر لاتی ہیں چغتائی صاحب کے لاشعور پر خوف حکمران ہے۔ لاشعور کی اصطلاح جدید نفسیات کی تراشی ہوئی ہے اور اس کی حیثیت ایک لفظ سے زیادہ نہیں۔ چغتائی صاحب کی ذہنی بحالی کے لئے ضروری تھا اور ہے کہ ذہن کے خوف زدہ حصے کو بروئے کار آنے کا موقع دیا جائے۔ خوف کی کیفیت جب لاشعور کی سطح سے شعور کی سطح پر آتی ہے تو وہ زندگی کے حقائق کی گرفت میں آجاتی ہے اس وقت عام سمجھ بوجھ کی حس خوف کے جذبے پر عمل کرتی ہے اور خوف زدہ مریض عام سمجھ بوجھ کی مدد سے رفتہ رفتہ اس منفی

جذبے (خواہ مخواہ ڈرنا) پر غالب آ جاتا ہے۔

محبوب رُوبرو

ن۔ عذرا۔ اپریل سے سانس کی مشق کر رہی ہیں۔ ان کا ایک دلچسپ تجربہ ملاحظہ ہو۔ لکھتی ہیں کہ محترم بزرگ! اب میں اعتراف حقیقت کرتی ہوں یہ بات میں نے شرم کے سبب پہلے نہیں بتائی تھی۔ میں نے اپریل میں مشق تنفس نور، حافظے کی بحالی کے لئے شروع کی تھی۔ آپ نے بزرگانہ شفقت سے کام لے کر تنفس نور کی اجازت دے دی تھی۔ دراصل میرے حافظے کی خرابی کا سبب ایک شرمیلا نوجوان تھا۔ جسے سال ہا سال تک یہ توفیق نہ ہوئی کہ دل کی بات زبان پر لا سکتا۔ میں نے ہر ممکن ہمت افزائی کی اور کیوں نہ کرتی آخر وہ میرا منگیتر بھی تھا۔ محبوب بھی تھا۔ نہ جانے کیا اسباب ایسے ہوئے کہ اس نے ہمارے گھر آمدورفت ترک کر دی۔ میرے محسن! بتا نہیں سکتی کہ ان کی جدائی کے چھ جہنمی مہینے میں نے کس تکلیف اور عذاب کے ساتھ بسر کئے۔ اس زمانے میں میرا حافظہ یقیناً خراب ہو گیا تھا۔ مشق تنفس نور کا طریقہ یہ ہے کہ ناک کے سوراخ سے سانسوں کو اندر کھینچتے وقت یہ تصور کیا جائے کہ نور کی ایک شعاع سانس کے ساتھ ناف سے سینے کی طرف رہی ہے۔ سانس روکتے ہوئے بھی نور کا تصور کیا جائے اور خارج کرتے وقت بھی۔ میں ہر چند کوشش کرتی تھی کہ مشق تنفس نور میں آنکھیں بند کئے کئے نور، یا شعلے یا سورج یا چاند کا تصور کروں لیکن جب بھی آنکھیں بند کرتی تھی اپنے محبوب کا چہرہ سامنے آ جاتا تھا۔ دو تین ہفتے تک یہ جنگ جاری رہی آخر میں نے ہتھیار ڈال دیئے اور نور کے بجائے محبوب منگیتر کے چہرے کا تصور شروع کر دیا ابتداء میں اس کے چہرے کے خدوخال بہت دھندلے دکھائی دیتے تھے لیکن متواتر کوشش سے ...شن رت ہوتے چلے گئے۔ مئی تک میرا تصور اتنا پختہ ہوتا چلا گیا کہ جب بھی آنکھیں بند کرتی ...منے نظر آتا۔ اس زمانے میں ایک نئی کیفیت طاری ہوئی۔ نیا تجربہ پیش آیا۔ ایک روز جب ...نے مشق تنفس نور شروع کی تو پہلے چکر ہی میں ڈوب جانے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس عالم ...خودی میں رئیس صاحب! مجھے عجیب تجربہ ہوا۔ میں نے دیکھا کہ میں اپنے محبوب منگیتر کے

کمرے میں موجود ہوں ۔ یہ شبہے کی صورت نہ تھی ۔یقین واعتماد کے ساتھ میں نے اپنے کو اس کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جواں ہی وہ کمرے میں گھس ہق دق رہ گیا ۔ جیسے کوئی ناقابل یقین چیز اسے نظر آ گئی دو تین سیکنڈ کے بعد مجھے ہوش آیا تو میں اپنے کمرے میں موجود تھی ۔۔قدرتی نشست میں بیٹھی ہوئی فوراً مجھے یہ خیال آیا کہ میں نے اسے بحالت بخودی دیکھا ہے ۔اگر چہ اندر سے کوئی چیز اس تجربے کو وہم اور صرف وہم ماننے کو تیار نہ تھی لیکن اس مشاہدے کو سچ سمجھنے کا کوئی ثبوت بھی نہ تھا۔

ابھی میں اسی شش وپنج میں مبتلا تھی کہ بھائی جان کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی بھائی جان موجود نہ تھے میں نے ریسیور اٹھایا تو وہی بول رہا تھا اس نے تقریباً سات مہینے کے بعد مجھے فون کیا تھا کہہ رہا تھا کہ عذرا تم یقین کروگی کہ آج میں نے کتنا عجیب وغریب خواب دیکھا ۔ابھی ابھی دومنٹ پہلے جب میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ تم ہلکے نیلے رنگ کا دوپٹہ اوڑھے کھڑی ہو۔ حیرت کے مارے عجیب عالم ہوا۔ میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا کہ یہ منظر حقیقی ہے یا خیالی؟ پھر جس طرح کیا یک تم نظر آئی تھیں، اسی طرح یکا یک غائب ہوگئیں ۔ یہ چیز اور زیادہ حیرت انگیز تھی ۔ یہاں تک کہ ٹیلی فون کرنے پر مجبور ہوگیا۔ معاف کردینا۔

تن سازی

آپ نے تن سازی کا نام سنا ہے۔تن سازی Body Bulding کو کہتے ہیں یعنی مختلف مشقوں اور ریاضتوں اور داؤ پیچ کے ذریعے جسم کے رگ پٹھوں کو مضبوط بنانا۔خود کراچی میں تن سازی یا باڈی بلڈنگ کے مختلف ادارے قائم ہیں اور فزیکل کلچر یا ''تربیت جسم'' کے نام سے ایک تحریک پورے ملک میں چلائی جارہی ہے، پہلوانی اور فن تن سازی کی منظم تحریک کوئی نئی تحریک نہیں ہے۔ جب سے انسان اس کرۂ ارض پر موجود ہے وہ جسم کو مضبوط بنانے اور مردانگی، جوانمردی اور شہ زوری کی صلاحیتیں پیدا کرنے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتا رہا ہے ۔ درحقیقت انسان کی

پوری تاریخ ہی تن سازی اور تربیت جسم کے مختلف کارناموں پر مشتمل ہے' تن سازی کے دوش بدوش ذہن سازی کی تحریک بھی مختلف ناموں' مختلف عنوانوں اور مختلف مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعے دنیا کے ہر ملک میں رہی ہے بلکہ ذہن سازی (سیلف کلچر ٹریننگ) کو تن سازی پر ہمیشہ بالادستی رہی ہے کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ صرف ایک مضبوط' روشن اور توانا ذہن ہی' طاقت ور جسم کو وجود میں لاسکتا ہے۔ آپ کا جسم مضبوط ہے مگر دماغ توانا نہیں۔ تو آپ ہاتھی' گھوڑے کی طرح ہیں کہ اتنے تن وتوش کے باوجود یہ انسانی ذہن کے محکوم ہیں۔

ذہن ایک گزرگاہ

عام خیال یہ ہے کہ ہم مختلف ورزشوں کے ذریعے جسم کو مضبوط بنا سکتے ہیں لیکن ذہن ایک ایسی خودمختار طاقت ہے کہ اسے اپنا محکوم نہیں بنایا جاسکتا۔ ذہن کو محکوم و مطیع بنانے کا مطلب کیا ہے؟ چند لفظوں میں اس کی وضاحت بھی کردی جائے۔ ذہن ایک ایسی گزرگاہ کی حیثیت رکھتا ہے جس پر ہمیشہ شعور کے مختلف قافلے اور مختلف لہریں ہماری مرضی اور ارادے کے بغیر رواں دواں رہتی ہیں ۔ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ایک لمحے کے لئے بھی خیال کی کی لہر کو روک دیں۔ ذہنی عمل بڑا پیچیدہ عمل ہے۔ خیال یہ ہے کہ ایک سیکنڈ میں لؤیا ایک منٹ میں تقریباً ایک سوبیس خیالات (جو ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہیں) ذہن سے گزر جاتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ شعور ہر لمحہ حرکت اور جنبش میں رہتا ہے اور اس مسلسل حرکت اور لگا تار جنبش کے سبب بے شمار ذہنی توانائی خرچ ہوتی رہتی ہے۔ جسم کم قوت صرف کرتا ہے' ذہن زیادہ قوت صرف کرتا ہے' سائنسی تجربہ گاہوں میں جو ٹیسٹ کئے گئے ہیں۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ ایک گھنٹہ کی دماغی محنت چار گھنٹے تک پھاوڑا چلانے' لکڑی چیرنے بوجھ اُٹھانے' ڈنڈ پیلنے' مگدر ہلانے اور بھاگ دوڑ میں جتنی توانائی صرف کرتے ہیں' ایک گھنٹے کی دماغی مشقت میں اتنی ہی یا اس سے زیادہ اعصابی توانائی خرچ ہوجاتی ہے''۔ سوچتے سوچتے تھک گیا۔ یہ شاعرانہ فقرہ نہیں' حقیقت ہے اور جسمانی حقیقت۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت S.C.T کا مقصد صرف یہ ہے کہ شعور خیال اور توجہ کی فضول خرچی ختم کرکے ذہن کو بے دریغ اعصابی قوت

کے اسراف سے روکا جائے اور انسانی ارادے کو اتنا مضبوط بنا دیا جائے کہ وہ جتنی دیر تک چاہئے صرف ایک نقطے پر اپنی توجہ مرکوز رکھے۔یعنی سیلف کلچر ٹریننگ کورس کا بنیادی سبق ارتکاز توجہ Concentration کی صلاحیت پیدا کرنا ہے' پریشان حال اور پراگندہ فکر آدمی زندگی کے کسی شعبے میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔وہ ہمیشہ اپنے خیالوں' خوابوں اور تصوروں کے جال میں اسیر رہتا ہے' نفسیاتی صحت مندی کی بنیادی شرط ہے ارادے کی قوت! قوی ارادہ صرف اس وقت پیدا ہوسکتا ہے جب ہم ارتکاز توجہ کی قوت سے مالا مال ہوں۔میں نے ہزاروں نفسیاتی مریضوں کا علاج ان ہی مشقوں کے ذریعے کیا ہے اور زیادہ نہیں تو ساٹھ فیصدی کامیابی ضرور حاصل کی ہے۔باقی چالیس فیصد افراد اس لئے ناکام رہے کہ انہوں نے کسی مجبوری یا کسی معذوری کے سبب نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی مشقوں کو ترک کردیا۔یا ابتدائی مشکلات سے (جو ناگزیر ہیں) گھبرا گئے جس طرح توڑنے موڑنے میں جسم انسانی ارادے کی مزاحمت کرتا ہے۔اسی طرح جب ذہن پر قابو پانے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ شدید ردعمل کا مظاہرہ کرتا ہے اسی کو ''لاشعوری مزاحمت'' کہتے ہیں۔نفسیاتی مریضوں میں یہ لاشعوری مزاحمت بے حد شدید ہوتی ہے۔شخصیت دو حصوں میں بٹ جاتی ہے اور دونوں حصے ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں۔نفسیاتی معالج بڑی نرمی احتیاط اور سوجھ بوجھ کے ساتھ ترغیب و تلقین کے ذریعے رفتہ رفتہ ذہن کے دونوں کٹے ہوئے حصوں کے درمیان ''حقیقت پسندی'' کا پل بناتا ہے اور اس طرح جذباتی اُلجھنوں کے معقول حل کے راستے خود بخود پیدا ہوجاتے ہیں۔

م۔ع۔ن

میں اپنے طریق علاج کو خالص نفسیاتی (نفسیاتی علاج کے جدید مشہور طریقے) نہیں کہہ سکتا۔میں نے تعمیر و تنظیم شخصیت کی مشقوں کی ترتیب و تنظیم میں ہٹھ یوگ' راجیہ یوگ' بھگتی یوگ' تنتی یوگا' زینوازم (چین) قبالہ فلاسفی' جادو' ہپناٹزم' مسمریزم' تھیاسونی اور تصوف کے مختلف اشغال و وظائف سے مدد لی ہے اور نفسیات کے بجائے ''مابعد النفسیات'' کے فن کو روشناس کرایا ہے۔

مابعد النفسیات کی تحریک کو مقبول بنانے کے لئے ایک ادارے کی بنیاد بھی۔ ادارہ من عرف نفسہ کے نام سے ڈال دی گئی ہے۔ میرے بعد اس ادارے کا کیا حشر ہوگا؟ مجھے نہیں معلوم' بہر حال میں نے تو اپنی زندگی اس تحریک کے لئے جواب بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ وقف کر دی ہے۔

باہر ترے کوچے کے نہ دنیا ہے نہ دین ہے
اب اُٹھ کے کہاں جایئے جو کچھ ہے یہیں ہے

ادارہ من عرف نفسہ معن (م ع ن) ہے جن حضرات کو ان مشقوں کے تفصیلی مطالعے کا ذوق ہو وہ ادارے کے ممبر بن کر "معن" کے شائع کردہ رسالے مجھ سے طلب کر لیں S.C.T کی مختلف مشقوں پر کتنے حضرات وخواتین نے عمل کیا ہے۔ افسوس کہ میں نے اپنی شاعرانہ بے پروائی کے سبب اس کا کوئی ریکارڈ اپنے پاس نہیں رکھا۔

زندگی اور موت کے عقدوں کو سلجھائیں گے کیا
ہم کہ اک زلف پریشاں میں اُلجھ کر رہ گئے

اب تک S.C.T کے طلبہ اور طالبات کے بے شمار خطوط (واقعی بے شمار) وصول ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ 1968ء تک کا تمام ریکارڈ نہ جانے راز داری کے خیال سے ضائع کر دیا بے پروائی کے سبب ضائع ہو گیا آہ! انسانی ذہن کے کتنے نادر نوشتے میرے ہاتھوں تلف ہو گئے کہ اب تلافی مشکل ہے بہر حال اب بعض خطوط (جن سے نفس کے کسی نئے پہلو، نئی سمت' نئے بُعد' نئے رخ اور نئے اُفق پر روشنی پڑتی ہے (رکھ لیتا ہوں باقی کو بدستور (راز داری کے خیال سے) نذر آتش کر دیتا ہوں۔ ذیل میں چند تازہ ترین خطوط کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ارشاد احمد بیگ چغتائی۔ پاک نیوز ایجنسی۔۔۔ استاد محمد لکھتے ہیں کہ

پچھلے پانچ چھ روز سے مشق تنفس کرتے ہوئے سانس نہایت گہرا اور نور کا تصور بہت حد تک واضح ہوتا چلا جارہا ہے۔ سانس لیتے ہوئے اپنے کو خلا میں رواں دواں محسوس کرتا ہوں۔ سانس کے ادخال کے وقت محسوس ہوتا ہے کہ پورا وجود خصوصاً قلب لرز رہا ہے یا قلب میں کوئی چیز پھڑک

رہی ہے کبھی کبھی سانس کی مشق میں سفر کا لطف آتا ہے جیسے کسی تیز رفتار ٹرین میں بیٹھا ہوں ۔سانس کے خراج پر ایک حد تک قدرت حاصل ہوگئی ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر، رک رک کر آہستہ آہستہ ناک کے نتھنوں سے سانس خارج کرتا ہوں۔ طبیعت آج کل نہایت شاداں وفرحاں ہے' آنکھیں نہایت کشادہ اور کھلی کھلی لگتی ہیں' جس شے پر توجہ جم جاتی ہے' یوں سمجھئے کہ ارتکاز توجہ کا عمل خود کار طریقے پر ہو جاتا ہے اور کسی مہیج (وہ چیز جو ہیجان اور حرکت میں لائے مثلاً روشنی بصارت کے لئے اور آواز کان کے لئے مہیج کی حیثیت رکھتی ہے) کے بغیر اپنا کام کر رہا ہے' جیسے میں خود بخود کہیں گم ہوگیا ہوں۔ ارتکاز توجہ۔ استغراق یا ڈوب جانے کے اس عالم میں ذہن سپاٹ اور ہر قسم کے خیالات سے عاری ہو جاتا ہے' پیشانی کے بالائی حصے میں سرور کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں اور خلا نوردی کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

لکیریں اور بچپن

دس بارہ روز کے وقفے کے بعد گزشتہ ایک ہفتے سے باقاعدہ خودنویسی کر رہا ہوں۔ ذہن کو بالکل آزاد' بالکل آزاد، بالکل آزاد چھوڑ کر کاغذ پر قلم چلانے لگتا ہوں اور خود کار عبارت کوشش' ارادے اور اہتمام کے بغیر تحریر میں آنے لگتی ہے' ایک مرتبہ خودنویسی کرتے ہوئے عجیب معاملہ پیش آیا۔ ایسا لگا کہ بچپن کی پرانی یادیں (جو نفس کے اندر دب گئی تھیں) تصویروں کی شکل اختیار کر گئی ہیں اور ادھر کاغذ پر خود بخود قلم چل رہا ہے۔ ادھر ذہن کے سامنے بچپن کی دستاویزی تصویر (ڈاکومنٹری فلم) چل رہی ہے' اس روز کم وبیش ایک گھنٹے تک قلم اور ذہن دونوں اپنے اپنے کام میں مصروف رہے۔ قلم آڑی ترچھی لکیریں بناتا رہا اور ذہن ان ہی لکیروں کے پیچ وخم سے گزرتا ہوا۔ حال سے ماضی اور ماضی سے ماضی بعید میں جا پہنچا، خود بخود دس گیارہ سال تک کی عمر تک کے واقعات یاد آگئے۔ اپنا گھر' اپنا قصبہ' اپنا محلہ نیم' کیکر' گوندی' بڑ اور پیپل کے گھنے درخت' غرض پورا جنگل نگاہ باطن کے سامنے تھا۔ یہ وہ درخت تھے جن کی چھاؤں میں پل کر بڑا ہوا تھا۔۔۔ ان تمام درختوں پر میرا بچپن سکونت صحرا کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ان پیڑوں کے سائے میں کھیلا، لڑا، شرارتیں، ساتھیوں کو بے

وقوف بنایا، کبھی خود احمق بنا۔۔۔خودنویسی میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دن بھر کے واقعات از خود یاد آنے لگتے ہیں لیکن قلم لکیروں کے ترچھے‘ ٹیڑھے خطوط کو الفاظ کا جامہ پہنانے سے معذور رہتا ہے۔قلم کی روانی پر میرا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔چند منٹ کے بعد کاغذ کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ میرے ہی قلم سے نکلا ہے (یہ عالم ہو جاتا ہے بے خبری کا)

آپ موجود ہیں

سیلف ہپنا ٹزم یا اپنے اوپر تنویمی کیفیت طاری کرنے کے لئے آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرتا ہوں کہ آپ ’’رئیس امروہوی‘‘ میرے سامنے موجود ہیں۔آپ کا چہرہ نورانی ہالے میں نظر آتا ہے۔پھر بتدریج یہ چہرہ اور آپ کا ہیولیٰ کچھ فاصلے پر خلا میں معلق ہو جاتا ہے۔چند روز سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ سفید کرتا، سفید پاجامہ پہنے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہیں‘ اس سے پہلے چشم باطن سے شیروانی میں ملبوس دیکھا کرتا تھا۔طریقہ یہ ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے آپ کو سامنے لاتا ہوں اور یہ تصور کرتا ہوں کہ آپ کے سینے سے روشنی کی شعاع نکل کر میرے سینے میں داخل ہو رہی ہے۔جب یہ تصور پختہ ہو جاتا ہے کہ آپ کے سینے سے روشنی کی کرن نکل کر میرے اندر داخل ہو رہی ہے تو خود کو بھی آپ کے ساتھ فضا میں معلق پاتا ہوں۔مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ میاں بیوی کے تعلقات ترک کر دینے کے بعد تصور میں زیادہ پختگی اور توانائی پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات آپ کے چہرے کی جگہ کچھ دوسرے آشنا اور نا آشنا چہرے سامنے آ جاتے ہیں۔ایک دو بار آپ کی جگہ خود کو بھی دیکھ چکا ہوں (یعنی میں رئیس امروہوی بن گیا ہوں) شعاع نور کا تصور کرتے ہوئے کبھی کبھی آپ کے سینے کی جگہ کسی عورت کا سینہ لے لیتا ہے۔یہ صورت کئی بار پیش آ چکی ہے۔

اندر سے باہر

کبھی کبھی ایسا لگتا ہے‘ اندیشہ ہوتا ہے کہ میں اندر سے باہر نکل آؤں گا (یعنی اپنے جسم سے

باہر) اس اندیشے سے روح تک لرز جاتی ہے۔ بہت ڈر لگتا ہے اور جذباتی کیفیت میں کمی آ جاتی ہے۔ جذب میں کمی ہوتے ہی محسوس کرتا ہوں کہ اندر سے باہر نہیں نکلا بلکہ اپنے اندر ہی موجود ہوں۔ یعنی جسم کے خول میں بند ہوں۔ یہ مشق صبح کے وقت مکمل طور پر جاگنے سے پہلے کرنے کی ہدایت آپ نے کی تھی لیکن باقاعدگی سے ہدایت پر عمل نہیں ہو رہا البتہ دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کرتے ہوئے مشق کرتا ہوں' تمام مشقوں کے اوقات کی رفتہ رفتہ پابندی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ معمول یہ ہے کہ سورج نکلنے سے آدھے گھنٹے پہلے بیدار ہو جاتا ہوں اور سورج نکلتے نکلتے تنفس نور کے سات چکر کرتا ہوں' افسوس نماز صبح پابندی سے ادا نہیں ہوتی۔ البتہ نماز عصر وقت پر ادا کرتا ہوں' سانپ کا خوف تقریباً ختم ہو گیا تھا لیکن رات ایک سفید سانپ کو گلی میں دیکھ کر پھر یہ خوف تازہ ہو گیا نہ جانے کیوں میں سانپ اور چور سے اتنا ڈرتا ہوں۔ راستہ چلتے ہوئے کبھی کبھی یہ ڈر پیدا ہوتا ہے کہ کوئی انجانا ان دیکھا دشمن بندوق کی گولی یا کلہاڑی سے مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔ اس خوف کے سبب بہت محتاط ہو کر چلتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ خوف یہاں (یعنی قصبہ استاد محمد) کے مخصوص سماجی ماحول اور تشدد آمیز حالات کی بنا پر غالباً پیدا ہوتا ہے یا پھر میری تلخ کلامیوں کا نتیجہ ہے از راہ کرم ہدایت اور راہنمائی فرمائیں۔

ارشاد احمد 20 جولائی 1970ء

وزن غائب

ایک دوسرے تازہ وارخط کے اقتباسات ملاحظہ ہوں' حبیب احمد خان بی اے ہملٹ کالونی منگلا ڈیم اپنے مراسلے مورخہ 4 جولائی میں لکھتے ہیں کہ گوشت ہدایت کے مطابق ترک کر دیا ہے۔ میں ایس۔ سی۔ ٹی کی مشقیں 22 فروری سے کر رہا ہوں۔ (چھ مہینے ہو رہے ہیں) یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ کشف قلب یا دوسرے کے دلوں کو پڑھنے کی قوت ترقی پذیر ہے' پہلے ہفتے سے یہ حالت ہے کہ رات کے وقت سانس کی مشق کرتے ہوئے دماغ میں بجلیاں کوندنے لگتی ہیں۔ بجلیاں کوندنے کی کیفیت چھٹے اور ساتویں چکر میں شدید ہو جاتی ہے۔ سانس خارج کرتے وقت چند لمحے

کے لئے اپنا بوجھ زمین پر محسوس نہیں کرتا۔ استغراق کی یہ حقیقی کیفیت ہے، کبھی کبھی تو گھبرا جاتا ہوں کہ استغراق (ڈوب جانے) کی حالت میں جسم سے باہر نہ نکل آؤں' آپ ہی نے جنگ کے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ فلاں صاحب (مشہور شاعر سراج الدین ظفر) نے شمع بینی کرتے ہوئے دیکھا کہ شمع نیچے جل رہی ہے (اور ان کا خاکی جسم بھی بدستور شمع کے سامنے بیٹھا ہے) اور وہ خود چھت سے اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں مشقیں کرتے ہوئے میرا ذہن پوری طرح چوکنا رہتا ہے البتہ لاشعور میں مختلف تصورات گردش کرتے رہتے ہیں۔ رئیس صاحب یہ بھی تحریر فرمائیے گا کہ کیا ان ہی مشقوں (تنفس نور اور مراقبہ نور سے یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی کہ میں اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بغیر کسی ظاہری وسیلے کے دور دور کے مقامات کا نظارہ کر سکوں (اس کو مسافت بینی کہتے ہیں)

از سر نو پیدائش

جہاں زیب (زیب میڈیکل ہال لونڈ خور ضلع مردان) رقمطراز ہیں کہ

آپ کے علاج سے (علاج دوا اور مشقوں کے ذریعے کیا گیا تھا۔ جہاں زیب جسمی بیمار تھے۔ (یعنی ذہن بھی علیل تھا اور جسم بھی اور پھر امراض بھی پرانے تھے) مجھے بحمد اللہ پچاس فیصدی فائدہ ہے، بہت محتاط لہجے میں کہہ رہا ہوں کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ از سر نو پیدا ہوا ہوں (یہ از سر نو پیدائش کا تجربہ بھی عجیب ہے) البتہ مہینے میں ایک آدھ بار کچھ دیر کے لئے پرانی کیفیت پھر لوٹ آتی ہے۔ سانس کی مشق میں نور کا تصور اور واضح ہو گیا ہے' ڈوب جانے کی کیفیت طاری ہوتی ہے ۔استغراق کے عالم میں اگر کہیں معمولی سی آواز یا جھناٹا ہو تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دماغ پر ہتھوڑے بج رہے ہیں۔ (جہاں زیب)

حسین تر بن گئی ہوں

آنسہ زیرہ توفیق ایم اے (کراچی) لکھتی ہیں کہ

جب سے مشقیں (سانس اور البصیر) شروع کی ہیں میری سہلیاں مجھے چھیڑتی ہیں کہ تم حسین تر

بن گئی ہو، خدا جانے حقیقت ہے یا مذاق اُڑاتی ہیں' بہر حال حسب ذیل چیزیں میں نے بھی نوٹ کی ہیں۔(1) رنگ نکھر گیا ہے اور عمر سے چند سال قبل کم لگتی ہوں۔(2) بال جھڑنے بند ہو گئے ہیں۔(3) آنکھوں میں بعض اوقات ایسی چمک پیدا ہو جاتی ہے کہ بی جان (والدہ) تک نظر نہیں ملا سکتیں، صبح کو سانس کی مشق کرتے ہوئے ایسا سکون کا احساس ہوتا ہے کہ الفاظ اس کی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہیں۔(5) حافظہ غالباً بتدریج بہتر ہو رہا ہے البتہ ذہن نصاب کی کتابوں کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ دوسری کتابیں خصوصاً شعری مجموعے بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ آپ کے دونوں مجموعے الف اور پس غبار گلڈ انجمن کتاب گھر صدر سے خرید لیے ہیں۔ اب ان شعروں میں نئی گہرائی نظر آتی ہے۔

الیکٹرونی

دور بینوں میں یہ طاقت موجود ہے کہ ہم کیمرے کی آنکھوں کے ذریعے خلا کے اندر دس بارہ ارب نوری سال کے فاصلے تک جھانک سکیں' دس بارہ ارب نوری سال کیا؟ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ چاند سے جو روشنی کی کرن چلتی ہے وہ ڈیڑھ سیکنڈ میں زمین پر آ پہنچتی ہے' سورج کا فاصلہ نو کروڑ میل سے زیادہ ہے' سورج کی روشنی چند منٹ کے اندر زمین پر پہنچ جاتی ہے' یوں سمجھئے کہ شعاع نور ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اسے سال نوری کہتے ہیں۔

فروغ حسن سے ہو کر گزر رہا ہوں میں
ہر ایک لمحہ دید ایک سال نوری ہے

ایک سال نوری' ساٹھ کھرب میل کے مساوی ہوتا ہے' اجمالاً کہنا یہ ہے کہ ہم معلوم کائنات کو اس کے آخری کونے تک جھانک سکتے ہیں لیکن کیسی ستم ظریفی ہے کہ خود اپنے اندر جھانکنا۔ یہ دیکھنا کہ پانچ فٹ کے جسم کے اندر اُنچاس اونس کے دماغ میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ تقریباً ناممکن ہے' علم اور معرفت رکھنے والے لوگ اتنی بڑی کائنات کو جس میں ہمارا نظام شمسی ذرے کی حیثیت

رکھتا ہے' عالم صغیر (چھوٹی دنیا) اور مشت خاک آدمی کو عالم کبیر یا بڑی دنیا کہتے ہیں۔ آخر تو کوئی بات ہے کہ انسان کو عالم کبیر کہا جاتا ہے۔

نقش اول ایک تیرہ خاک داں
نقش آ خر ایک انساں کبیر

انسان کے اندر

انسان کے اندر کیا کیا ہے اس کا اندازہ لگانا قریب قریب ناممکن ہے' انسان کے اندر خدا ہے' کائنات ہے' تخلیق ہے' قیامت ہے' حشر ہے اور دنیا و آخرت ہے' کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اور اس کی ذات کے درمیان جو پردہ حائل ہے وہ اُٹھ جاتا ہے اور ہم کو ایک ایسی دنیا نظر آ جاتی ہے کہ اُس کا تصور بھی محال ہے' درحقیقت یہ ہمارا شعور ہے جو ہمیں پانچ حسوں (آنکھ' ناک' کان' زبان اور دست و پا) کے اندر محبوس کئے ہوئے ہے' اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ شعور معطل ہو جائے تو پتا چلے کہ ہم کتنی بڑی کائناتیں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں۔

(ک، ت) کے خواب

یوں ہی ڈاک کے انبار پر ہاتھ ڈالا تو ک ت کا خط ہاتھ لگ گیا، یہ ایک بیس سالہ لڑکی ہے' بے نظیر شعر کہتی ہے اس نے اپنے خوابوں کی تفصیل بیان کی ہے' یہ خواب کچھ ایسے غیر معمولی نہیں' تاہم نفس انسانی کے کتنے اسرار ان سے ظاہر ہو سکتے ہیں' لکھتی ہیں

استاد کرم گستر! کو آداب و تسلیمات' اُمید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ چند روز ہوئے آپ کو تحریر کر چکی ہوں کہ اب شاید میں امتحانوں کے اختتام تک آپ کو خط نہ لکھ سکوں گی نہ کوئی نیا کلام بغرض اصلاح بھیج سکوں گی مگر جو میں سوچتی ہوں وہ کبھی نہیں ہوتا۔ پڑھنے بیٹھتی ہوں تو پڑھنے میں جی نہیں لگتا۔ اکیلے میں دنیا بھر کے خیالات ذہن پر یورش کر دیتے ہیں جو کچھ پڑھتی ہوں وہ بھی ذہن میں باقی نہیں رہتا۔ خدا جانے میں کس طرح پاس ہوں گی؟ میرے ذہن کا ایک حصہ میری

گرفت سے نکل چکا ہے' میں نصاب کی کتابیں لے کر بیٹھتی ہوں تو خود بخود اشعار کا نزول شروع ہو جاتا ہے' تنگ آ کر کتاب پٹک دیتی ہوں کہ ایک کام تو ہو۔ شعر ہی سہی۔ پچھلے دو مرتبہ خواب میں اپنے آپ کو بیک وقت دو جگہ دیکھ چکی ہوں۔ ایک مرتبہ میں نے یہ دیکھا کہ ایک لڑکی کی چوٹی گوندھ رہی ہوں لطف یہ ہے کہ جس لڑکی کی چوٹی گوندھ رہی ہوں وہ خود میں ہی ہوں' چوٹی گوندھ کر اس سے کہتی ہوں کہ آئینہ دیکھو' آئینہ دیکھتے وقت اپنی شکل نظر آتی ہے' پھر وہ باتیں کرنے لگتی ہے تو اس کی آواز بالکل میری جیسی ہے' بلکہ میں بول رہی ہوں۔

بھائی جان کے روپ میں

کل رات میں نے اپنے کو مرد کے روپ میں دیکھا یعنی بھائی جان کی شکل میں' دیکھا کہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑی کسی لڑکی سے بات چیت کر رہی یا کر رہا ہوں کچھ ایسا یاد ہے کہ میری گفتگو سن کر وہ جانے لگی تو میں نے اسے روک لیا اور کہا کہ اگر نہ رکو گی تو پچھتانا پڑے گا۔ ابھی میری زبان سے یہ فقرہ نکلا ہی تھا کہ آسمان پر ایک جہاز نظر آیا جس پر دس نمبر لکھا ہوا تھا۔ عجیب بات کہ میں خود ہی اس جہاز کو چلا رہی ہوں مرد کے روپ میں! اور عین اس وقت زمین پر بھی موجود ہوں جہاز تیزی سے زمین کی طرف آنے لگتا ہے میں سوچتی ہوں کہ بات منہ سے نکلتے ہی پوری ہو گئی ۔ جہاز کو دیکھ کر وہی لڑکی جس کے منہ پر ڈھیروں تل ہیں۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو بالکل لجلجا تھا ۔ پلٹ کر چیختی ہے کہ نہیں ایسا نہ کہو ایسا نہیں ہوگا۔ مگر جہاز بہت دور دھماکے کے ساتھ نیچے گرتا ہے اور پرخچے اُڑ جاتے ہیں' اس وقت مجھ کو یہی احساس ہوتا ہے کہ جہاز کے اندر میرے بھی پرخچے اُڑ گئے ہیں اور یہاں بھی بیٹھے بیٹھے مرگئی یا مر گیا ہوں' میں بے جان ہو کر اس لڑکی پر گر جاتی ہوں' اس کے بعد میں نے اپنے کو اصل صورت میں دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ بھائی جان مر گئے ہیں اور میں روتے ہوئے ریلوے لائن کے پاس ابا جان کے ساتھ کھڑی ہوں راستہ بڑا خراب ہے' پولیس اور دوسرے لوگ آ جا رہے ہیں' ابا جان نے بھی ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور خود چلا کر ہمیں گھر کے قریب چھوڑ گئے راستے میں چلتے چلتے بھائی جان کا دھیان آ رہا ہے اور کلیجا پھٹا جا رہا ہے'

روتی جاتی ہوں اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔

آتش زدہ ہوائی جہاز

استاد معظم! میں کئی مرتبہ حالت خواب میں دیکھ چکی ہوں کہ جہاز گرا اور آگ لگ گئی۔ ایک دفعہ یہ دیکھا کہ ہوائی جہاز اُڑا اور کچھ دور اُڑ کر زمین پر گر پڑا۔ آخر میں یہ کیوں دیکھتی ہوں' یقیناً آتش زدہ ہوائی جہاز کا کوئی مفہوم ہوگا۔ دس کے ہندسے کا بھی کوئی مطلب ہوگا۔ میرے خواب کا تجزیہ ضرور کیجئے اور مہربانی کر کے بتلایئے کہ میں ایسے اُلجھے ہوئے خواب کیوں دیکھتی ہوں' میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ ایک رات خواب میں سیاہ بلی کو غراتے آتے دیکھا، بھگاتی ہوں تو بھاگتی نہیں' گھگھیا کر آنکھ کھل گئی' پھر سوئی تو پھر وہی بلی' یوں سمجھئے کہ پوری رات اسی بلی کے چکر میں گزر گئی' ایک بار خواب میں دیکھا کہ ابا جان (توبہ توبہ) کی لاش لٹک رہی ہے' میرے اصرار پر اتار کر دیکھتے ہیں تو وہ زندہ ہیں' پھر دیکھا کہ ابا میری مسہری پر لیٹے ہیں اور میں ان سے خوف زدہ ہوں۔ ان کے پوچھنے پر کہتی ہوں کہ نہیں میں خوفزدہ نہیں ہوں۔ میں نے اپنے تمام خواب تفصیلاً ایک بزرگ کو لکھ کر بھیجے تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی بیماری ہے جس کا مکمل علاج ہونا چاہئے ۔میں نے خود بھی ان خوابوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی تو گھبرا کر رہ گئی یقیناً ان خوابوں کے خلاف میں بہت کچھ لپٹا ہوا ہے۔ مگر کیا؟ اس ''کیا'' کا غلاف نہیں ملتا۔

شعر اور خواب

ک ت ۔۔۔! واقعی اس کیا کا جواب بہت پیچیدہ ہے اس کیا کے اندر تمہاری پوری ذہنی اور جذباتی بسی بسی ہوئی ہے' خواب کی ہر علامت ایک زندہ اور بامعنی علامت ہوا کرتی ہے۔ مثلاً ہوائی جہاز نمبر 10، ہوائی جہاز میں آگ لگ جانا، دھماکہ، پہاڑی، چوٹی، ٹلجلجی تل بھری لڑکی، تمہارا بھائی جان کے روپ میں نمودار ہو جا، چوٹی گوندھنا، بھائی جان کی موت، ریلوے لائن، ٹیکسی، ابا جان کی لاش، کالی بلی وغیرہ ۔۔۔ بی بی! انسانی ذہن بے حد چوکس اور دانا وبینا قوت ہے' تم شاعر ہو

جب تم شعر کہتی ہو، تو ایک مضمون کو کس کس طرح سو رنگ میں ادا کرتی ہو، کسی جذبے کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے کیسی کیسی تشبیہیں، علامتیں، اور استعارے استعمال کرتی ہو۔ کتنے جذبے ہوں گے جنہیں تم نے الفاظ کے پردے میں چھپالیا ہوگا اور کتنے الفاظ ہوں گے، جنہیں تم نے ذہن کی مخصوص کیفیتوں کے اظہار کے لئے نہایت احتیاط سے چنا ہوگا۔ شعر اور خواب دونوں نفس انسانی کے عمل ہیں اور دونوں میں اس درجہ مشابہت پائی جاتی ہے کہ ہم بہ آسانی شعر گوئی کو خواب کا عمل اور خواب کو شعر گوئی کا مظہر کہہ سکتے ہیں۔ جب ہم پر بیداری میں لاشعوری کیفیت طاری ہوتی ہے تو تخیل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور جب سوتے ہوئے نفس میں شعری حالت کا ظہور ہوتا ہے تو عجیب وغریب خواب نظر آنے لگتے ہیں۔ ہر خواب کسی نہ کسی جذبے کا مظہر اور کسی نہ کسی خواہش کا ترجمان ہوا کرتا ہے، خواب جس قدر گہرا، پیچیدہ، اُلجھا ہوا اور بظاہر مہمل ہوگا، اس کے معانی اتنے ہی گہرے اور اس کے اندر لپٹے ہوئے جذبے اتنے ہی شدید اور پیچیدہ ہوں گے۔ انسان کی کوئی جسمانی یا نفسیاتی حرکت بے مقصد اور بے معنی نہیں ہوتی بلکہ ہر حرکت کے اندر ذات کی کوئی نہ کوئی پیچیدگی کارفرما ہوتی ہے۔

قمر ہاؤس کا مجذوب

جب ہم کھارادر میں رہتے تھے تو میں قمر ہاؤس کے قریب ایک مجذوب کو دیکھا کرتا تھا کہ ہر وقت عالم سکوت میں دونوں ہاتھوں کو اس طرح مسلسل حرکت دے رہا ہے۔ گویا کنوئیں سے ڈول بھر بھر کر پانی اُلیچ رہا ہے، لوگ اس مجذوب کو دیکھتے تھے اور مسکراتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ بہت سے حضرات کو مجذوب پر صاحب کرامت ہونے کا گمان تھا۔ سمجھتے تھے کہ یہ بزرگ کسی خدمت پر مامور ہیں، بے شک وہ مجذوب کسی کنوئیں سے پانی اُلیچا کرتے تھے مگر وہ کنواں بھی خیالی تھا۔ پانی بھی خیالی تھا اور ڈول بھی خیالی تھا۔ اس مجذوب کا نفسی تجزیہ کیا جاتا تو پتہ چلتا کہ مجذوب اس عمل کی تکرار سے کسی اندرونی خواہش کو تسکین دیتا تھا۔ یہی حال پاگلوں کا ہے وہ جتنی حرکتیں کرتے ہیں۔ (بڑبڑانے سے لے کر تھرکنے تک) لوگوں کی نظر میں وہ کتنی ہی مہمل، فضول

اور بے معنی کیوں نہ ہو مگر نفسیات دان اور نفس دان کی نظر میں ہر حرکت کے ساتھ ایک مقصدیت اور ہر مقصدیت کے ساتھ ایک حرکت وابستہ ہوتی ہے۔

پرمعانی خواب

خواب مہمل اور بے معنی نہیں ہوتے' ہر خواب کے ایک معنی، ایک مفہوم اور ایک پیام ہوتا ہے' خواب نفس انسانی کی بے مقصد نہیں بامقصد سرگرمی ہے' اس تمہید کے ساتھ۔۔ک ت کے خوابوں پر نظر ڈالیے مگر نہیں' پہلے یہ دیکھیں کہ عام طور پر بیداری میں یہ حساس اور چوکنا روح رکھنے والی لڑکی کن ذہنی حالتوں سے دوچار ہوتی ہے۔ک ت شاعرہ ہیں اور حقیقی شاعرہ! حقیقی شاعرہ میں تخیل آفرینی کی کتنی بے پناہ صلاحیت موجود ہوگی؟ بیداری میں شاعرہ کی یہ کیفیت رہتی ہے کہ جوں ہی ذہن کو نصاب کے مطالعے کی طرف رجوع کیا۔شعر نازل ہونے لگے' تنہائی نصیب ہوئی تو دماغ پر لاانتہا خیالات نے ہلہ بول دیا۔اس نے کیا عجیب فقرہ لکھا ہے کہ

"میرے ذہن کا ایک حصہ میری گرفت سے نکل گیا"

یہ فقرہ ایک تحلیلی اور تجزیاتی کنجی ہے۔جس سے ہم ک ت کے مقفل نفس کو کھول کر اس کے وجود کے اندر جھانک سکتے ہیں کسی کے اندر جھانکنا کس قدر مشکل کام ہے' شاعرہ کی شخصیت کا ایک حصہ واقعی اس کی گرفت سے نکل چکا ہے اور ذہن کا یہی باغی لشکر ہے جو بیداری اور خواب دونوں حالتوں میں اودھم مچائے رکھتا ہے' جاگنے پر بھی ک ت دو حصوں میں بٹی رہتی ہے' ایک حصہ نصاب کی کتابیں پڑھ کر امتحان پاس کرنا چاہتا ہے اور دوسرا ذہنی حصہ امتحان سے گریزاں اور شعر کی دنیا میں خنداں و فرحاں رہنا چاہتا ہے وہ جس کشمکش میں مبتلا رہتی ہیں' اس کا سبب تقسیم شخصیت کا یہی عمل ہے۔

تقسیم شخصیت

تقسیم شخصیت یا ذہنی بٹوارے کے موضوع پر میں بارہا کہہ چکا ہوں۔

لوگوں کو توجہ دلائی جائے کہ اگر وہ اپنی گہری جذباتی کشمکش کو سمجھنا چاہتے ہیں تو انہیں خود اپنے ذہنی اعمال کا جائزہ لینا اور یہ دیکھنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوا؟ وہ کیوں ایسی دو ذاتوں میں بٹ کر رہ گئے جو ایک دوسرے سے پرخاش رکھتی ہیں' بچے کی شخصیت میں کوئی تضاد نہیں ہوتا وہ ایک مشین کی طرح زندگی کے وظائف بجالاتا ہے' بھاک لگی' ہمک کر ماں کے سینے سے چمٹ گیا ۔ پیشاب لگا چھل چھل موت دیا۔ شخصیت میں تضاد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم میں یہ شعور پیدا ہو جائے کہ دودھ پینے اور موتنے کے قاعدے مقرر ہیں اور اگر ان قاعدوں کی پابندی نہ کی جائے گی تو سماج سزا دے گی' یہ ایک بہت معمولی مثال ہے لیکن اس معمولی مثال سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ شعور کی ترقی کے ساتھ ہی شخصیت کی تقسیم کا عمل شروع ہو جاتا ہے' آدم وحوا کے ہر بچے اور بچی کو اس عمل سے گزرنا پڑتا ہے' جو لوگ کم حساس یعنی حقیقت پسند ہوتے ہیں وہ تو تقسیم شخصیت کے اس مرحلے سے گزرنے کے باوجود اپنے آپ کو سنبھالے رہتے ہیں۔ اور بیرونی دنیا کے ضابطوں' طریقوں' پیمانوں اور معیاروں سے مطابقت پیدا کر لیتے ہیں' مگر تخیل پرست لوگ اس کشمکش میں الجھ کر رہ جاتے ہیں' بارہ تیرہ' چودہ سال کی عمر میں لڑکی اور لڑکے اندر نئی قوتیں جاگتی ہیں' یہ قوتیں' ایک مہینے یا ایک سال کے بچے (بچی) میں موجود ہوتی ہیں لیکن ان کا بھرپور اظہار سات سال کے بعد رفتہ رفتہ ہوتا ہے' پھر یہ قوت پورے انسانی وجود کو اندر اور باہر سے بدل دیتی ہے' یہ قوت جنسی بھی ہے نفسی بھی' قوت ایک ہی ہے اس کے مظاہر مختلف میں' جس طرح بجلی کہ بجلی روشنی بھی کرتی ہے۔ پنکھا بھی چلاتی ہے۔ کمرے کو گرم یا سرد بھی کرتی ہے' استری بھی کرتی ہے' اس قوت کا جب ظہور ہوتا ہے تو انسانی نفس ڈر جاتا ہے اور یہیں سے انسان کی حقیقی شخصیت کے اندر سے ایک نئی شخصیت جنم لینے لگتی ہے اور انسان دوہرا ہو جاتا ہے ۔۔۔ دو تہوں کا آدمی!

چوٹی گوندھنا

ان حقیقتوں کی روشنی میں ک ت کے خوابوں پر نظر ڈالیے۔ انہیں اقرار ہے کہ ذہن کا ایک حصہ

اُن کی گرفت سے نکل گیا ہے' یہ بے قابو حصہ ہی ہے جو خواب میں نہایت معنی خیز استعاروں اور علامتوں کے ذریعے اپنے وجود کا اثبات کرتا ہے۔ک ت نے لکھا ہے کہ

''پچھلے دو ہفتے دو مرتبہ خواب میں اپنے آپ کو بیک وقت دو جگہ دیکھ چکی ہوں''

تقسیم شخصیت کی طرف کتنا واضح اشارہ ہے؟ آگے چل کر لکھتی ہیں کہ:

''دیکھا کہ میں جس لڑکی کی چوٹی گوندھ رہی وہ لڑکی میں خود ہی ہوں''

یہ لڑکی دیدہ ودانستہ اپنے وجود کے اس حصے کو جو (بغاوت پر کمر بستہ ہے) نظر انداز کر دینا چاہتی ہے مگر یہ حصہ بار بار اپنے وجود کا اعلان کر رہا ہے' وہ ایک باشعور شاعر ہے اور نہیں چاہتی کہ وہ اپنی ذات کے ڈراؤنے حصے کو بروئے کار لائے مگر وہ حصہ بروئے کار آتا ہے ۔عالم بیداری میں ایک طویل سلسلہ خیال کو حرکت میں لا کر اور حالت خواب میں طرح طرح کے روپ بھر کر! یہ شعر بے میل ہی سہی لیکن لکھے بغیر سکون نہیں ملے گا۔لکھ ہی کیوں نہ دوں۔

خواب عدم سے آنکھ کھلے بھی تو کیوں رئیس
خود عالم وجود تماشائے خواب ہے

ک ت نے اپنے آپ کو اپنی چوٹی گوندھتے ہوئے پایا۔چوٹی گوندھنا، آرائش جمال کا استعارہ ہے' آرائش جمال کی تمنا اور بہت سی تمناؤں کے ساتھ نتھی ہوگئی ہے۔

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں !

شاعرہ کا جبلی تقاضا ہے کہ وہ اپنے کو بنائے سجائے، سنوارے، شانہ وآئینہ اس کی جبلی شخصیت کا جزو ہے لیکن شاعرہ اپنے ان خیرہ سر، شوخ چشم، گستاخ، خیالات اور جذبات کو دباتی ہے' یہ اس کے شعور کا عمل ہے وہ ایک پاکیزہ ذوق لڑکی ہے' اس کی شخصیت کی سطح پر سکون ہی سکون ہے' پھول ہی پھول ہیں لیکن شخصیت کے اندر؟

روئے دریا سلسبیل وقعر دریا نس

☆☆☆☆

جبلی شخصیت کیا؟

میں نے اس مضمون میں ''جبلی شخصیت'' کا ذکر کیا ہے گھوڑے کی جبلی شخصیت یہ ہے یہ وہ سرپٹ دوڑے اور دوڑتا چلا جائے لیکن اس کی تربیت یافتہ شخصیت پوئی یا دلکی چلنے اور سوار کے اشارہ چشم وابرو پر رکنے' بھاگنے اور مڑنے پر مجبور کرتی ہے' گھوڑا خواب دیکھتا ہوگا تو یہی کہ وہ اصطبل' سوار' لجام' چابک اور نعل کے بوجھ سے آزاد جنگل میں بے تحاشا دوڑا چلا جا رہا ہے' ک ت کی تربیت یافتہ شخصیت کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس کی جبلی شخصیت میں جذباتی لڑکی موجود ہے' جسے دلہن بننے کی خواہش ہے' ہاں وہ ایک مرد کو حاصل کرنا چاہتی ہے کہ اس کی سرشت اور جبلت کا تقاضا ہی یہ ہے لیکن وہ کسی طرح اس خواہش کا اظہار نہیں کر سکتی' شاعرہ سماج کے قوانین کی پابند ہے اور سماج کے قانون یہ ہیں کہ عورت کو خالص عورت نہیں مہذب خاتون بننا چاہئے۔

مرد نمودار ہوتا ہے

مگر اچانک تمام ضبط و نظم کے باوجود ایک مرد نمودار ہو جاتا ہے۔ کہیں باہر سے نہیں' خود اس کے اندر سے! وہ کسی مرد سے متعارف نہیں' خانہ نشین اور پردہ دار جو ٹھہری ک ت صرف دو مردوں کو جانتی ہے' بھائی جان اور ابا جان' چنانچہ وہ اپنے کو بھائی جان کی شکل میں دیکھتی ہے اور کسی لڑکی سے مخاطب ہے' بھائی جان کی مناسبت سے اس کی جبلت کو ابا جان یاد آ جاتے ہیں' یہ بڑا نازک مرحلہ ہے شاعرہ کے نفس کے اندر عظیم الشان جذباتی ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے' اس ڈرامے کی ہیروئن اور جوابی ہیروئن وہ خود ہے وہ مثبت کردار بھی ادا کرتی ہے اور منفی کردار بھی' وہ بیک وقت دو کھیل کھیل رہی ہے' یعنی اپنی خواہشوں سے ڈرتی بھی ہے اور خواہشوں کو پیار بھی کرتی ہے' ہوائی جہاز' ہوائی جہاز کی سواری' پہاڑی کی چوٹی، یہ سب ک ت کی روحانی بیداری کی علامتیں ہیں اور روحانی بیداری کا ایک پہلو وصل کی خواہش بھی ہے' روح جب جاگتی ہے تو وہ ایک نادیدہ وجود کی تلاش (

جبلی تقاضے) کا اظہار جسمانی سطح پر مرد اور عورت کے ملاپ کی تمنا کا روپ اختیار کر لیتا ہے' فرائڈ نے پہاڑ پر چڑھنے' ہوا میں اُڑنے اور سواری کی علامتوں کو جنسی علامتیں قرار دیا ہے' اس بات میں نصف صداقت موجود ہے' ہماری شاعرہ روحانی بیداری کے ہمہ گیر اور دوررس دور سے گزر رہی ہے اور اس کا اظہار جنسی علامتوں کے روپ میں ہو رہا ہے۔ک ت کا بیدار ضمیر ان جنسی علامتوں سے خوف زدہ ہے (کیونکہ) اس سلسلے میں باپ اور بھائی جان یاد آ جاتے ہیں' اس طرح ک ت کی اخلاقی قدروں کو ٹھیس لگتی ہے چنانچہ وہ انہیں خواب میں مردہ دیکھتی ہے' بھائی جان کا حادثہ اور ابا جان کی لاش کا نظر آنا یہ سب پر معانی چیزیں ہیں تو:۔

ک ت!

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ میں تمہارے خوابوں کے سلسلے میں بہت سی باتیں کہنا چاہتا تھا لیکن ہر بات کی وضاحت نہیں کی جا سکتی' چند اشارے ہیں تم ان اشاروں پر غور کرو اور اپنی پراگندہ خیالی اور پریشان خوابی سے ''پراگندہ نظر اور پریشان حال'' نہ ہو۔

ایک لڑکی کا خط

ایک لڑکی کے خط کے اقتباسات!
لکھتی ہیں۔۔۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں

کبھی کبھی دل اس شدت سے پھڑکتا ہے کہ۔۔۔کیا کسی دم ساز کی ضرورت ہے روح کے جسم کیسے دکھائے جائیں؟ کون ہے؟ کوئی ایسا ہو جو مسکراہٹوں کا ملمع اُتار کر دل کی ویرانیوں میں جھانک سکے۔ جب کوئی نہیں ملتا تو رئیس صاحب آپ یاد آتے ہیں۔کیسی عجیب وغریب بات ہے' بھلا آپ کیا جانیں کہ میں کون ہوں اور کیا؟ مگر دل جب شدت غم سے پھٹنے لگتا ہے تو میں قلم اٹھاتی

ہوں اور آپ کو خط لکھنے بیٹھ جاتی ہوں۔ جب آپ کا تسکین بخش جواب ملتا ہے تو جینے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جی اُٹھتی ہوں۔ شاید آپ کو یاد بھی نہ رہتا ہو کہ آپ چپکے ہی چپکے کسی شخص کو حیات نو بخش دیتے ہیں۔ یہ افسانہ نہیں حقیقت ہے میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ ذہنی صحت بخشنے والا جسمانی تندرستیاں بانٹنے والے سے زیادہ اہم ہے۔

رئیس صاحب! زندگی بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ جینا بہت کٹھن کام ہے۔ میرا ذاتی تجربہ یہی ہے۔ ایک مرتبہ اس شدت سے دل میں ٹیس اُٹھی تھی کہ بے قرار ہو کر آپ کی خدمت میں عریضہ بھیجا تھا۔ آپ نے جواب میں لکھا تھا کہ

''تم آہستہ آہستہ اس غم بے وفائی کو بھول جاؤ گی''

آپ کے چند لفظوں نے دل میں اُمید کی قندیلیں روشن کر دیں اور میں نے اپنی سی کوشش شروع کر دی' اعتراف ہے کہ بہت سکون ملا۔ اگر چہ یہ کامل سکون نہ تھا۔ تاہم اُمید تھی۔ ایک دن آئے گا۔ میں اسے بھلا دوں گی۔ بھول جاؤں گی مگر ہوا کیا؟

آج کل پھر اسی شدت سے دوچار ہوں' درحقیقت میں اسے بھول نہ سکی۔ وہ شعور سے اُتر کر لاشعور میں جا چھپا تھا۔ اب وہ شعور میں آ گیا۔ وہی میں ہوں۔ وہی اس کی یاد ہے۔ گھر میں آج کل میری شادی کا چرچا ہے۔ لڑکا میرا ''کزن ہے'' خوش اطوار اچھا، بہت سی خوبیوں کا مالک مگر اس کم بخت دل کا برا ہوا کبھی اس پر مائل نہیں ہوا اور وہ اسے جسے میں چاہتی تھی۔ پتھر نکلا۔ ستم یہ ہے کہ میں اس پتھر سے سر ٹکرا رہی ہوں۔ کیا کہوں۔ کیسی بے بسی ہے؟ اس عالم میں اگر سنتی ہوں کہ عورت کو بے وفائی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ تو جی جل کر کباب ہو جاتا ہے یعنی دیکھئے جسے میری پروا نہیں۔ میں اسی کی خاطر مری جا رہی ہوں۔ زندگی اجیرن کر لی ہے۔ خوشیاں حرام قرار دے لی ہیں۔ ایک عجیب آگ ہے جو تن بدن کو جلائے دے رہی ہے۔ پھونکے ڈالتی ہے' وہ ایک کالج کا پرنسپل ہے۔ کالج ہمارے گھر کے بالکل قریب ہے۔ کالج کو تکتی رہتی ہوں۔ یہی میری تسکین قلب کا ذریعہ ہے اس عمارت کو دیکھ کر جیتی ہوں۔ اتوار کو کالج بند رہتا ہے تو زندگی ویران ویران لگتی ہے۔ خدا شاہد ہے میں کبھی دیوار پر نہیں چڑھی کبھی دروازے سے کالج کو نہیں جھانکا، مہینے

ہو گئے ۔ بلکہ سال بھر کہ اس کی صورت نہیں دیکھی ۔ ایسی حرکتیں چھچھوری لگتی ہیں ۔ پھر بھی صرف اس کی خاطر اپنی جان کی دشمن بن گئی ہوں ۔ کبھی کبھی دل میں شدید درد اُٹھتا ہے ۔ ہائے کیسا دُکھ ہے کہ کسی کو بتائے نہ بنے سہیلیاں ہیں ۔ بہنیں ہیں کسی کو نہیں معلوم مجھ پر کیا گزر رہی ہے ۔ آپ کو یہ سب کچھ اس لئے بتا رہی ہوں کہ آپ آنکھوں سے اوجھل ہیں سامنے ہوتے تو کبھی دل کی بات زبان پر نہ لاتی عزت دار خاندان کی بیٹی ہوں ۔ عزت کی خاطر مر جانا قبول ! خودار ہوں ۔ جان دے دوں گی مگر اس سے نہ پوچھوں گی کہ تو نے مجھے کس جرم کی اتنی بڑی سزا دی ہے کہ نہ جیتی ہوں نہ مرتی ہوں ۔

رئیس صاحب !۔۔۔ اب شادی کی تجویز درپیش ہے ۔ دل ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اور اس کی خاطر جو میرا نہ بن سکا ۔ جس نے مجھے ٹھکرا دیا یہ صحیح ہے کہ اگر وہ اب خود بھی اصرار کرے تب بھی اسے بطور شوہر قبول نہ کروں گی ۔ شادی کی اُمنگ ہی ختم ہو گئی ہے ۔ اس کم بخت کی بے وفائی نے یہ جذبہ ہی چھین لیا ہے ۔ میں اس کی نہ ہو سکوں گی ۔ خدا مجھے موت دے دے ۔ ہاں ! میں ساری عمر اس کو نہ بھلا سکوں گی ۔ جسے میرا خدائے مجازی بنایا جا رہا ہے ۔ آہ ! میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکوں گی ۔ کچھ نہیں کر سکوں گی ۔ کیا یہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ۔ ایک ایسی بیوی اس کے سر تھوپی جا رہی ہے جو کسی اور کی چتا میں جل رہی ہے ۔ جرم تو میں نے کیا ہے ۔ سزا میرے کزن کو بھگتنی پڑے گی ۔ میں اس رشتے سے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتی ۔ اب کم سے کم اتنا اطمینان تو حاصل ہے کہ اس کی نہ بن سکی تو کیا ہوا کسی کی بھی نہ بن سکی لیکن بیوی بننے کے بعد یہ اطمینان بھی چھن جائے گا ۔

میری سوچ مفلوج ہو گئی ہے ۔ میرا تو شادی کرنے کو جی نہیں چاہتا ۔ گھر کے حالات بھی عجیب ہیں ۔ ماں نہیں ہے ۔ چھوٹی بہن ہے ۔ اگر اس کا خیال نہیں ڈستا تو گھر کے حالات کی دیمک روح کو چاٹنے لگتی ہے ۔ میں کیا کروں ؟ یہ سوال آپ سے ہے سوچ کر بتایئے ۔ کیا میں شادی سے انکار کر دوں ۔ وجہ معقول ہے اگر چہ بہت ضد کرنا پڑے گی ۔ اس بات پر اڑ جاؤں گی کہ گھر کی دیکھ بھال اور خدمت کی خاطر شادی نہیں کرنا چاہتی ۔ میرے جذبات بالکل مر چکے ہیں ۔ جب میرا کزن آتا ہے تو مجھے ذرا بھی شرم نہیں آتی ۔ کوئی لہر دل میں نہیں اُبھرتی بلکہ

ویرانی سی پھیل جاتی ہے۔اُف ہم لوگ جو ہمیشہ اپنی بیٹیوں سے قربانی طلب کرتے آئے ہیں نہیں مجھ میں انکار کی ہمت نہیں۔ میں انکار نہیں کرسکتی۔ میں گھر والوں سے کس طرح اپنی بات منوا سکتی ہوں۔ان کے اصرار کے سامنے میری ضد کب تک قائم رہ سکتی ہے۔کبھی تو اس قسم کے مایوسانہ خیالات پریشان کرتے ہیں کبھی حوصلہ بلند ہو جاتا ہے۔سوچتی ہوں کہ یہ میری زندگی کا مسئلہ ہے اور مجھے اپنی بات منوانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔میں تین سو روپے ماہوار کما رہی ہوں۔محتاج نہیں۔آپ ہی مشورہ دیجئے۔مجھے کیا کرنا چاہئے۔اس سلسلے میں آپ کا علم نفسیات کیا کہتا ہے؟یادوں کا یہ سانپ میری زندگی کو زہرناک تو نہ بنا دے گا؟کیا میں اس کم بخت کو بھول جاؤں گی' مجھے آپ کا پرخلوص مشورہ چاہئے۔اگر آپ نے کہہ دیا کہ شادی نہ کرو تو میں سارا زور لگا کر شادی کو رکوا دوں گی۔جھوٹی تسلیاں نہ دیجئے گا۔جھوٹی تسلیوں سے تسکین نہیں مل سکتی۔رئیس صاحب!انسانی فطرت کے اسرار و رموز کے پیش نظر مجھے مشورہ دیں کہ کیا کروں؟

عشق۔۔۔۔ایک مسئلہ

یہ خط ہے''ش'' کا خط لکھنے والی کو مضمون لکھنے کا سلیقہ آتا ہے۔تحریر ہلکی پھلکی اور بڑی دل نشین ہے۔بڑی دل نشین''ش'' کے انداز تحریر سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہایت نازک اور خوبصورت جذبات سے مالا مال ہے۔جذبات میں جتنی نزاکت ہے۔احساس میں اس سے زیادہ شدت ہے۔خوب یاد ہے کہ''ش'' کا پہلا خط پڑھ کر میں نے اور بہت سے مشوروں کے بعد یہ بھی لکھا تھا۔

''تم آہستہ آہستہ اس غم بے وفائی کو بھول جاؤ گی''

''ش'' نے اس فقرے کا گہرا اثر قبول کیا اور وہ کچھ عرصے کے لئے اسے بھول گئی لکن یہ حالت عارضی تھی۔اب''ش'' کی تجویز در پیش ہے اور پھر ایک مرتبہ وہ اس طوفان سے دوچار ہے۔جس میں پہلے غوطے کھا رہی تھی۔میں اس وقت عشق کے بارے میں شاعرانہ نقطہ نظر سے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔عشق ایک حیاتیاتی مسئلہ ہے۔فرائڈ کے اس قول کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ

پوری زندگی کو حرکت میں لانے والا صرف جنسی جذبہ اور صرف جنسی جذبہ اور صرف جنسی جذبہ ہے ہم بہت آسانی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کو حرکت میں لانے والی واحد قوت صرف اقتدار کا جذبہ ہے بنیادی طور پر عشق زندہ رہنے اور زندگی کو پھیلانے والی جبلت کے نمایاں مظہر اور بھرپور مظاہرے کو کہتے ہیں۔ زندگی عشق کو زندگی کی توسیع کے لئے استعمال کرتی ہے۔ مرد اور عورت کی باہمی کشش اور ان کا اتصال زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اس نقطہ نظر سے اگر لیلیٰ مجنوں کے مسئلے پر غور کیا جائے تو وہ ادنیٰ حیوانی جبلت اور خواہش کی سطح سے بلند تر نظر نہیں آتا لیکن جس طرح ہر جذبے کے ساتھ اور بہت سے خواہشیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جنس کا جذبہ بھی رومانی تصورات کے ہالے میں گھرا ہوا ہے۔ خود حیوانوں میں بھی نر اور مادہ کے ملاپ کا طبعی اقتضا رنگ برنگ کے روپ میں اُبھرتا ہے جب حیوانوں میں افزائش نسل کی جبلت بیدار ہوتی ہے تو اس کا اثر ان کے پورے وجود اور حرکات پر پڑتا ہے۔ آبی جانور، پرندے، زمینی حیوانات مواصلت کے زمانے میں ''ایب نارمل'' ہو جاتے ہیں۔ بعض جانوروں میں تشدد اور جنگ جوئی کی روح بیدار ہو جاتی ہے۔ جنس اور تشدد دو جڑواں جذبے ہیں بعضوں پر مستی طاری ہو جاتی ہے۔ بعض ذوق وشوق میں غرق ہو جاتے ہیں۔ یعنی سراپا جوش وخروش بن جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جسمانی مواصلت (جنس) کا جذبہ حیوانات کو مختصر مدت کے لئے ایب نارمل بنا دیتا ہے' انسانوں پر یہ کیفیت زیادہ شدت کے ساتھ غالب آتی ہے اور سارے وجود پر چھا جاتی ہے۔ کچھ مدت کے لئے لوگ مجنوں بن جاتے ہیں۔

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

عشق کی کیمیاوی تحلیل

انسان کے دوسرے ذہنی اور دماغی اعمال کی طرح عشق کی کیمیاوی تحلیل بھی ممکن ہے۔ عمر کے ایک خاص حصے میں انسان کے بعض غدود غدود بلغمیہ، غدۂ درقیہ غدۂ صنوبری' غدۂ کلاہ گردہ اور جنسی غدود، سرگرمی کے ساتھ کام شروع کر دیتے ہیں اور خون میں ایسی رطوبتیں شامل کرنے لگتے

ہیں۔ جن کا نتیجہ عام جسمانی نشو ونما اور ہمہ گیر جذباتی ہیجان کی شکل میں نکلتا ہے۔ جسمانی غدود کی ان سرگرمیوں کے نتیجے میں لڑکے اور لڑکی کا جسم اور نفس بنیادی تبدیلیوں سے دوچار ہوتا ہے۔ جسم پر بلوغت کی مختلف نشانیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں اور لڑکی مکمل عورت اور لڑکا مکمل مرد بن جاتا ہے۔ جسمانی بلوغ اور جسمانی ہیجان۔ اصولاً ایک خالص کیمیاوی حیاتیاتی عمل ہے لیکن یہ عمل تخیل اور تصور پر اس شدت سے اثر انداز ہوتا ہے کہ انسان کچھ عرصے کے لئے فوق البشر بن جاتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ عشق کے ذریعے اس نے وہ سب کچھ پالیا۔ جو زیست کا مقصود اور زندگی کا منشا تھا۔

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی ، درد لادوا ، پایا

تجربہ نیا ہے

ہر انسان بجائے خود ایک جسمانی اور روحانی اکائی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ سب لوگ عمر کے ایک خاص دور یعنی عہد بلوغ میں یکساں کیفیتوں سے دوچار ہوں۔ بعض لوگوں کے نقطہ نظر پر جسم غالب ہوتا ہے بعض پر روح۔ بعض ٹھوس اور ٹھس مزاج کے مالک ہوتے ہیں۔ بعض نرم اور رقیق طبیعت رکھتے ہیں۔ بعض اپنے اندر چھپ کر مگن رہتے ہیں بعض بزدل بین ہوتے ہیں۔ بعض خارجی حالات سے مطابقت پیدا کرنے میں زبردست دشواری محسوس کرتے ہیں۔ بعض آسانی کے ساتھ اپنے کو ماحول کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ بعض غیر معمولی حساس ہوتے ہیں۔ بجلی کا تار چھوا اور جھٹکا مارا۔ بعض کم حساس ہوتے ہیں اور حادثوں کو بہ کشادہ پیشانی سہہ جاتے ہیں۔ غرض ہر انسان کا اپنا ایک مزاج، اپنی ایک ذہنی بناوٹ اپنا ایک دماغی سانچا اور اپنا ایک روحانی وجود ہوتا ہے لٰہذا عشق کا تجربہ ہر شخص پر مختلف اثر ڈالتا ہے۔

یارب غم عشق کیا بلا ہے
ہر شخص کا تجربہ نیا ہے !

مسئلہ نہیں زندگی

ش کو عام لڑکیوں کے ساتھ نہیں گنا جاسکتا۔ اس کو شمار کرنے کے لئے نیا ہندسہ دریافت کرنا پڑے گا۔ بعض لوگ عشق کو اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے کہ وہ زندگی کی ایک ضرورت کی تکمیل ہے۔ بعض لوگ عشق ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ ش نے عشق کو زندگی کا مسئلہ نہیں بجائے خود زندگی بنالیا ہے۔ اس کا انداز تحریر فقروں کی ساخت' الفاظ کا انتخاب اور استعمال' اس کی گہری حساسیت اور ذہانت کی دلیل ہے۔ حاسیت اور ذہانت میں وہی رشتہ ہے جو آگ اور آنچ میں ہے۔ جہاں ذہانت ہوگی وہاں حساسیت ضرور پائی جائے گی۔ غبی اور کند ذہن کا عشق جسم سے آگے نہیں بڑھتا مگر ذہین لوگوں کا عشق پوری روح کو لپیٹ لیتا ہے بلکہ خود روح بن جاتا ہے۔

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ وپے میں جاری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

ہاں تو عشق کیا کیا ہے؟؟؟

یہ ایک حیاتیاتی مسئلہ ہے جسے جسمانی ملاپ کی خواہش کہتے ہیں۔ حیات جسمانی ملاپ کی خواہش کو اپنی توسیع اور نشوونما کے لئے استعمال کرتی ہے۔ تاکہ نسل افزائی کا سلسلہ جاری رہے۔
یہ ایک کیمیاوی مسئلہ ہے کیونکہ جسم کے بعض غدود' خون میں اس قسم کی رطوبتیں شامل کردیتے ہیں۔
جن سے عام جسمانی ہیجان' جذباتی کشمکش کی صورت میں نمودار ہوتا ہے' یہ بھی یاد رکھئے کہ جنس کا جذبہ اور تشدد کرنے یا تشدد سہنے کی خواہش لازم و ملزوم ہیں۔ جنسی عمل ہر حالت میں زور وقوت کا محتاج ہے اور زور وقوت کے استعمال کے نتیجے میں دکھ اور کرب کا محسوس ہونا ناگزیر ہے۔

کرب لذت طرب وصل میں شامل پایا

جس طرح حیوانات میں نسل افزائی کا عمل عظیم ہیجان مستی تشدد اور حملے کا جواز بن جایا کرتا ہے' اسی طرح انسان میں جب یہ جذبہ بیدار ہوتا ہے تو روح کو شدید ترین عذاب سے دوچار کرتا ہے اور نفس کو اس عذاب سے بڑی عجیب وغریب لذت ملتی ہے۔

عذاب وصل بھی مقسوم عشق ہے کہ اسے
فقط سزائے غم ہجر ہی نہیں ملتی

ش۔خودآزاری کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔اس طرح ان کے نفس نے لذت یابی کا ایک عجیب وغریب دریچہ اپنے لئے کھول لیا ہے۔

جنس اور جنگ

جنس اور جنگ میں بڑا گہرا تعلق ہے یہ کوئی اتفاق نہیں کہ محبوب کو قاتل اور عاشق کو مقتول کہا جاتا ہے تیر نظر، کمان ابرو، خون تمنا، دام گیسو، رقص بسمل اور دشنہ مژگاں فقط خیالی استعارے اور تشبیہیں نہیں ہیں۔ گہری اور دور رس نفسیاتی حقیقتیں اور جذباتی تجربے ہیں۔ عشق میں بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کس دوسرے سے اُلجھ گئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آدمی خود اپنے سے اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔

اس جان آرزو سے مبارز طلب تھا دل
دیکھا تو اپنے آپ سے مصروف جنگ ہے

ش کی شدید جسمانی کشمکش اور غیر معمولی روحانی کرب جس کا اظہار ان کے خط کے ایک ایک حرف اور جملے سے ہوتا ہے اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ یہ لڑکی اپنے سے برسر جنگ ہے اور اس کی یہ کیفیت اس کے لئے خالی از لذت نہیں ہے ہمیں عشق کے بارے میں چند ابتدائی باتیں ضرور پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ عشق کا جذبہ یکا یک نمودار نہیں ہو جایا کرتا بلکہ انسانی ذہن ایک طویل نفسیاتی عمل سے گزر کر اس درجے تک پہنچتا ہے۔

سمجھے تھے کہ ہم عشق ہے اک حسین اتفاق
دیکھا تو واقعات کا اک سلسلہ ملا

مختلف واقعات اور ہیجانات انسانی ذہن کو عشق کے لئے مشروط (کنڈیشنڈ) کر دیتے ہیں اور

جب نفس میں جذبات کی بارود پوری طرح سے سمٹ کر جمع ہوجاتی ہے تو محبت کی ایک چنگاری پورے کارخانہ وجود کو بھک سے اُڑا دیتی ہے اور آدمی حواس باختہ ہوجاتا ہے عام طور پر حواس باختگی کی یہ حالت تین سال رہتی ہے اور اس کے بعد عاشق خارجی حالات سے تطابق پیدا کر لیتا ہے، ہوتا بالعموم یہی ہے لیکن ش۔ جیسی طبیعت کے لوگ عمر بھر کے لئے یہ روگ لگا لیتے ہیں اور کبھی اس روحانی صدمے کو بھلانے پر قادر نہیں ہوتے۔

عشق کے روحانی اثرات

مگر عشق صرف ذہنی توڑ پھوڑ، روحانی شکست و ریخت اور نفسی عذاب و اضطراب ہی کا نام نہیں ہے، یہ جذبہ روح کے ایسے مثبت اوصاف کو نکھار کر سامنے لاتا ہے کہ گوشت پوست کے آدمی ۔رنگ و نور کے انسان میں تبدیل ہوجاتا ہے۔غم عشق سے انسانی شخصیت میں بنیادی روحانی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔

کوئی شعلہ تو نہیں غم کہ بھڑک کر بجھ جائے
یہ اُبھرتا ہے نکھرتا ہے جواں ہوتا ہے

اس غم سے روح میں نرمی اور فکر میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔قلب کو سوز و گداز کی دولت میسر آتی ہے نفس کی تہذیب اور ضمیر کی تطہیر نصیب ہوتی ہے۔ محبت کا غم آدمی کو زیادہ محبت، زیادہ شریف، زیادہ شجاع اور زیادہ پرشکوہ بنا دیتا ہے۔ عشق کی آنچ سے رُوح کی چربی پگھل جاتی ہے اور وجود کے تودہ خاک کے اندر سے زندگی کا نیا شعلہ اُبھر آتا ہے۔

عشق ہی کے ذریعے ہم عرفان کائنات اور عرفان ذات کی منزلیں طے کرتے ہیں۔

اور نفس انسانی کی وہ صلاحیتیں وہ استعدادیں، وہ ممکنات اور وہ مضمرات نمودار ہوتے ہیں جو عام حالت میں بروئے کار نہیں آیا کرتے۔ عشق کے روحانی اثرات کو محسوس کرنے کے لئے انسان کے گہرے نفسیاتی مطالعے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

دوسرا اور دو سمتیں

ہر جذبے کے دو سرا اور دو سمتیں ہوا کرتی ہیں۔ مہمل اور با معنی، منفی اور مثبت تخریبی اور تعمیری! مثلاً خوف کی ایک سمت تو یہ ہے کہ یہ آدمی کو ناکارہ اور معطل کر دیتا ہے' دوسرا سرا یا سو یہ ہے کہ یہ خوف دفاع پر آمادہ کر دیتا ہے۔ غصہ ایک طرف تو آدمی کو بے قابو کر دیتا ہے۔ دوسری طرف یہ تحفظ ذات کا کارگر ہتھیار ہے۔ عشق کے بھی دو سر ہیں ایک طرف یہ مہمل ذہنی فعلیت ہے جو انسان کو اپنے سے بیزار اور دنیا سے کنارہ کش کر دیتی ہے اور انسان نیم جنونی اور نیم مالیخولیائی کیفیت میں مبتلا ہو کر رہ جاتا ہے دوسری طرف عشق ایک نہایت پر معنی حالات ہے۔ عشق کی بدولت روزمرہ بسر کی جانے والی زندگی میں گہری معنویت پیدا ہو جاتی ہے۔ غم صرف بگاڑتے ہی نہیں بناتے بھی ہیں۔ بسا اوقات انسان کی ذہنی بیداری کے لئے ایک ضرب گراں کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور یہ ضرب گراں عشق کے ہاتھوں نصیب ہوتی ہے۔

سنگ باران حوادث کا اثر کچھ نہ ہوا
شیشۂ دل پر کوئی ضرب گراں لازم ہے

عشق کے ان دونوں سروں اور سمتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ش کو یہی مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ بی بی! تم جس کرب دردوں میں مبتلا ہو، اس کو نفی ذات جان دینے اور مر جانے اور مٹ جانے کا بہانہ مت بناؤ اثبات ذات کے ہتھیار کی طرح استعمال کرو تم یہ کیوں سمجھتی ہو کہ تم نے "اس سے" ناکام محبت کر کے سب کچھ کھو دیا، جو کچھ پایا ہے اس کا بھی تو حساب پیش کرو۔ ہر جذبہ حواس کے عمل کو تیز کر دیتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عشق! یہ عشق ہی ہے جو آنکھ کو دیدہ بینا اور کان کو گوش شنوا اور قلب کو دل بیدار عطا کرتا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے کارنامے' فن تعمیر سے لے کر فن شعر تک' سیاست سے لے کر شہادت تک اور سائنس سے لے کر روحانیت تک عشق کی بدولت انجام پائے ہیں۔ انسانی روح عشق کی حالت میں اشیاء کے باطن کو دیکھنے کی قوت پیدا کر لیتی ہے وہ زندگی میں ایسے معانی اور ایسے لطائف دریافت کرتی ہے۔ جن کا عام حالات میں تصور بھی محال ہے۔

قبول کرلو کہ

ش۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم اس حقیقت کو قبول کرلو کہ میں ناکام ہو چکی ہوں۔ اب تک تم نے ذہنی طور پر اپنی شکست کو قبول نہیں کیا۔ شکست خوردہ ہونے کے باوجود یہ اُمید قائم رکھنا کہ شاید کوئی معجزہ رونما ہو جائے اور شاید یہ شکست فتح سے بدل جائے۔ تمہیں ہمیشہ گہری خلش میں مبتلا رکھے گا۔ یہ اُمید وہم اور مراد ونامرادی کی درمیانی حالت تمہارے لئے سخت خطرناک ہے جب تم پوری طرح اس کیفیت کو قبول کرلوگی کہ میں ''ہار گئی'' اس وقت تمہارے اندر ایک نئی بصیرت اور معاملات کو سمجھنے اور طے کرنے کی نئی صلاحیت پیدا ہوگی اور تم آسانی کے ساتھ کرب و درد کا مقابلہ کرسکوگی۔ تم شعوری طور پر محسوس کرتی ہو کہ تمہارا اس سے تعلق منقطع ہو گیا ہے۔ تم اسے کھو چکی ہو۔ تم اسے کھو چکی ہو۔ تم اس سے بچھڑ چکی ہو لیکن لاشعوری طور پر یہ صورت حال نہیں ہے ۔ لاشعوری طور پر صورت حال یہ ہے کہ اس سے تمہارا باطنی تعلق برقرار ہے۔ تم اندرونی طور پر یقین رکھتی ہو کہ وہ اب تک تمہارا ہے اور یہ کہ اُسے لازمی طور پر تمہارے پاس آنا چاہئے۔ گویا شعور کی سطح پر اس سے دوری اور جدائی کا احساس ہے۔ لاشعوری سطح پر قربت اور وصل کا عالم۔ ش! تم دو دنیاؤں میں بیک وقت زندگی بسر کر رہی ہو۔ عملاً اس سے کٹی ہوئی ہو۔ ذہناً اس سے جڑی ہوئی ہو۔ ابھی تک تم نے یہ قبول ہی نہیں کیا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے اگر تم اب تک اس سے جوابی محبت کی اُمید نہ رکھتیں تو شادی کا چرچا ہونے سے اس کی یاد میں شدت پیدا نہ ہوتی۔ یاد میں شدت اس لئے پیدا ہوئی کہ تم اب تک اپنے بے وفا محبوب سے توقع رکھتی ہو۔ ش تم نے یہ بھی لکھا ہے کہ

''اگر اب وہ خود بھی اقرار کرے تب بھی اسے بطور شوہر قبول نہیں کروں گی''

اس جملے کے کیا معنی ہیں؟ یہ معنی ہیں کہ اس شخص نے تمہیں ٹھکرا کر تمہاری عزت نفس کو صدمہ پہنچایا ہے عورت کی سب سے بڑی شکست یہ ہے کہ اس کی نگاہ لطف اور تبسم لب کو نظر انداز کر دیا جائے۔ عورت سر سے پیر تک یک نگاہ لطف اور یک تبسم لب ہے۔ وہ جب کسی کے سامنے یہ

سوغاتیں (نگاہ اور تبسم) پیش کرتی ہے تو گویا پوری کائنات پیش کر دیتی ہے ان چیزوں کو نذر کر دینے کے بعد اس کے پاس کوئی نذرانہ باقی نہیں رہتا۔ جب کوئی بدنصیب ان بیش بہا سوغاتوں کو ٹھکرا دیتا ہے۔ تو عورت محسوس کرتی ہے کہ اسے ہلاک کر ڈالا گیا۔

روندھ ڈالا گیا۔ ش۔ تم یہی محسوس کر رہی ہو کہ تم محبت کی بازی نہ جیت سکیں اپنے کو ہار بیٹھیں ۔ یہ صورت حال کتنی ہی افسوسناک کیوں نہ ہو مگر بی بی حقیقت یہ ہے کہ اس تلخ زہر کو تو پینا ہی پڑے گا۔ تم ہار چکیں۔ یہ امر مسلم ہے اب اور کیا چاہتی ہو۔ نفسیاتی تجزیہ روحانی جراحی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ش! میں تمہاری روح کی چیر پھاڑ کر رہا ہوں۔ معاف کر دینا یہ روحانی عمل جراحی اس لئے ضروری ہے کہ جب تک تم خواب وخیال کے طلسم میں گرفتار ہو گی۔ اس کرب وکشمکش سے نجات ممکن نہیں۔

ش۔۔۔ تم ہار چکیں۔ بڑے درد کے ساتھ یہ الفاظ لکھ رہا ہوں لیکن سچ یہی ہے اور سچ تو کڑوا ہوا ہی کرتا ہے۔

شادی ضروری ہے

ہاں! تمہارے کزن کے ساتھ تمہاری شادی ضروری ہے۔ فی الحال شادی کو اپنا جسم سپرد کر دو۔ جسم کے سپرد کر دینے کے بعد روح بھی اس سپردگی کو تسلیم کر لے گی اور وہ بھی نئے رفیق زندگی کے سامنے سپر انداختہ ہو جائے گی۔ یہ ہے بی بی میرا مشورہ۔ اچھا خدا حافظ!

نیا جسم

واقعات کو جھٹلا دینا بہت آسان ہے' واقعات کی توجیہ بہت مشکل ہے۔ ڈاکٹر غفار اے راجہ (لائل پور) اپنے خط مورخہ 3 نومبر میں لکھتے ہیں کہ

آج سے تقریباً اکیس سال قبل میں سنگاپور ملایا کی ایک فوجی چھاؤنی میں ملازم تھا اور تعلیم بھی حاصل کر رہا تھا۔ اسی زمانے میں ایک قوی ہیکل انگریز کیمرن نامی سارجنٹ کی حیثیت سے اس

فوجی چھاؤنی میں آیا۔ کیمرن ولایت میں ڈاکو رہ چکا تھا۔ ہاں یہ واقعہ چانگی کینٹ کا ہے' قوی ہیکل بدمزاج کیمرن نے یہاں آ کر بھی وہی خودسرانہ رویہ رکھا۔ اسنے ایک ہجر پر حملہ کیا اور ایک بہت بڑے چینی سوداگر کی دکان پر ڈاکا ڈالا لیکن اتفاقات ایسے پیش آئے کہ سزا سے بچ گیا۔ ایک روز کیمرن ہمارے منیجر رام چندر سے اُلجھ پڑا۔ قریب تھا کہ رام چندر کی پٹائی ہو جائے کہ میں نے بڑ ی عاجزی کے ساتھ کیمرن سے معافی مانگی۔ اور درخواست کی کہ رام چندر کے قصور سے درگزر کرے' کیمرن سخت دل ہونے کے ساتھ نرم مزاج بھی تھا۔ فوراً اس کے روئیے میں خوشگوار تبدیلی پیدا ہوگئی اور ہمارے منیجر کی جان بچ گئی۔ اس واقعے کے بعد کیمرن نہ جانے کیوں مجھ پر مہربان ہوگیا۔ وہ اکثر مجھ سے ملنے آیا کرتا۔ کیمرن نے اپنے بہت سے کارنامے بیان کئے اور ڈاکازنی کا یہ جواز پیش کیا کہ وہ امیروں کو لوٹ کر اُن کی دولت غریبوں میں بانٹ دیتا تھا۔ اگر چاہوں تو کیمرن کے بہت سے واقعات بیان کرسکتا ہوں جو دلچسپ بھی ہیں اور سبق آموز بھی لیکن رئیس صاحب! اب میں وہ واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جس کا ذکر پہلے خط میں کیا تھا۔

مر کے زندہ ہوگیا

انگلینڈ سے آنے کے تین چار سال بعد مختصر سی علالت کے بعد کیمرن سارجنٹ کا انتقال ہوگیا اسے گوروں کے قبرستان میں دفن کردیا گیا۔ کیمرن لاکھ برا سہی لیکن میرا دوست اور مجھ پر مہربان تھا۔ اس لئے مجھے اس کے مرنے کا افسوس ہوا۔ میں اس کو یاد کرتا، ایک روز ہوا یہ کہ میں ایک ویران سڑک سے گزر رہا تھا کہ یکایک کیمرن کے قدوقامت کا ایک شخص نظر آیا۔ آگے بڑھا تو دیکھا کہ خود کیمرن، مردہ کیمرن، گوروں کے قبرستان میں مدفون کیمرن میرے سامنے کھڑا ہے ---کیا گزری؟ اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں' یکایک کیمرن نے محبت آمیز لہجے میں کہا Dont Vorry Gnaffar (غفار مت گھبراؤ) پھر وہ دوقدم بڑھا اور اسی لہجے میں کہنے لگا۔

تم یہ سمجھے ہوگے کہ میں مر کر مٹ گیا۔ نہیں غفار کیمرن مرا نہیں صرف جسم تبدیل ہوگیا ہے۔ میں اب اپنا جسم اوڑھے ہوئے ہوں' پرانا جسم مٹی میں مل کر مٹی بن گیا ہے۔

میں تقریباً سکتے کے عالم میں کیمرن کی گفتگو سن رہا تھا آپ خود تصور کریں کہ اگر ایک مردہ آدمی زندہ ہو کر اچانک آپ کے سامنے آ جائے اور تقریر کرنے لگے تو آپ پر کیا حالت گزر جائے گی۔ کیمرن خود یا اس کا ہیولا بھوت میرے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا کہ غفار میں ایک کام سے تمہارے پاس آیا ہوں' کام یہ ہے چھاؤنی میں مشرق کی طرف غسل خانے کے جو کمرے ہیں۔ ان میں پہلا کمرہ کرنل سے کہہ کر میرے لئے ریزرو کرا دو۔ اس کمرے میں ایک اسٹول رکھ دو اور ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دو کہ وہ روزانہ آدھا لیٹر دودھ اس اسٹول پر رکھ آیا کرے اور پانچ ڈالر وہاں سے اُٹھا لیا کرے۔ یہ گفتگو کتنی عجیب تھی اور یہ فرمائش کتنی انوکھی؟ یہ کہنا کہ میں مردہ کیمرن کو زندہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ غلط ہے البتہ یہ صحیح ہے کہ اس حیرت انگیز تجربے کے وقت مجھ پر نیم ہوش اور نیم مدہوشی کی حالت طاری تھی۔ خوف کے سبب نہیں' تجربے کی ناقابل یقین نوعیت کے سبب! کیمرن کی فرمائش سن کر میں نے جواب دیا کہ دوست! اس کمرے میں اسٹول بھی رکھا دوں گا اور روزانہ آدھا سیر دودھ کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ لیکن کرنل سے اپنی بات کیسے منواؤں گا۔ وہ تو فوراً کہہ دے گا کہ کیمرن کو کمرے کی کیا ضرورت ہے وہ تو مر چکا ہے!

کیمرن نے کہا غفار! تمہارا فرض تو صرف یہ ہے کہ کرنل تک میرا پیغام پہنچا دو اگر وہ نہیں مانتا تو میں خود اسے سمجھا لوں گا۔

یہ کہہ کہ کیمرن نظر سے اوجھل ہو گیا۔

یہ واقعہ اتنی وضاحت سے پیش آیا تھا کہ انکار ممکن نہ تھا۔ چنانچہ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ کرنل' کچھ بھی کیوں نہ سمجھے مجھے اس واقعے کا ذکر اس سے ضرور کر دینا چاہئے۔ جب میں نے کرنل تک کیمرن کا پیغام پہنچایا تو کرنل ہنسنے لگا۔ یقیناً اسے میری سلامتی عقل پر شبہ ہوا ہوگا۔ اور ہونا بھی چاہئے تھا مگر میں نے اصرار جاری رکھا اور یہ بھی کہا کہ اگر کیمرن کے حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو وہ خود اپنے حکم کی تعمیل کرالے گا۔ اس پر کرنل کو غصہ آ گیا اور اس نے ایڈ جوٹنٹ کو بلا کر کہا کہ مشرق کی طرف جو پہلا کمرہ ہے اس کو اسٹور کے طور پر استعمال کیا جائے' کرنل کے حکم پر

ایک سپاہی نے اس مقفل کمرے کو کھولا اور جونہی اندر داخل ہوا کسی نادیدہ قوت نے اسے فٹ بال کی طرف اُٹھا کر باہر پھینک دیا۔ اس کے بعد دو تین سپاہی یکے بعد دیگرے اندر گئے مگر سب کا یہی حشر ہوا۔ اب کرنل اور ایڈ جوٹنٹ سب حیران رہ گئے۔ ناچار یہی فیصلہ ہوا کہ کمرے کو خالی کرا کے میرے سپرد کر دیا جائے کہ جو مرضی آئے کروں۔

سات سال تک

میں نے کمرے کی صفائی کرائی۔ وہاں پر ایک کرسی اور اسٹول رکھ دیا۔ پھر ضلع اعظم گڑھ (ہندوستان) کے رہنے والے ایک دوست محمد عثمان کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ روزانہ آدھا سیر دودھ اس اسٹول پر رکھ آیا کرے اور پانچ ڈالر اٹھا لیا کرے' یہ سلسلہ کچھ دن جاری رہا۔ ایک روز محمد عثمان دودھ رکھنا بھول گیا۔ مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کیمرن میرے سامنے کھڑا ہے' یہ دوسرا تجربہ تھا کہ میں نے مردے کو زندہ شکل میں روبرو پایا۔ اس مرتبہ کیمرن زیادہ مطمئن نظر آتا تھا۔ اس نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

''تمہاری وفاداری کا شکریہ' لیکن کل دودھ کا ناغہ ہو گیا ہے' ناغہ نہ ہونا چاہئے' عثمان سے کہہ دو کہ وہ پابندی کے ساتھ دودھ رکھ دیا کرے اگر رقم کم ہے تو زیادہ مل جایا کرے گی' اس روز سے عثمان کو آدھ سیر دودھ کے معاوضے میں اکیس ڈالر روزانہ ملنے لگے اور یہ سلسلہ سات برس تک جاری رہا۔ سات برس کے بعد ایک روز کیمرن پھر میرے سامنے ظاہر ہوا۔ اب وہ بالکل مطمئن اور مسرور تھا۔ وہ مجھے بغور دیکھتا رہا۔ نظروں میں محبت کی جھلک اور تشکر کے آثار تھے ۔ کیمرن نے کہا۔

غفار! اب میرا درجہ بلند ہو گیا ہے اور جسم لطیف کی منزل سے گزر کر میں مطلق آزاد ہو گیا ہوں' اب مجھے دودھ کی ضرورت نہ پڑے گی۔ اچھا شکریہ' شکریے کے لفظ ادا کرتے ہی دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆

میں خود چکرا گیا

ڈاکٹر غفار اے راجہ کا مندرجہ بالا خط پڑھ کر میں خود چکرا گیا۔ وہی کیفیت گزری جو سنگاپور ملایا کے چانگی کینٹ کے کرنل اور ایڈ جوٹنٹ پر گزری تھی۔ انہیں غفار صاحب کی سلامتی عقل پر شبہ ہوا تھا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ اس خط کا لکھنے والا خلل اعصاب (نیوراسز) کا مریض ہے۔۔۔خلل اعصاب کے مریضوں کو خیالی شکلیں نظر آتی اور خیالی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ میرا طریقہ کار یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنا اس قسم کا کوئی خارق العادت (سپرنارمل) تجربہ بیان کرتا ہے تو میں تجربے یا واقعے کی صحت وصداقت کا ثبوت مانگنے کے بجائے اس شخص کی عام ذہانت۔۔۔انداز نظر اعتقادات' توہمات' جسمانی صحت' اور ذہنی توازن وغیرہ کا اندازہ لگایا کرتا ہوں' اس قسم کے واقعات کی چھان بین کرتے وقت یہ حقیقت ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ انسانی ذہن میں ڈراما سازی کی غیر معمولی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ہم بعض اوقات عام اور سادہ واقعات کو بھی اس قدر پیچ دے کہ بیان کرتے ہیں کہ واقعے کی نوعیت کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے' چہ جائیکہ غیر معمولی یعنی خارق العادت مظاہر کا بیان! ذہن انسانی جب کسی انوکھے تجربے سے دوچار ہوتا ہے تو اس پر ڈرامائی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ڈرامے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ہم عام سمجھ بوجھ سے قطع نظر کر کے یہ فرض کر لیں کہ اسٹیج پر جو کچھ نظر آ رہا ہے اور جو کچھ سنائی دے رہا ہے وہ سب کا سب حقیقی واقعہ ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم تھیٹر میں داخل ہوتے وقت عام سوجھ بوجھ (کامن سنس) کی صلاحیت کو باہر چھوڑ جاتے ہیں اور تماشا گاہ سے باہر نکلتے ہی پھر اس صلاحیت کا استعمال کرنے لگتے ہیں' خارق العادات تجربات کی چھان بین کرتے وقت میں ہمیشہ بیان کردہ تجربے کے ڈرامائی پہلو کو پیش نظر رکھتا ہوں اور یہ بھی اندازہ کرتا رہتا ہوں کہ میرے مخاطب کی عام ذہنی سطح کیا ہے۔ غفار صاحب نے اپنے خط میں اس واقعے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا کہ سنگاپور ہی میں ایک اور حیرت انگیز واقعہ ان کی نظر سے گزر چکا ہے میں نے جواب دیا کہ وہ اس کی تفصیلات سے آگاہ کریں' اور ہاں یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ غفار صاحب کے ذہن میں شبیہ

سازی اور صورت طرازی کی کتنی اہلیت اور کتنی صلاحیت موجود ہے۔ انہیں ہدایت کی کہ وہ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (سیلف کلچر ٹریننگ) کورس یا مختصر الفاظ میں S.C.T کی مشق تنفس نور شروع کر دیں اور اسی کے ساتھ خالی اوقات میں آنکھیں بند کر کے پرسکون بیٹھ کر خالی الذہن ہو کر یہ تصور بھی کیا کریں کہ رئیس امروہی ان کے سامنے کھڑا ہے اور اس کے سینے سے روشنی کی ایک لہر نکل کر میرے سینے میں داخل ہو رہی ہے۔

تصور شیخ

تصوف میں اس عمل کو تصور شیخ کہتے ہیں' طالب یا مرید کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ خیال اور تصور کی تمام تر قوتوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کر کے یہ تصور کرے کہ پیر و مرشد یا شیخ سامنے موجود ہیں اور ان کے قلب سے انوار کا دھارا اُبل کر میرے قلب میں داخل ہو رہا ہے۔ تصوف کے اکثر تمام سلسلوں میں تصور شیخ پر غیر معمولی زور دیا جاتا ہے اور مرید سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جب تک وہ اپنی انفرادیت کو شیخ کے وجود میں گم نہ کر دے گا اس وقت تک ممکن نہیں کہ فنافی الرسول یا فنافی اللہ کے درجے تک پہنچ سکے۔ یہ بڑا نازک روحانی مسئلہ ہے جس پر فی الحال بحث مناسب ہے نہ ممکن' مجھے اس عمل کے نفسیاتی پہلو کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے' تصور یا ارتکاز توجہ Concentration کی نفسیاتی اہمیت یہ ہے کہ جب آپ کے ذہن کی طاقتیں اور توجہ کی تمام لہریں صرف ایک' صرف ایک۔۔۔ نقطے یا پوائنٹ پر مرکوز ہوتی ہیں تو محویت و خود رفتگی کی حالت میں اندرونی قوتیں اُبھرتی ہیں۔ یہ فن تنویم یا ہپناٹزم کی خاص تکنیک ہے اور اس تکنیک سے مطابقت اور تبدیلی شخصیت کے سلسلے میں غیر معمولی کام لیے اور کارنامے انجام دیئے جا سکتے۔ محویت تصور کی شدت ہمیشہ خود تنویمی (سیلف ہپناسز) کی طرف لے جاتی ہے' بلاشبہ انسانی نفس کی اصلی حالت کو بے نقاب کرنے کے لئے خود تنویمی بنیادی شرط کی حیثیت رکھتی ہے' ہاں! تو میں نے غفار صاحب کو ہدایت کی کہ مشق تنفس نور کے ساتھ میرا تصور بھی کریں' غفار صاحب اپنے خط مورخہ 24 نومبر میں رقمطراز ہیں کہ:

آپ نمودار ہوئے

آپ کے حکم کے مطابق میں نے مشق تنفس نور شروع کر دی ہے اور حسب ہدایت! آپ کا تصور قائم نہ ہوتا تھا مگر سبحان اللہ! آج صبح سحری سے پہلے جب میری آنکھ کھلی تو میں نے یہ تصور شروع کر دیا کہ آپ میرے سامنے موجود ہیں' اس حالت میں اونگھ طاری ہوگئی۔ اس اونگھ کو نیند کہا جا سکتا ہے کیونکہ باہر سے آنے والی آوازیں کان میں گونج رہی تھیں اور میں صاف سن رہا تھا۔ بحالت تصور دیکھا کہ آپ سوٹ پہنے نمودار ہوئے اور فرما رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں میں ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں اور انشاء اللہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ تم ان علوم (علوم مخفی) کو حاصل کرنے کا حق رکھتے ہو اور حق دار کو اس کا حق ضرور پہنچے گا۔ آپ سے وصل کی یہ حالت ایک بجے رات سے چار بجے رات تک طاری رہی' چار بجے آپ نے فرمایا کہ بس ٹھیک ہے! اب میں برابر تصور میں آیا کروں گا۔ یہ فرمانے کے بعد آپ غائب ہوگئے۔ جب میں مکمل بیداری کے عالم میں آیا تو دیکھا کہ میں بے جان تختے کی طرح بستر پر پڑا ہوں (یعنی بدن اکڑا ہوا۔ اور جکڑا ہوا ہے) یہ ہے ایک ہفتے کی سرگزشت! براہ کرم نگاہ توجہ سے محروم نہ رکھیں۔ لیجئے اب میں دوسرا پراسرار قصہ سناتا ہوں۔ جس کا ذکر میں نے پہلے خط میں کیا تھا۔

جنات کا کرشمہ یا؟

یہ واقعہ بھی قیام سنگاپور کے زمانے میں پیش آیا تھا۔ غالباً 1936ء کا ذکر ہے سنگاپور میں ایک سڑک ''کانا گیلنگ سرائے اسٹریٹ'' ہے۔ اسٹریٹ کے آخر میں چوک تھا۔ جہاں اس زمانے میں ٹرام کا ٹرمینس تھا۔ ٹرمینس سے دکھن میں پرانے بوسیدہ مکانوں کی قطار تھی۔ شمال کی طرف والی سڑک سمندر کے کنارے کنارے جاتی تھی۔ چوک سے پیچھے کراکری کی بہت بڑی دکان تھی۔ جس میں قیمتی شوکیس لگے ہوئے تھے۔ ایک روز دکان کے پچھلے حصے سے جگر شگاف اور دل دوز چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔ دکاندار چینی نسل کے تھے۔ غریب ڈر کے مارے دکان چھوڑ کر بھاگ

نکلے۔ بہت سے لوگ دکان کے سامنے جمع ہو گئے۔ دو گھنٹے تک دکان کے پچھلے حصے سے ہولناک آوازیں اور چیخوں کا شور بلند ہوتا رہا۔ پولیس بھی آ گئی۔ مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ دکان میں گھس کر چیخوں کا بھید معلوم کرے' کیا بتاؤں کس قدر ہیبت ناک چیخ و پکار تھی یہ! دو گھنٹے تک یہ مہیب شور بلند ہوتا رہا۔ اس کے بعد نیا ہنگامہ شروع ہوا۔ یعنی کراکری کی دکان کے اندر سے بڑے بڑے شوکیس اور صندوق خود بخود ہوا میں تیرتے ہوئے سڑک پر گرنے لگے۔ جس طرح کوئی غضب ناک دیو اندر سے اتنا وزنی سامان نازک کھلونوں کی طرح باہر پھینک رہا ہو۔ دور دور تک کی مخلوق جمع اور دم بخود اس تماشے کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ سنگاپور کے گورنر بھی موقع پر آ گئے۔ پولیس تو پہلے ہی سے موجود تھی۔ ساری رات یہ تماشا جاری رہا۔ دوسرے روز اخباروں میں دھوم مچ گئی۔ دوسرے دن بھی بہت سے لوگ جائے واردات کو دیکھنے آئے۔ یہ گتھی کسی طرح نہ سلجھتی تھی کہ دکان کے اندر شور کیسا برپا تھا اور تنا وزنی سامان کس دیوزاد طاقت نے اُٹھا کر باہر پھینک دیا۔ جن وزنی صندوقوں کو چار چار مزدور بھی مشکل سے اُٹھائیں' وہ خود بخود زمین سے بلند ہوتے اور بندوق کی گولی کی طرح اچھل کر سڑک پر آ گرتے تھے۔ بڑی قیاس آرائیاں ہوئیں آخر جاوا (انڈونیشیا) کے ایک طویل عامل نے یہ معما حل کیا۔ اس نے کہا کہ یہ جنات کی کارروائی ہے' وہ خود بخود تیسرے روز یہ سامان اُٹھا کر رکھ دیں گے' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سامان جس طرح باہر آیا تھا اسی طرح خود بخود اندر چلا گیا۔ جناب یہ ہے وہ واقعہ جس کا میں عینی شاہد ہوں۔

خود تنویمی

یہ دوسرا واقعہ بھی آپ نے پڑھ لیا۔ کیا رائے قائم کی' غفار صاحب کو دو تجربے پیش آئے۔ تین یا چار بار ایک مردے (آنجہانی کیمرن) سے ملاقات اور گفتگو! سنگاپور کی ایک دکان میں جنات کی۔۔۔ ہنگامہ آرائی! ابھی ان تجربات پر گفتگو قبل از وقت ہے۔ فی الحال غفار صاحب کی ذہنی کیفیت پر غور کریں۔ غفار صاحب کا ذہن بے حد چوکنا، حساس اور ڈرامائی واقع ہوا ہے۔ میں نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ آنکھیں بند کر کے یہ تصور کریں کہ رئیس امروہوی ان کے سامنے کھڑا ہے'

غفار صاحب نے میرا تصور شروع کیا تو ان پر اونگھ یعنی خود تنویمی (سیلف ہپناسز) کی حالت طاری ہوگئی۔ میں خود سیلف ہپناسز کا عادی ہوں۔ یعنی اپنے اوپر تنویمی نیند طاری کر لیتا ہوں اور جب جی چاہے اسی حالت میں رہتا ہوں (آپ بھی بہت آسانی سے خود تنویمی کے عادی بن سکتے ہیں)تنویمی نیند کی پہلی علامت یہ ہے کہ شعور کی رفتار سست اور جسم بوجھل ہونے لگتا ہے رفتہ رفتہ آدمی تختے کی طرح اکڑ جاتا ہے' یہ حالت تلقین وترغیب سے پیدا ہوتی اور تلقین وترغیب ہی سے رفع ہوجاتی ہے' غفار صاحب پر یہی حالت طاری ہوئی اس کیفیت میں انہوں نے دیکھا کہ میں نمودار ہوا۔اور رات کے ایک بجے سے چار بجے تک اُن سے خو گفتگو رہا۔ چار بجے میں یہ کہہ کر اُن کی نظروں سے اوجھل ہوگیا کہ برابر تصور میں آتا رہوں گا۔ جب ڈاکٹر غفار لائلپور کے اپنے مکان میں مجھ سے گفتگو کر رہے تھے تو میں کراچی میں اپنے غریب خانے کے اندر محوخواب تھا۔غفار صاحب کے تجربے کی توجیہ کس طرح کی جائے گی۔اس قسم کے لوگوں کو مابعد النفسیات اور تنویم کے فن میں میڈیم (معمول یا واسطہ) کہا جاتا ہے معمول یا واسطہ بننے کی صلاحیت ہر شخص میں موجود ہے۔البتہ واہمہ طرازی' شبیہ سازی اور اثر پذیری کی استعداد کسی میں زیادہ ہوتی ہے' کسی میں کم' ڈاکٹر غفار کی یہ استعداد نمایاں اور واضح ہے' انہوں نے مردہ کیمرن کو ایک بار نہیں کئی بار بچشم خود دیکھا اور اس سے گفتگو کی۔انہوں نے زندہ رئیس امروہوی کو بچشم خود دیکھا اور اس سے گفتگو کی ۔ہم بہ آسانی اس تجربے کو واہمہ کہہ کر نظر انداز کر سکتے ہیں۔

نجم جعفری (کراچی) لکھتے ہیں کہ

ایک سال ہوا میں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا آپ نے فوراً جواب دیا اور بعض مشورے بھی عنایت کئے لیکن میں ملازمت کی پابندیوں کے سبب اُن قیمتی مشوروں پر عمل نہ کر سکا۔ مجھے بے خوابی کی شدید تکلیف تھی لیکن آہستہ آہستہ وہ تکلیف دور ہوگئی۔اب ایک اور مسئلہ درپیش ہے۔ اُمید ہے پہلے کی طرح جواب سے نوازیں گے اور مفید مشورے عطا فرمائیں گے۔عمر چوبیس سال' تعلیم ایف ایس سی' پیشہ ملازمت ماہانہ تنخواہ چار سو روپے۔ یہ تمام باتیں اسی لئے لکھ دیں کہ آپ کو میرا مسئلہ یا مسئلے سمجھنے میں آسانی ہو۔

آدمی کے بجائے درندہ

مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک عرصے سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ ہر قمری مہینے کی گیارہویں بارہویں تاریخ سے تقریباً بیس تاریخ تک جنسی ہیجان بلکہ جنون کا دیو میرے اندر انگڑائیاں لے رہا ہے۔ میں برسوں سے روزنامچہ نویسی یا ڈائری لکھنے کا عادی ہوں۔ جب بھی ڈائری دیکھتا ہوں۔ چڑھتے ہوئے چاند کے دوسرے تیسرے ہفتے میں یہی اندراج نظر آتا ہے کہ اس زمانے میں مجھ پر شہوت نفس اور جنسی جنون کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ ہیجان کے عالم میں مجھ سے متواتر غلط حرکتیں صادر ہوتی ہیں۔ پچھلے رمضان میں مشکل سے پندرہ روزے رکھے تھے کہ شرم ناک زندگی شروع ہوگئی اپنے متعلق یہ بھی عرض کر دوں کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو دماغ کے بجائے دل کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔ میں عقل کے بجائے جذبات کا آلہ کار ہوں عین ممکن ہے کہ ابھی جی چاہے اور منہ اُٹھا کر حیدرآباد چل دوں۔

بیس تاریخ کے بعد

جنون کی یہ کیفیت قمری مہینے کی بیس تاریخ تک رہتی ہے۔ بیسویں کے بعد زوال ماہ شروع ہوجاتا ہے اور میں نارمل ہونے لگتا ہوں۔ سوال یہ ہے رئیس صاحب کہ میں بارہویں تاریخ سے چاند کی بیسویں تاریخ تک ''ابنارمل'' یا جنونی کیسے ہوجاتا ہوں۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ذہنی حالت سنبھلنے لگتی ہے۔ جنون کم ہونے لگتا ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ مجھے جلد جواب دیں کیونکہ رمضان شروع ہونے والا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ پچھلے سال کی طرح اس سال بھی روزوں کا ستیاناس ہو۔ میں اپنی حالت سے بے حد فکر مند ہوں۔ نجانے جوش وجنون کے عالم میں کیا کر گزروں ہر مہینے چند روز ضرور ایسے ہوتے ہیں کہ مجھے اپنے اوپر قابو نہیں رہتا۔ بے قابو آدمی کتنا بے ڈھب ہوجاتا ہے۔ آپ کو اس کا اندازہ ہے جہاں تک جنسی جذبے کا تعلق ہے تو وہ ایک قدرتی اور طبعی چیز ہے لیکن اگر جسم اور ذہن کی بھوک حد سے بڑھ جائے تو وہ نہایت خطرناک شکلیں اختیار کر سکتی ہے۔ یہ

بات بھی عرض کرنی ہے کہ مزاج کی یہ تبدیلی انگریزی تاریخوں کے اعتبار سے کیوں نہیں ہوتی۔ چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے کیوں ہوتی ہے۔ایسا تو نہیں ہے کہ جس طرح چڑھتے ہوئے چاند کے زمانے میں سمندروں میں جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔اسی طرح انسانی مزاج بھی چاند کے گھٹنے بڑھنے سے متاثر ہوتا ہے۔

جوار بھاٹا اور چاند

آج جب کہ انسان چاند کو فتح کر چکا ہے اور کئی خلا باز چاند پر اُتر کر اُس کے چہرے کو اپنے قدموں سے روند چکے ہیں۔انسان مزاج و کردار پر چاند کی حکمرانی کتنی عجیب بات معلوم ہوتی ہے جو لوگ چاند پر ہو آئے ہیں نہ تو جنونی کیفیت ان پر طاری ہوئی نہ جنسی ہیجان کا دورہ پڑا۔ برخلاف اس کے چاند پر پہنچ کر انہیں حد درجہ سکون قلب کا احساس ہوا۔ایک خلا باز کا بیان ہے کہ چاند پر پہنچ کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں سکون وسکوت کے سمندر میں غرق ہو گیا ہوں ۔ایک طرف تو چاند کی سکون بخشی کا عالم یہ کہ خوبصورت سنہری چاندنی پھیلی ہو تو ایسا لگتا ہے کہ ہم جنت کی نہر لبن دودھ کی نہر میں غوطے لگا رہے ہیں اور دوسری طرف اس کی تلاطم انگیزی خدا کی پناہ عروج ماہ کے زمانے میں چاند کی کرنیں پانی کی سطح پر پڑتی ہیں تو سمندروں میں ہلچل سی مچ جاتی ہے۔دیوزاد لہریں بے قابو ہو کر اُٹھتی اور سطح بحر کو کر بلو کر رکھ دیتی ہیں لاتعداد ٹن پانی گزوں اچھلتا ہے اور سمندر میں جا بجا شگاف پڑ جاتے ہیں۔اگر آپ جوار بھاٹے کا کرشمہ دیکھنا چاہتے ہیں۔تو کسی چاندنی رات میں کیماڑی کے ساحل پر کھڑے ہو جایئے اور پھر دیکھئے کہ چاند کا ہاتھ کس طرح سمندر کو اُچھال رہا ہے۔جس طرح چاند کی مقناطیسی لہریں سمندر میں جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔کیا اسی طرح چڑھتے ہوئے چاند کے زمانے میں انسانی جذبات بھی بھڑک اُٹھتے ہیں۔ماہرین نفسیات کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلے کی ٹھیک ٹھیک چھان بین کر کے اس کا سائنسی ثبوت مہیا کریں۔کچھ عرصہ ہوا کہ امریکہ کے ایک ماہر جرائم کی رپورٹ نظر سے گزری تھی۔اس نے اعداد وشمار سے ثابت کیا تھا کہ چڑھتے ہوئے چاند کے ابتدائی دنوں میں جرائم کی

رفتار شدت سے بڑھ جاتی ہے اور چودھویں پندرھویں تاریخ کے بعد جرائم کی رفتار میں تخفیف ہونے لگتی ہے جہاں تک یاد ہے تحقیق جرائم کے اس ماہر نے پاگل خانوں کے مہتمم اعلیٰ (ڈائریکٹر جنرل) کا یہ بیان بھی نقل کیا تھا کہ قمری مہینے کے پہلے دو ہفتے بعض پاگلوں پر نہایت سخت گزرتے ہیں اور ان کی وہی حالت ہوتی ہے جو سمندر کی سطح پر نظر آئی ہے یعنی منہ میں کف اُبلی ہوئی آنکھیں اور لاانتہا جوش وخروش!

چاند اور خفقان

چاند اور خفقان میں بہت گہرا تعلق کسے کہتے ہیں؟ مرزا غالب فرماتے

باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
جلوۂ شاخ گل ،افعی نظر آتا ہے مجھے

مطلب یہ کہ چونکہ میں خفقان کا مریض ہوں۔ اس لئے پھولوں کی ٹہنی پر افعی یا ناگن کا دھوکا ہوتا ہے۔ خفقان کے مریض کی خاص علامت یہی ہے کہ وہ خیالی چیزوں سے ڈرنے لگتا ہے۔ مثلاً اندھیرے میں درخت پر چور اور سایہ درخت پر بھوت کا گمان کر کے گھگھیا جاتا ہے۔ خفقان کے مریض کو درد کے عالم میں خیالی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ بعض خفقانیوں کو آواز آئی ہے کہ تم مہدی موعود ہو اور مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے ہو (میں نے ایسے کئی نیم مجنوں مہدی مرعود اور جھوٹے پیغمبر دیکھے ہیں۔ آپ کی نظر سے بھی گزرے ہوں گے) کسی کو یہ خوشخبری دی جاتی ہے کہ تم بادشاہ ہو اور حکومت کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ بعض مریض اس عالم میں اپنے کو بے مثال موجد باکمال سائنسدان، خوش مقال شاعر اور نہ جانے کیا کیا فرض کر لیتے ہیں۔ اللہ بخشے حکیم مضطر لکھنوی نے ایٹم بم بنانے کا ایک نسخہ ایجاد کیا تھا وہ چاہتے تھے کہ دو کروڑ روپے میں حکومت پاکستان اس نسخے کو خرید لے اس سلسلے میں وہ مجھ سے بھی مشورہ فرمایا کرتے تھے لیجئے اچانک اپنے دوست حرماں خیر آبادی کی یاد تازہ ہوگئی۔ مرحوم اکثر دفتر شیراز میں قیام فرماتے اور اس سلسلے میں ان سے طویل ملاقاتیں رہیں۔ کیا خوش فکر وخوش گو شاعر تھا یہ شخص! مگر خفقان کا مارا ہوا حرماں کی

زندگی واقعی تصویر حرماں تھی وہ اس وہم میں مبتلا تھے کہ اُردو کے ایک مشہور و ممتاز شاعر غیر معمولی قوتوں کے مالک ہیں اور انہوں نے انہی غیر معمولی قوتوں سے کام لے کر مجھے پاگل کر دیا ہے۔ حرماں مرحوم اپنی ہر کوشش میں ناکام رہتے تھے۔ ناکام رہنا ہی چاہئے تھا۔ دماغ ہی درست نہ تھا لیکن وہ اپنی ہر ناکامی کے غم کو یہ کہہ کر برداشت کر جاتے تھے کہ کیا کروں؟ فلاں شخص در پئے آزار ہے اور میرے ہر کام میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ آخر حرماں مرحوم کو حرماں کی موت نصیب ہوئی۔ آج بھی یاد آ جاتے ہیں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔

میر۔ غالب اور بہزاد لکھنوی

غالب نے اپنے خفقانی ہونے کا علی الاعلان اعتراف کر لیا ہے۔ خدائے سخن میر تقی میر نے بھی اپنے خود نوشت حالات زندگی (غالباً ذکر میر) میں لکھا ہے کہ نوجوانی کے عالم میں چاند کے اندر انہیں ایک حسینہ کی شکل نظر آیا کرتی تھی اور وہ دل و جان سے اس خیالی ماہ پارہ پر عاشق ہو گئے تھے۔ مدت دراز تک میر تقی اسی خفقان میں مبتلا رہے اس موقع پر چاند کا ذکر بطور خاص ضروری ہے۔ میر صاحب کو چاند میں حسینہ کی شکل نظر آیا کرتی تھی۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اور فنون لطیفہ سے مناسبت رکھنے والے ہر شخص کا کسی نہ کسی حد تک خفقانی ہونا ضروری ہے۔ میں نے خود اپنے لئے کتنے خلوص سے دعا مانگی تھی کہ

فروغ ماہر سے ہوا ختلاج قلب فزوں
بہانہ خفقان جلوۂ قمر ہو جائے

ہمارے بزرگوں میں جناب بہزاد لکھنوی خفقان کے مریض تھے اور موصوف نے بارہا اپنے مضامین میں اس کیفیت کا ذکر کیا ہے۔

قمر زدہ

طبی نفسیات میں نیوراتی یا اعصابی مزاج رکھنے والے شخص کو قمر زدہ کہتے ہیں یعنی چاند کا مریض!

چاند کے مریضوں کے جذبات بے حد نازک اور اعصاب اس قدر حساس ہوتے ہیں کہ وہ ذرا سی تحریک یا ہیجان پر قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ قمر زدہ افراد کی اگر شروع ہی میں خبر گیری نہ کر لی جائے تو آئندہ چل کر جنون کا اندیشہ ہے۔ نجم جعفری کو میں نے یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اس کیفیت سے کہ چاند کی بارھویں تاریخ سے بیس تاریخ تک زبردست جنسی ہیجان میں مبتلا رہتے ہیں۔ قطعاً نہ گھبرائیں۔ نجم صاحب عصبی مزاج کے یعنی "نیوراتی" واقع ہوئے ہیں۔ نیوراتیوں کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ایک طرف تو ان کے جذبات میں (جنسی جذبہ ہو یا کوئی اور) غیر معمولی شدت اور تیزی پائی جاتی ہے دوسری طرف اخلاقی حس یعنی ضمیر کے محتسب کی گرفت اتنی ہمہ گیر ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت کا ایک حصہ دوسرے حصے سے برسرپیکار ہو جاتا ہے یا عصبی المزاج لوگوں پر چاند کے اُتار چڑھاؤ کا گہرا اثر پڑتا ہے اور وہ چڑھے چاند کے زمانے میں سمندر کی طرح اُبل پڑتے ہیں۔ ہائے چڑھتے ہوئے چاند پر کیا عجیب شعر یاد آیا۔

ماتھے پہ تیرے جھمکے ہے جھومر کا پڑا چاند
لا بوسہ چڑھے چاند کا وعدہ تھا چڑھا چاند

قمر زدہ لوگوں کا واحد علاج یہ ہے کہ وہ برابر ذاتی تحلیل نفسی کے ذریعے اپنے جذباتی اُتار چڑھاؤ کی چھان بین کرتے رہیں! ہیجان جذبات کو کم کرنے کے لئے نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت یا S.C.T کی مشقیں بھی بے حد مفید ثابت ہوتی ہیں لیکن ان مشقوں کا فائدہ ایک آدھ مہینے میں ظاہر نہیں ہوتا کم سے کم ایک سال تک ہدایات کی پوری پابندی کے ساتھ تجویز کردہ مشقیں کی جائیں تو یقیناً فائدے کی اُمید ہے لیکن فائدے آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ ظاہر ہوتے ہیں اور اس دوران میں برابر لاشعور کی زبردست مزاحمت جاری رہتی ہے۔ میں نے جن جن حضرات کے لئے S.C.T کی مشقیں تجویز کی ہیں ان کی جذباتی حالت اور دماغی کیفیت کا پورا پورا جائزہ لے لیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کے لئے یہ مشقیں مفید ہوں۔ بعض دماغی کیفیتیں اور جسمانی شکایتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جن کا علاج مشقوں کے علاوہ دوسرے طریقہ سے کرنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆

چاند اور خارق العادت

ممکن ہے آج سے چند سال پہلے چاند کو خارق العادت یعنی سپر نارمل چیز سمجھا جاتا ہو مگر اب تو آدمی خود چاند پر جا کر دیکھ آیا ہے کہ وہاں سردی۔ تاریکی سکوت اور خاک دھول کے سوا کچھ نہیں۔

اے اپا لو !ترے خلا پرداز
چاند سے خاک لے کے آئے ہیں

چاند اسی طرح ایک عام اور نارمل چیز ہے جس طرح ہماری مادر زمین! مگر جس طرح ہزاروں سال سے دھرتی پوجا ہو رہی ہے۔ اسی طرح اب تک علوم باطنی (آکلٹ سائنسز) مثلاً جادو نیر نجات اور عملیات کی دنیا میں چاند کو دیوتا کی وہی حیثیت حاصل ہے' جو آشور و بابل میں حاصل تھی۔ جادو کے اکثر عمل صرف چڑھتے ہوئے چاند کے زمانے میں کئے جاتے ہیں۔ اگر اُن تاریخوں میں کئے جائیں۔ جب چاند رو بزوال ہوتا ہے تو ذرا بھی مفید ثابت نہیں ہوتے۔ چودھویں رات میں قبرستان کے اندر ایک عمل پڑھا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ خبیث روحوں کی تسخیر کے لئے اس سے بہتر کوئی عمل نہیں۔ جس چیز کو" کالا علم" کہتے ہیں اس کا چاند سے بہت گہرا تعلق ہے نیز نجات کے فن میں "ماہ بینی" کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ نیر نجات کے فن کا جادو سے تعلق ہے۔ نظر بندی ۔زبان بندی۔ شعبدہ بازی مسمریزم اور ہپناٹزم ان سب کا شمار نیز نجات میں ہوتا ہے۔ میں بھی ضرورت کے وقت نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کے بعض طلبہ سے "ماہ بینی" کراتا ہوں لیکن "ماہ بینی" ہر آدمی کے بس کا کام نہیں' ماہ بینی کا طریق یہ ہے کہ پلک جھپکائے بغیر چاند کے کسی نقطے پر نظر یں گاڑ دی جائیں اور نظر کے ساتھ توجہ (ذہن کی پوری قوت بھی) اُسی ایک نقطے پر مرکوز کر دی جائے' ماہ بینی کرتے ہوئے تصور ہونا چاہئے کہ چاند کے آئینے میں رنگ و بو اور حسن و نور کی عجیب و غریب دُنیا نظر آ رہی ہے یا آنے والی ہے مشکل یہ ہے کہ ماہ بینی کی مشق میں عام آدمی وقت کی پابندی نہیں کر سکتا۔ کبھی چاند سر شام نکل آتا ہے کبھی رات کے پچھلے پہر طلوع ہوتا ہے ارتکاز توجہ Concentration کی جتنی مشقیں ہیں۔ ان میں وقت اور جگہ کی پابندی بنیادی عنصر کی

حیثیت رکھتی ہے اور ماہ بینی میں خیر جگہ کی پابندی تو ممکن ہے۔ وقت کی پابندی مشکل ہے اسی لئے میں ماہ بینی کے بجائے شمع بینی کو مفید سمجھتا ہوں۔

چاند میں چہرہ!

اعوان صاحب لکھتے ہیں کہ

میں نے ماہ بینی کی مشق کے سلسلے میں ایک عریضہ بھیجا تھا اور آپ سے سوال کیا تھا کہ آپ کو بھی چاند میں کوئی چہرہ نظر آتا ہے؟ اس کا جواب آپ نے یہ دیا تھا کہ اب میرا رجحان ماہ بینی کی طرف نہیں ہے اس مختصر خط و کتابت کے بعد میں نے چاند پر ارتکاز توجہ کی مشق شروع کر دی (یعنی پلک جھپکائے بغیر چاند کے کسی پوائنٹ کو تکنا اور توجہ کی پوری قوت اُسی ایک نقطے کی طرف لگا دینا) چند ہفتے ہوئے رات کے آٹھ بجے کا وقت تھا۔ دودھیا چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ مجھ پر سرشاری کا عالم طاری تھا آپ کا

گزرتا ہے کبھی جب چودہویں کا چاند بدلی سے
مہین آنچل میں ان کا روئے تاباں یاد آتا ہے

یکا یک ایسا محسوس ہوا کہ چاند سے ایک مقناطیسی لہر نکل کر میرے جسم میں داخل ہو رہی ہے۔ میری نظریں چاند سے چپک کر رہ گئیں اور چاند میں ایک حسین نسوانی چہرہ نظر آیا۔ میری نشست ایسی تھی کہ میں اس پر جلال چہرے کا صرف ایک رُخ ہی دیکھ سکتا تھا۔ کاش مصور ہوتا تو اس منظر کو کینوس پر منتقل کر دیتا۔ چاند میں یہ چہرہ گردن تک نظر آتا ہے اس چہرے کی دل کشی اور گیسوؤں کا پیچ و خم ناقابل اظہار ہے یہ منظر اس قدر عجیب و غریب تھا کہ میں دنگ رہ گیا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ خوف زدہ ہو گیا۔ چند لمحے بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ حیرت کہ یہ کیا ماجرہ پیش آیا۔ بعض دوستوں سے اس کا ذکر کیا تو وہ بھی شش و پنج میں پڑ گئے۔ دوستوں نے تو مذاق اُڑایا۔ یہ دیکھ کر میں محتاط ہو گیا۔ اور طے کیا کہ دوسرے شخص کو ضرور اس تجربے میں شریک کرنا چاہئے۔ چنانچہ چاندنی رات میں ایک دوست کو ہمراہ لیا اور کسی پرسکون جگہ جا کر اس سے

کہا کہ ٹھہرو اور چاند کو غور سے دیکھو کچھ نظر آتا ہے۔ یہ ماہ کامل تھا۔ اس دوست نے حیران ہو کر میری ہدایت پر عمل کیا اور مبہوت ہو کر چاند کو دیکھنے لگا۔ اس پر عجیب قسم کی حیرت اور سراسیمگی طاری ہوگئی تھی تھوڑی دیر بعد میں نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور پھر سوال کیا کہ تم نے کیا دیکھا!

اس نے میرے مشاہدے کی سو فیصدی تصدیق کی۔ دوست کی تصدیق سے مجھے یقین ہو گیا کہ میں نظر کے دھوکے اور فریب خیال میں مبتلا نہیں ہوں۔ ہاں عجیب بات یہ ہے کہ چاند مغرب کی طرف ہو تو تصویر الٹی نظر آتی ہے (سر نیچے کی طرف) باقی سمتوں میں تصویر سیدھی نظر آتی ہے ۔حیران ہوا کہ یہ کیا کرشمہ ہے۔

مشورہ یہ ہے کہ

م۔ب۔اعوان نے چاند کے جس کرشمے کا ذکر کیا ہے اس کی علمی توجیہ آسان نہیں میر تقی میر خفقانی اور سودائی تھے۔ انہیں چاند میں کسی پر اسرار حسینہ کا چہرہ نظر آتا تھا تو ٹھیک ہے۔ خفقان کا مریض واقعی فریب نظر کا شکار ہو جاتا ہے لیکن م۔ب۔اعوان نہ خفقانی ہیں نہ سودائی۔ انہوں نے نہ صرف خود چاند میں ایک حسین چہرہ دیکھا بلکہ دوست کو دکھایا تو اسے بھی نظر آیا۔ پھر مشاہدے کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ چاند مغرب میں ہو تو وہ تصویر اُلٹی نظر آتی ہے۔ مشرق شمال یا جنوب میں ہو تو سیدھی! ایسا کیوں ہوتا ہے یہ سب کچھ کیا ہے؟ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ کسی سے مشورہ نہ لیں۔

ذہن کے بند دروازے

انسانی زندگی کا مطالعہ

انسانی زندگی کا مطالعہ، کائنات کے مطالعے اور مشاہدے سے کہیں زیادہ مشکل اور وقت طلب

ہے۔کائنات کے مطالعے دیکھ بھال، جانچ پڑتال اور چھان بین کے سلسلے میں ایک علم نہیں تمام علوم،ایک فن نہیں تمام فنون ،ایک سائنس نہیں تمام سائنس ہماری امداد کے لئے حاضر ہیں لیکن جب کسی انسانی ذہن کا مطالعہ شروع کیا جاتا ہے تو فقط فراست وبصیرت اور حکمت پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔آیئے آج پھر ایک انسانی ذہن کی بعض جھلکیاں اور پرچھائیاں آپ کے سامنے پیش کروں۔بلگرامی لکھتی ہیں کہ

جب پہلی بار آپ کی زیارت کا شرف نصیب ہوا تھا تو میرا جی چاہتا تھا کہ آپ کو ابا کہہ کر پکاروں' آپ کا طرز گفتگو شفقت سے لبریز تھا لیکن اس خیال سے کہ شاید میری جسارت ناگوار ہو، چپ ہوگئی، اب جب کہ آپ نے مجھے خط میں بیٹی نے لکھا ہے۔اجازت دیجئے کہ میں آپ کو ابا جان کہہ کر مخاطب کروں۔

آپ کا بھیجا ہوا کتابچہ مل گیا ہے اور میں نے۔۔۔حسب ہدایت تنفس نور کی مشق اور مراقبہ نور شروع کر دیا لیکن تنفس نور کی مشق میں نور کا تصور (یہ کہ سانس کھینچنے کے ساتھ نور کی شعاع سینے کی طرف آرہی ہے سانس روکتے وقت یہ تصور کہ قلب میں سورج نکل رہا ہے' روشنی پھوٹ رہی ہے' سانس خارج کرتے وقت یہ تصور کہ روشنی باہر نکل رہی ہے) اب تک قائم نہیں ہوا۔ہاں معمولی طور پر سانس کے چند چکر لیتی ہوں' مجھے کیا کرنا چاہئے کہ مشقیں صحیح طور پر ہوتی رہیں۔اس وقت حالات یہ ہیں کہ دردسر نے پاگل بنا رکھا ہے' درد کئی کئی دن تک مسلسل رہتا ہے' دردسر کے سبب کتابیں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ سزا میرے لئے سخت اذیت ناک ہے' چند منٹ پڑھنے سے دردسر شروع ہو جاتا ہے' ذہن کو مسلسل فاقے کرنے پڑتے ہیں۔

دردسر اور متلی

شاید میں نے آپ کو بتایا تھا کہ دردسر کا عارضہ دس سال کی عمر سے ہے۔صبح سویرے درد شروع ہوتا اور مسلسل بڑھتا چلا جاتا۔متلی ہو کر قے ہو جاتی، تمام دن یہی حال رہتا۔رات کو گہری نیند سونے کے بعد دوسرے روز صبح کو طبیعت ہشاش بشاش ہوتی۔یہ دورہ ہر ساتویں آٹھویں روز ہوتا

،بہت علاج کئے گئے لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ افاقہ ہوا تو مغز بادام کے حلوے سے! درد کا نتیجہ یہ نکلا کہ مطالعہ مجھ سے چھوٹ گیا، چودہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی۔ دس سال بعد بیوہ ہوگئی اس زمانے میں بماریوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ دردسر کے بعد تپ دق (T.B) کا اندیشہ پھر ورم معدہ، ورم جگر، آنتوں کی دق، گردوں کی خرابی، الغرض ذہن کی طرح جسم بھی سر سے پاؤں تک بیمار و ناکارہ ہوکر رہ گیا ہے۔

میں نے سوچا تھا کہ ادیب، ادیب عالم اور ادیب فاضل کا امتحان دے کر رفتہ رفتہ سیاسیات میں ایم۔اے کروں گی اور صحافت کے معزز پیشے کو اپناؤں گی۔ صحافت کا پیشہ مجھے ہفت اقلیم کی بادشاہت سے بھی زیادہ عظیم اور شاندار نظر آتا تھا۔ ادیب اُردو کے نصاب کا مطالعہ کیا تو پھر درد شروع ہوگیا، اس معذوری کے باوجود میں نے امتحان دیا اور دوسرے درجے میں پاس ہوگئی۔

قید میں گرفتار

دماغ ہر وقت پریشان رہنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا ہے اور پریشانی کی ایسی مضحکہ خیز وجوہ تلاش کرلیتا ہے کہ سوچ کر ہنسی آتی ہے۔ بھائی صاحب کا خط نہیں آیا۔ اب

طرح طرح کے وہم چلے آرہے ہیں۔ خط کا جواب دے دیا تو یہ وہم کہ ملے یا نہ ملے، یہ وہم ختم ہوا تو کسی دوسرے وہم نے اس کی جگہ لے لی، میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ''خ'' کو کبھی خط نہیں لکھوں گی، یہ ارادہ کرتے ہی سردرد کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگی، نہ جانے یہ اتفاق تھا یا اس فیصلے کا ردعمل کہ دردسر میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور ایسا اضافہ کہ خدا کی پناہ، جس کا پہلے کوئی تجربہ نہ تھا۔ پانچ دن تک یہی بیتابی رہی، آخر مجبور ہوکر ''خ'' کے خط کا جواب لکھنے بیٹھ گئی اور لطف یہ کہ دردسر فوراً غائب ہوگیا۔ پھر یہ وہم ہوا کہ شاید ''خ'' میرے خط کا جواب نہ دے اس وہم کے ساتھ ہی دردسر شروع ہوگیا، تیسرے روز اس کا جواب آیا تو سکون مل گیا۔ عجیب بات ہے کہ میرے دل میں ''خ'' کے لیے نہ اعتماد ہے نہ احترام، جب اعتماد و احترام نہ ہو تو محبت چہ معنی دارد؟ میں محسوس کرتی ہوں کہ قید میں گرفتار ہوں۔ یہ کس قسم کی قید ہے، معلوم نہیں۔۔۔اے محترم بزرگ! مجھے

خدارا اس قید سے نجات دلائیے اور اپنے حکیمانہ مشوروں سے میری راہنمائی کیجئے۔

نسبتہً کم اہم خط

میری روزانہ کی ڈاک غیر معمولی طور پر رنگ برنگ ہوتی ہے' ہر خط کسی نہ کسی پہلو سے چونکا دینے والا ہوتا ہے۔ نفسیاتی پیچا کوں وکام پلیکسز اور ذہنی اُلجھنوں کی ایسی تفصیلات نظر سے گزرتی ہیں کہ پڑھنے والا خود اُلجھ کر رہ جاتا ہے لیکن میں نے پیچیدہ خطوط کو چھوڑ کر آج نسبتہً ایک کم اہم خط کا انتخاب کیا ہے'' بلگرامی'' ذہنی اُلجھنوں میں مبتلا ہیں اور ان ذہنی الجھنوں کا مظہر نمایاں علامت دردسر کے دورے ہیں' آپ جوں جوں اس نسبتہً کم اہم خط کی گتھیوں کو کھولنے کی کوشش کریں گے تو الجھاوے اور پیچاک کا طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سلسلہ کہاں ختم ہو۔ آیئے ہم بلگرامی کے خط کے آخری فقرے سے اپنی مہم جوئی کی ابتداء کریں' بلگرامی نے لکھا ہے کہ

''میں محسوس کرتی ہوں کہ قید میں گرفتار ہوں''۔

بلگرامی کے ذہن کے بند دروازے کو کھولنے کے لئے یہ فقرہ کنجی کی حیثیت رکھتا ہے کہیں دور جنگل میں آگ لگ رہی ہو تو افق پر ایک چمک نظر آتی ہے جس سے ہم آگ کی سمت اور شدت ووسعت کا تصور بہ آسانی کر لیتے ہیں' اسی طرح انسانی نفس کی اندرونی تہوں میں اُلجھتے ہوئے احساسات اور متضاد جذبات (وہ جذبے جو ایک دوسرے کی ضد ہوں مثلاً دکھ اُٹھا کر سکھ حاصل کرنے کا جذبہ) کے جو طوفان موجزن ہوتے ہیں' ذہن کی بالائی سطح پر ان کا اظہار کسی ایک مجمل اور مختصر کیفیت کے ذریعے ہوا کرتا ہے' مثلاً میں محسوس کرتی ہوں کہ قید میں گرفتار ہوں' بلگرامی جتنے نفسیاتی اور جسمانی امراض (مثال کے طور پر دردسر کے دورے) میں مبتلا ہیں ان کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ۔۔۔۔ وہ اپنے کو گرفتار محسوس کرتی ہیں'' گرفتار'' اس لفظ کو یاد رکھیں۔

پا بہ زنجیر سہی ۔ پاؤں میں زنجیر نہیں

☆☆☆☆☆☆☆

گرفتاری کی باریکیاں

یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ بلگرامی کا بچپن کہاں گزرا۔ اُن کی تربیت سخت گیرانہ ماحول میں ہوئی۔ والدین کا برتاؤ حوصلہ شکن تھا یا ہمت افزاء؟ عہد طفلی کے تجربات خوشگوار تھے یا ناخوشگوار؟ بیداری میں جب فرصت نصیب ہوتی ہے تو قوت واہمہ کس طرح عمل کرتی ہے اور کس کس قسم کی وہمی شبیہیں (Fantasy) اور تصویریں ذہن کے سامنے سے گزرتی ہیں' سوتی ہیں تو کس قسم کے خواب نظر آتے ہیں ان میں سے کوئی بات پوچھنے کی ضرورت نہیں' یہ جان لینا کافی ہے کہ اپنے بارے میں بلگرامی کا مجموعی احساس یہ ہے کہ میں گرفتار ہوں۔ اس گرفتاری کی باریکیوں (مضمرات) پر غور کئے بغیر نہ مریضہ ے دردسر کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے نہ اس کے اوہام کی تشریح کی جاسکتی ہے نہ ذہنی اُلجھنوں کی' چھوٹی موٹی چادر لمبے چوڑے جسم کو نہیں ڈھانپ سکتی۔ پاؤں چھپانے کی کوشش کی جائے گی تو سر کھل جائے گا اور سر ڈھانپنے کا ارادہ ہوگا تو پاؤں ننگے ہوجائیں گے۔ چھوٹی چادر اور بڑے جسم کی تشبیہ کو سامنے رکھے اور یہ سمجھ لیجئے کہ بعض لوگوں کی انا (سیلف) اور جسم میں یہی تعلق ہوتا ہے' انا لمبی چوڑی ہوتی ہے اور جسم محدود اور مختصر' انا یا ذات' جسم کو اپنے لامحدود مقاصد کے لئے استعال کرنا چاہتی ہے' طرح طرح کی خواہشیں' طرح طرح کی آرزوئیں اور طرح طرح کے حوصلے اور منصوبے' مگر جسم انا کی حوصلہ مندی اور اولوالعزمی کا ساتھ نہیں دے سکتا اور جسمانی علامتوں کی صورت میں اس زیادتی کیخلاف احتجاج کرتا ہے' انسانی انا کی حقیقت کیا ہے یعنی میں رئیس امروہوی کیا ہوں' یہ فلسفیانہ اور عالمانہ بحث ہے' فی الحال اس بحث کو یہیں چھوڑ دیجئے۔ مختصر یہ کہ انا ہر جذبے کا اظہار نہایت وسیع پیمانے پر کرنا چاہتی ہے مگر آہ میرا جسم میرا ساتھ دینے سے معذور ہے کسی کی جسمانی بیماری کی تشخیص کے وقت ذہن کی اس کیفیت کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ انا کے تقاضوں کو سمجھے بغیر امراض جسمانی کی حقیقت کو سمجھنا تقریباً ناممکن ہے۔

☆☆☆☆☆☆

حوصلہ مند لڑکی ہے

بلگرامی حوصلہ مند لڑکی ہے۔ لکھتی ہے کہ میں صحافت کے پیشے کو ہفت اقلیم کی بادشاہت سے زیادہ عظیم اور شاندار سمجھتی ہوں۔ میں نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مختصر راستہ (شارٹ کٹ) اختیار کیا۔ مختصر راستہ یہ کہ ادیب ' ادیب عالم اور ادیب فاضل کرنے کے بعد میٹرک انٹر، بی اے اور سیاسیات میں ایم۔ اے اور پھر صحافت کا عظیم اور شاندار مشغلہ! خیر یہ اور بحث ہے۔ اب خط کے مضمون پر غور کیجئے۔

بلگرامی ہر واقعے کا ذکر اپنے حوالے سے کرتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ بلگرامی کی تمام سوچ بچار کا واحد مرکزی نقطہ صرف اپنی ذات ہے' وہ اپنی ''انا'' کے گرد مسلسل ایک طفیلی سیارے کی طرح گردش کر رہی ہے' بلگرامی نے خط کے آغاز ہی میں لکھا ہے کہ آپ اس قدر شفقت سے پیش آئے کہ جی چاہا کہ آپ کو اباجان کہہ کر پکاروں' مگر مجھے اس کی جرأت نہیں ہوئی۔ پھر اُس نے اباجان کہہ کر مخاطب کرنے کی اجازت طلب کی ہے۔ آہ۔ بلگرامی! تم باپ کی شفقت سے محروم رہی ہو۔ بی بی۔ تم میری بیٹی ہو۔ اس میں شک ہی کیا ہے۔ بہتر ہے کہ آگے چلنے سے قبل پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھ لیں۔ یہ تو اندازہ ہو کہ ہم نے کتنا راستہ طے کیا اور کتنا طے کرنا باقی ہے۔

بلگرامی اگرچہ اپنے خیال میں جسمانی امراض کے مختلف مرحلوں سے گزر رہی ہیں۔ تپ دق' ورم معدہ' ورم جگر' آنتوں کی خرابی اور گردوں کی ناکارکردگی لیکن ان کا نمایاں اور حاوی جسمانی مرض شدید درد سر کے دورے ہیں (باقی امراض خیالی اور وہمی ہیں) ان دوروں کا تعلق ذہن سے بھی ہے۔ جب انہیں کوئی خطرناک وہم ہوتا ہے (اور ہمیشہ طرح طرح کے وہموں میں مبتلا رہتی ہیں) سر درد کے دورے شروع ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ''خ'' کے خط کا جواب نہ دیں گی۔ اس فیصلے کے ردعمل کے طور پر ایسا شدید دورہ پڑا کہ خدا کی پناہ اور چار پانچ روز تک مچھلی کی طرح تڑپتی رہیں لیکن جونہی اس فیصلے کو واپس لے کر وہ خط کا جواب لکھنے بیٹھیں' دورہ موقوف ہو گیا۔ بلگرامی نے کسی تحریر میں تفصیل کے ساتھ اپنی جذباتی کیفیت کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے ان کے گہرے

اندرونی احساسات کی تفصیل کا علم نہیں مجھے نہیں معلوم کہ بلگرامی پر کیا کیا جذباتی سانحے گزر چکے ہیں، مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے۔

وہ یہ محسوس کرتی ہیں کہ گویا میں قید میں گرفتار ہوں۔ گویا اُن کی انا (حقیقی ذات) کا مجموعی تاثر اپنے بارے میں یہ ہے کہ پابہ زنجیر ہوں' بلگرامی، بلگرامی کو قیدی سمجھتی ہے بعض اوقات مریض کی تحریر یا تقریر کا صرف ایک لفظ اس کی پوری اندرونی شخصیت کو اس طرح بے نقاب کر دیتا ہے کہ تحلیل نفسی اور تجزیہ ذہنی کے دفتر بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اس لفظ کو ادا کرنیکے باوجود کہنے والے کو اندازہ نہیں ہوتا کہ میں اپنے بارے میں کیا کہہ گیا۔

اے گوش وقت سن کہ ادا کر رہا ہوں میں
وہ لفظ جس کے حرف فراموش ہوگئے

بلگرامی۔ بیک نظر

ہاں تو بلگرامی بیک نظر کیا ہے ایسی حوصلہ مند لڑکی' جس کی صلاحیتوں' استعدادوں اور قابلیتوں کو اُبھرنے اور نکھرنے کا مناسب موقع نہیں ملا وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہشمند تھی۔ وہ سیاست میں ایم اے کرنے کے بعد صحافت کے ہنگامہ آراء پیشے کو اپنانے کے لئے بیتاب تھی لیکن مقاصد کے حصول میں ناکامی ہوئی بتانے کی ضرورت نہیں کہ بلگرامی کا خاندانی ماحول اور گھریلو معاملات اس کی امنگوں کی تکمیل انا کے اظہار اور پوری شخصیت کے بروئے کار آنے کے راستے میں رکاوٹ بنے تھے۔ اس لڑکی کو بچپن ہی میں گہری اور دورس جذباتی کشمکش کا سامنا کرنا پڑا، وہ چاہتی کچھ اور تھی اور ہوتا کچھ اور تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے سرپرست مزاجاً اس کی فطری حوصلہ مندی اور اظہار ذات کے شدید جذبات کا ساتھ نبھانے سے قاصر ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان بے چاروں کے پاس اتنے پیسے ہی نہ ہوں کہ اپنی بچی کی قدرتی خواہشوں اور جائز مطالبوں کی تکمیل کر سکیں۔ کوئی صورت کیوں نہ ہو۔ بلگرامی کا بچپن محرومی اور ناآسودگی میں گزرا ۔وہ باپ کی محبت سے محروم نہ رہتی تو رئیس امروہوی سے یہ اجازت طلب نہ کرتی کہ میں آپ کو

ابا جان کہہ کر پکارنا چاہتی ہوں۔ جو شخص یہ محسوس کرے گا۔ جس کے اندر سے یہ آواز آئے گی کہ میں تشنہ محبت ہوں۔ کوئی میری چاہت کا جواب چاہت سے دینے کو تیار نہیں۔ قدرتی بات ہے کہ وہ اپنے بے پایاں جذبات محبت و سپردگی کو نفس کے اندر دبا دے گا۔ جس نگری میں پیار کی بولی کا چلن ہی نہ ہو اس نگری میں کون پیار کی بولی بولے گا۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ ناساز گار ماحول میں بلگرامی کی سوچی شخصیت اپنے تمام جذبات کے ساتھ دب کر پس کر اور گھٹ کر رہ گئی چودہ برس کی عمر میں اس محروم محبت لڑکی کی شادی کر دی گئی۔ کم سنی کی شادی سے پتا چلتا ہے کہ حالات کس قدر ناساز گار اور کتنے زہرناک اور ناخوشگوار تھے!

دس سالہ ازدواجی زندگی

بلگرامی نے اپنی دس سالہ ازدواجی زندگی کا ذکر صرف دس لفظوں میں کیا ہے' وہ اس واقعے کا سرسری تذکرہ کر کے اس طرح آگے بڑھ گئی۔ گویا یہ اس کی زندگی کا سب سے کم اہم واقعہ تھا۔ دردسر کے دوران کا ذکر دس سطور میں اور دس سالہ ازدواجی زندگی کا بیان دس لفظوں میں! یہ تضاد کتنا عجیب اور معنی خیز ہے؟ مگر عجیب اور معنی خیز کیوں ہو؟ بلگرامی اپنی ازدواجی زندگی میں قطعاً ناکام رہی اور اسے ایک بے مہر شوہر کی محروم بیوی بننے کا ثمر صرف یہ ملا کہ دردسر کی مریضہ بن کر رہ گئی۔ دردسر کا پہلا دورہ ۰س سال کی عمر میں پڑا تھا اور پھر یہ دردسر مستقل عادت بن کر رہ گیا۔

یوں مجھے مژدۂ وصال نہ دے
زندگی دردسر نہ ہو جائے

کہاوتیں نہیں حقیقتیں

بلگرامی نے لکھا ہے کہ دردسر کے ساتھ متلی ہوتی پھر تے آ جاتی، متلی ہونا اور تے آنا جذباتی مرض بھی ہے جسمانی بیماری بھی جسمانی بیماری کی وجوہ تو ظاہر ہیں' جب معدے میں مواد فاسد بھر

جاتا ہے تو وہ قے کر کے خارج کر دیتا ہے' لیکن ایک متلی اور قے وہ ہے جس کی وجہ خالص جذباتی ہوتی ہے' فلاں کی صورت دیکھ کر مجھے متلی ہونے لگی۔ فلاں کی گفتگو سے مجھے قے آ گئی۔ یہ فقط کہاوتیں ہی نہیں نفس کی زندہ سائنسی حقیقتیں بھی ہیں۔ ہم اپنے ناخوشگوار اور کرب ناک ذہنی تجربہ اور حادثوں کو ہضم کرتے ہضم کرتے ہضم کرتے چلے جاتے ہیں لیکن وہ ہضم ہو کر جزو بدن نہیں بنتے بلکہ جس طرح غیر منہضم غزا، آنتوں میں سڑتی رہتی ہے اسی طرح یہ دبائے ہوئے جذبات نفس کے اندر سلگتے رہتے اور یہ فاسد جذباتی مواد، طرح طرح کے نف جسمی امراض پیدا کرتا ہے۔ نف جسمی امراض وہ جو بیک وقت جسم اور ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بلگرامی نصف مریضہ ہے اس کے ذہن کی نچلی تہہ میں محرومی نا آسودگی' ہیجان اور کشمکش کا جہنم بھڑک رہا ہے اس جذباتی جہنم کا دھواں دماغ کی طرف چڑھتا ہے اور متلی اور دردسر کی حالت پیدا کر دیتا ہے۔ متلی اور دوران سر یعنی سر چکرانا کسی نہ کسی درجے میں لازم وملزوم ضرور ہیں۔ بلگرامی باشعور لڑکی ہے (تعلیم یافتہ نہ سہی) اسلوب نگارش اور لکھنے کے ڈھنگ سے ہی پتا چلتا ہے کہ وہ نازک ادبی میلان کی حامل ہے۔ تحریر میں پختگی اور ڈرامائیت نہ سہی۔ روانی پائی جاتی ہے۔ اس کی طبیعت شاعرانہ ہے۔ اس کے نام کی ساخت اور بلگرامی کی نسبت شعراء کے تخلص کی یاد لاتی ہے رئیس امروہوی کی طرح بلگرامی کی نسبت سے اس کا بھی ایک نام اور تخلص (نام کا نام تخلص کا تخلص) موجود ہے نام سے خصوصاً وہ نام جو آپ خود اپنے لئے پسند کریں کسی انسان کے بعض اندرونی میلانات اور رجحانات کا اندازہ ہو جایا کرتا ہے۔ مجھے بلگرامی کے نام کی ترتیب سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ شاعرانہ ذہن کی مالک ہے۔ اس لڑکی کی حقیقی اندرونی شخصیت کو کبھی اظہار کا موقع نہیں ملا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے کو پابہ زنجیر قیدی محسوس کرتی ہے۔

خود اپنے وجود میں مقید
پابستہ بے رسن ہیں ہم لوگ!

کوئی شبہ نہیں کہ بلگرامی پابستہ بے رسن ہے۔ جس زنجیر نے بلگرامی کی رُوح کو جکڑ رکھا ہے۔ وہ جکڑ بندیاں اور گرفتاریاں خود اس کے شعور (ضمیر اور ضابطہ اخلاق) نے اس پر عائد کی ہیں بلگرامی

کو کسی دوسرے نے قید نہیں کیا۔ وہ اپنی داروغہ زندگی خود ہے۔

خود علاجی کا عمل

کھلی ہوئی جسمانی بیماریوں کے علاج میں بلا شبہ آپ ماہر فن معالج کے محتاج ہیں لیکن چھپی ہوئی نفسیاتی بیماریوں کا علاج کوئی معالج نہیں کر سکتا۔ ہم خود کر سکتے ہیں۔ البتہ یہ علاج اتنا طویل 'صبر آزماء تھکا دینے والا اور اکتا دینے والا ہوتا ہے۔۔۔ کہ مریض چند ہی روز میں ''خود علاجی'' کے عمل سے بیزار ہو جاتا ہے' انسان پوری کائنات کا مقابلہ کر سکتا ہے وہ عالم موجود کی ہر بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے لیکن خود اپنا مقابلہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے' درحقیقت ہم آپ اپنا سامنا کرنے سے ڈرتے ہیں۔

اپنے کو تلاش کر رہا ہوں
اپنی ہی طلب سے ڈر رہا ہوں

میں بلگرامی کے لئے تنفس نور کی مشق اور مراقبہ نور نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت یا سلیف کلچر ٹریننگ کورس۔ مخفف S.C.T تجویز کیا ہے' دونوں مشقیں کیوں تجویز کی گئی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سانس اور خود کار اعصابی نظام کے درمیان گہرا تعلق ہے' یوں تو ہمارے جسم میں مختلف نظام عمل کار فرما ہیں۔ مثلاً نظام دوران خون، نظام ہضم، نظام اخراج وغیرہ لیکن بات کو سیدھے سادے لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ انسان کے حیاتیاتی اعمال دو قسم کے اعصابی نظاموں سے ظہور پذیر ہوتے ہیں' اعصاب کا ایک نظام وہ ہے جو ہمارے ارادے کے تحت ہے دوسرا ہمارے ارادے کے تحت نہیں ہے ارادی اعصابی نظام کے ذریعے جسم کی وہ تمام حرکات عمل میں آتی ہیں جو ہم شعوری طور پر بجا لاتے ہیں۔ مثلاً یہ مضمون ارادی اعصابی نظام کی مدد سے لکھ رہا ہوں، قلم چلانا' کاغذ موڑنا' لفظوں پر نقطے لگانا عبارت کی سطور کو مرتب کرنا، سب ارادی اعصابی نظام کی کارگزاری ہے لیکن اس مضمون کی تحریر کے دوران میں کتنی بار میں نے کھجایا۔ پلکیں جھپکائیں' سانس لیئے اور غیر شعوری طور پر انداز نشست میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ کبھی شعوری ارادے کے

بغیر ادھر کو سرک گیا۔ کبھی ادھر کو کھسک گیا۔ یہ سب خود کار اعصابی نظام کی کارگزاری ہے۔ اس کی کارکردگی کا ہمیں پتا بھی نہیں چلتا۔ مثلاً سانس لینے کا عمل ہے اگر سانس لینے کا عمل ارادی اعصابی نظام کے تحت ہوتا تو ہر بار سانس کھینچنے اور نکالنے کے لئے از سرنو ارادہ کرنا پڑتا کہ سانس لیں اور خارج کریں' ظاہر ہے کہ پوری زندگی اسی مصروفیت میں صرف ہو جاتی۔ اور ہم کوئی دوسرا کام کرنے کے قابل ہی نہ رہتے۔ لہٰذا زندگی نے سانس کھینچنے کے پورے عمل کو غیر ارادی اعصابی نظام کی تحویل میں دے دیا ہے کہ ہم اپنی کوشش' ارادے اور علم کے بغیر زندہ رہنے کے اس عمل کو جاری رکھ سکیں' خود کار اعصابی نظام کے تمام اعمال وحرکات سانس لینا' غذا ہضم کرنا ،قلب کا دھڑکنا، رگوں میں خون کا دوران وغیرہ وغیرہ خود کار ہوتے ہیں' ہمارا قلب ہمارے شعوری ارادے کے تحت نہیں دھڑکتا۔ ہم ہر لمحہ جان بوجھ کر سانس نہیں لیتے اسی طرح اور ہزاروں جسمانی عمل ہیں جو خود بخود وجود میں آ جاتے ہیں' انسان کا جذباتی عمل بھی ارادے کے تحت نہیں ہے۔ یہ عمل بھی غیر ارادی طور پر ظہور میں آتا ہے' خود کار اعصابی نظام کا سب سے زیادہ اور مسلسل مظہر' سانس کا عمل ہے سانس کا جذبات سے گہرا تعلق ہے' ہر جذباتی کیفیت کی تبدیلی کے ساتھ سانس کی رفتار اور کیفیت بدل جاتی ہے غصے میں سانس کا اتار چڑھاؤ کچھ اور ہوتا ہے خوف میں کچھ اور! مختصر یہ کہ ہر جذبے کے ساتھ نظام تنفس کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ میں بلگرامی کے جذباتی نظام کو تبدیل کرنا چاہتا ہوں' جب تک اس جذباتی لڑکی کی جذباتی کیفیت کو نہ بدلا جائے گا۔ ممکن نہیں کہ سر درد کے شدید دورے رفع ہو سکیں اور بلگرامی صحت مند زندگی بسر کر سکے' جذباتی کیفیت کو بدلنے کا واحد سائنسی طریقہ ہے کہ سانس کے غیر ارادی عمل کو ارادے کے تحت لایا جا سکے جو شخص جذبات پر قابو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے سانس پر قابو حاصل کرنا چاہئے مشق تنفس نور میں سانس کھینچنے روکنے اور نکالنے کے ساتھ نور کا تصور کیا جاتا ہے۔ فی الحال بلگرامی سانس کے ساتھ نور کا تصور قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں تو نہ سہی انہیں سادہ طور پر سانس کے پانچ چکر کر لینے چاہئیں یہ کافی ہے چاہے نور کا تصور ہو یا نہ ہو۔ جہاں تک مراقبہ نور کا تعلق ہے تو خیال کی تربیت کے لئے مراقبے کی مشق ضروری ہے' ابتدائی چھ مہینے میں تصور پختہ

ہوگا بلگرامی، یقین رکھیں کہ میں نے جو مشقیں تجویز کی ہیں وہ انجام کار انہیں اندر اور باہر سے بدل دیں گی۔ ان مشقوں کے ساتھ انہیں خود علاجی کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے۔ خود علاجی یہ کہ بچپن سے اب تک اپنی جذباتی سرگزشت پر نظر ڈالیں، جس کا طریقہ عرض کر چکا ہوں، اس عبارت کی ابتداء میں عرض کیا گیا تھا۔

انسانی زندگی کا مطالعہ کائنات کے مطالعہ سے اور مشاہد سے کہیں زیادہ مشکل اور وقت طلب ہے۔

بلگرامی کو اس فقرے کی روشنی میں خود علاجی اور خود تحلیلی کا سفر شروع کرنا چاہئے۔

آزاد کا قیدی

محمد انور (معرفت چوہدری اختر صاحب ٹھیکے دار ماڈل کالونی کراچی) لکھتے ہیں کہ

محترمی! میں پچھلے نو سال سے ایک غیبی آواز کے جال میں اسیر ہوں۔ ایسا گرفتار کہ اگر اپنے پورے حالات لکھ دوں تو کئی سو صفحے کی کتاب بن جائے۔ مختصراً تحریر کرتا ہوں میں نے پہلی مرتبہ یہ آواز 7 مئی 1961ء کو سنی تھی۔ اس روز سے اب تک غیبی آوازوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اب میں بتلاتا ہوں کہ اس آواز نے میرے ساتھ کیا کیا سلوک کئے ہیں۔ (1) تعلیم جاری تھی کہ اس آواز نے مجھے حکم دیا کہ پڑھنا چھوڑ دو چنانچہ میں نے تعلیم ترک کردی (2) فوجی ملازمت میں تھا۔ غیبی آواز کو یہ ملازمت پسند نہ آئی چنانچہ ملازمت ترک کرنا پڑی (3) شادی کا قصد تھا آواز آئی شادی مت کرو۔ میری کیا مجال کہ تعمیل حکم نہ کرتا۔ شادی سے انکار کردیا (4) آواز نے دنیا کی محبت میرے دل سے نکال دی اور سب سے کٹ کر صرف اللہ اور رسول کا ہوگیا (5) اس آواز ہی کا اثر سمجھئے کہ مجھے آج تک کبھی محسوس نہیں ہوا کہ مجھ پر جوانی آئی ہے جوانی آئی ہوگی ضرور آئی ہوگی مگر کسی تمنا، ارمان اور جذبے کے بغیر (6) میں اچھے گھرانے کا لڑکا تھا کسی چیز کی کمی نہ تھی مگر آہ یہ آواز؟ اس آواز نے مجھے اتنا نیچے گرادیا ہے کہ میں مزدور بن کر رہ گیا ہوں۔ معماری کا کام کرتا ہوں

(7) اسی آواز نے مجھے معماری کے فن اور پیشے کی تعلیم دی ورنہ میں کہاں اور یہ فن کہاں؟ باپ دادا نے کبھی یہ کام نہ کیا تھا فن معماری میں میری استاد یہی پراسرار آواز ہے۔ گھر والے کہتے ہیں کہ میں اس پیشے کو ترک کر کے کوئی دوسرا کام کروں یا تجارت شروع کر دوں۔ آواز باز رکھتی ہے۔ چنانچہ ہر کام میں ناکام رہتا ہوں۔ ہر منصوبہ ٹھپ ہو جاتا ہے (8) رئیس صاحب! اس آواز نے مجھے ناکارہ اور مفلوج کر دیا ہے۔ کئی دفعہ رو رو کر التجا کی کہ خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دے آواز جواب دیتی ہے کہ قبر تک پیچھا کروں گی۔ میں نے تیرے ساتھ شروع ہی میں عہد کیا تھا کہ ہمیشہ ساتھ رہوں گی (9) یہ آواز بار بار مجھے موت سے ڈراتی ہے (10) مزاجی اعتبار سے میں ہمیشہ پیروں فقیروں کا شیدا رہا ہوں۔ اچھے اچھے بزرگوں کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ برابر مزاروں مقبروں پر جاتا رہا ہوں (11) کبھی کبھی نماز سے فارغ ہونے کے بعد خود بخود گلاب اور موتیا کی خوشبو آتی ہے۔

آزاد کر دیجئے

رئیس صاحب! آپ مجھے اس آواز کے چنگل سے آزاد کر دیجئے میں اس آواز سے تنگ آ چکا ہوں۔ اسی آواز کے سامنے بے بس ہو جاتا ہوں۔ ہر ارادہ ٹوٹ جاتا ہے اس آواز کے سلسلے میں بڑے بڑے پیروں مجذوبوں سے ملاقات کی۔ کہتے ہیں اس آواز کے پیچھے مت پڑو۔ اس راز کو راز ہی رہنے دو۔ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ ندائے غیب تمہاری رہبری کر رہی ہے یہ سعادت کسے نصیب ہوتی ہے کہاں تک لکھوں۔ بہت بڑا دفتر چاہئے۔ پورے حالات لکھنے کے لئے! اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ عمر اٹھائیس انتیس سال کے قریب ہے میٹرک سے تعلیم چھوڑ دی۔ لائلپور کا رہنے والا ہوں۔

ضرور پیچھے پڑو

پیروں فقیروں نے محمد انور کو مشورہ دیا ہے کہ ''اس بھید کے پیچھے مت پڑو۔ اس راز کو راز ہی

رہنے دو۔لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ اس بھید کے پیچھے پڑنا چاہئے اوراس راز کو فاش کرنا چاہئے کہ 7 مئی 1961ء سے اب تک جو آواز سنائی دیتی ہے اس کا سرچشمہ اور منبع کہاں ہے؟ انہیں بتلایا گیا کہ یہ آواز سعادت کا سبب ہے لیکن خود محمد انور نے اپنے جو حالات پیدا کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آواز اب تک بہ حیثیت مجموعی ان کے درپے آزار رہی ہے مثلاً تعلیم چھڑا دینا فوجی ملازمت سے استعفےٰ دلوانا، شادی سے روک دینا، مزدوری پر مجبور کرنا قوت ارادی کو تباہ کر دینا مفلوج بنا دینا تو جس آواز نے انہیں ایسی ایسی پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے اس آواز کا کھوج نکالنا ضروری ہے۔خود آواز سننے والے (محمد انور) کی تمنا یہ ہے کہ اسے آواز کے طلسم سے آزاد ہو جانا چاہئے۔بڑے دادخواہانہ لہجہ میں لکھتے ہیں کہ

"رئیس صاحب! مجھے اس آواز کے چنگل سے آزاد کر دیجئے۔"

اگر یہ آواز سعادت وخوش نصیبی کا سبب ہوتی تو محمد انور کے دل میں کبھی آزاری کی خواہش پیدا نہ ہوتی بلکہ ان کا تقاضا تو یہ ہوتا کہ

ایں آوارہَ کرےَ بتاں آوارہَ ترباداَ

کوہ ندا

محمد انور نے اگر داستان حاتم طائی پڑھی ہوگی۔

تو وہ حکایت یاد ہی ہوگی کہ حاتم طائی کے سامنے سات' شرطیں رکھی گئی تھیں ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ فلاں پہاڑ سے ایک پراسرار آواز بلند ہوتی ہے۔جو سنتا ہے کپڑے بھاڑ کر وحشیوں کی طرح اس آواز کی طرف بھاگ جاتا ہے پھر پتا نہیں چلتا کہ اسے آواز نے نگل لیا یا آسمان نے اُچک لیا؟ اس پہاڑ کا نام کوہَ ندا تھا۔یہ کوہ ندا دنیا کے کس خطے میں واقع تھا حاتم طائی کے داستان نگار نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا لیکن محمد انور جس کو کوہ ندا کی آواز سنتے ہیں وہ کہیں باہر نہیں ان کے اندر واقع ہے اچھا یہ کوئی تعجب انگیز بات بھی نہیں۔ہر شخص بجائے خود کوہَ ندا واقع ہوا ہے، ہم طرح طرح کی آوازیں سنتے ہیں۔محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہ آوازیں باہر سے آرہی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے

کہ ہر آواز خود ہماری کسی خواہش کسی تمنا اور کسی جذبے کی صدائے بازگشت ہے انسان آخر ہے کیا۔ایک آواز ہی تو ہے۔

کہاں ہم اختتام نغمہ کے بعد
اگر ہوں گے تو صرف آواز ہونگے

شعر، موسیقی، ڈراما

صدائے غیبی کو شعراء کی اصطلاح میں نوائے سرش کہتے ہیں۔مرزا غالب فرماتے ہیں۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب سریر خامہ نوائے سروش ہے

اور یہ نوائے سروش اندر سے اُبھرتی اور انسان کی پوری شخصیت پر چھا جاتی ہے آپ نے بارہا ''اندرونی آواز'' کا ذکر سنا ہوگا۔یعنی میرے دل سے آواز آئی کہ فلاں کام کر اور فلاں کام سے ڈر۔گاندھی جی کی سیاسی زندگی کا تو انحصار ہی ایک حد تک اندرونی آواز۔ انر وائس پر تھا۔انہوں نے اپنی زندگی کے کئی فیصلے اسی اندرونی آواز کی ہدایت پر کیے اندروانی آواز کا اظہار طرح طرح سے ہوتا ہے' شعر' موسیقی' خطابت ڈراما، ناول اور افسانے بہت حد تک اندرونی آواز کی صدائے بازگشت ہیں' جب یہ آواز نفس انسانی کے صحت مند حصے سے برآمد ہوتی ہے تو اعلیٰ درجے کی شاعری اور ڈرامے وغیرہ کو جنم دیتی ہے اور جب ذہن کے بیماری حصے اور تاریک گوشے سے بلند ہوتی ہے تو وہم اور نفسیاتی مرض کی شکل اختیار کر لیتی ہے یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اندر سے وہی آواز نکلتی ہے جو انسان کی خواہشوں اور اُمنگوں کے مطابق ہوتی ہے۔اندرونی آواز کی ایک ہی قسم نہیں ہے متعدد قسمیں ہیں۔اگر شعر، موسیقی، ڈراما اور خطابت اس کی اعلیٰ قسمیں ہیں تو بڑبڑانا۔آہیں کرنا۔چیخنا، چلانا، رونا، گالیاں دینا، بے معنی جملے دُہرانا۔بار بار ایک لفظ یا ایک فقرے کی تکرار کیے جانا۔یہ سب کے سب اندرونی آواز کے مختلف روپ ہیں مگر ان آوازوں پر ہمارا بس نہیں چلتا۔

نالہ پابند نے نہیں ہے

غصے کی شدید حالت میں کوئی نہ بڑبڑائے نہ چیخے۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے؟ بے اختیاری کے نوحوں نغموں اور فریادوں کو ہم خود پیدا نہیں کرتے ذہن خود بخود پیدا کرتا ہے تا کہ اندر جو ہیجان اور جذباتی طوفان بڑپا ہے۔ وہ آواز یا فریاد کے ذریعے خارج ہوجائے اگر دفور غم میں ایک آنسو آنکھ سے اور ایک آہ بھی ہونٹوں سے نہ نکلے تو آدمی پاگل ہوجائے جس طرح سالن پکنے میں ہانڈی سے کھدبد کی آواز نکلتی ہے اسی طرح ہیجان جذبات میں گانے اور رونے کا پورا جواز موجود ہے۔

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رُلائے کیوں

مجذوب کی بڑ

آج صبح ہی میرا ایک سابق ہم وطن ''تنویر'' یکا یک گھر میں گھس آیا۔ یہ نوجوان دماغ کی عضویاتی خرابی میں مبتلا ہے یعنی دماغ پر بقول اطباء شدید سوادیت کا غلبہ ہے۔ اسی خفقانی اور جنونی کیفیت میں تنویر نے کئی گیت سنائے، کئی تقریریں کیں۔ بظاہر اس کی پوری گفتگو مجذوب کی بڑ کی حیثیت رکھتی تھی مگر بار بار اس مجذوبی بڑ میں وہ ایسے فقرے اور جملے استعمال کر جاتا تھا جس سے بے انتہا جذباتی کشمکش اور محرومی و ناآسودگی کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس کی پوری گفتگو اندرونی آواز کی حیثیت رکھتی تھی۔ مثلاً وہ بار بار شادی کا ذکر کرتا تھا۔ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ کس طرح وہ اپنے منگیتر کو کھو بیٹھا ہے۔ جن لوگوں پر خلل دماغ کے دورے پڑتے ہیں۔ جو ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہا جاتے ہیں۔ بظاہر ان کی بات چیت اور چیخ پکار کتنی ہی بے جوڑ اور مہمل کیوں نہ ہو تاہم ان کی گفتگو میں ایسے اشارے کنایے موجود ہوتے ہیں جن سے مریض اور مجنوں کی ذہنی حالت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ محمد انور بھی ایک درجے میں مجذوب کی سی حیثیت ونوعیت رکھتے ہیں ان کی سننے کی حس ہی تیز نہیں سونگھنے کی حس (شامہ) بھی کافی چاق و چوبند ہے لکھتے ہیں کہ بعض اوقات گلاب اور موتیا کی خوشبو آئی ہے تو جو شخص خود بخود بغیر کسی ظاہری وسیلے کے پراسرار خوشبوئیں سونگھ سکتا ہے کیا وہ غیبی آواز نہیں سُن سکتا۔ محمد انور کا بچپن سخت کشمکش میں گزرا ہے ان کا یہ لکھنا

کہ میں ایک اچھے خاندان کا فرد ہوں جہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ صرف ظاہری حالت کا بیان ہے۔ ان کی باطنی کیفیت زیادہ پیچیدہ اور گہری ہے وہ شروع ہی سے ماحول کے جبر کا شکار رہے ہیں ان کی کتنی ہی خواہشیں تمنا' ولولے اور حوصلے ایسے تھے جو ناسازگار حالات کے سبب پورے نہ ہوسکے دب کر رہ گئے یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ کوئی جذبہ دب کر فنا نہیں ہوتا۔

روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں

یہ دبا اور دبایا ہوا جذبہ نفس کے اندر سلگتے ہوئے ٹائم بم کی طرح اپنی قوت کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ اگر بیرونی دباؤ شدید ہوتا ہے تو یہ جذباتی ٹائم بم پھٹ کے پرخچے اڑا دیتا ہے اور مریض مجنوں بن کر رہ جاتا ہے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کچھ کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

مجنوں کی کیفیت یہی تو ہوتی ہے۔ اسے طرح طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اور وہ انہی خیالی آوازوں کے جواب دینے میں اُلجھا رہتا ہے اس کے بے ربط فقرے مہمل جملے اور بعض الفاظ کی پے درپے تکرار انہی فرضی خیالی اور قیاسی آوازوں کی صدائے بازگشت ہوا کرتی ہے آپ نے دیوانوں کو بڑبڑاتے اور شرابیوں کو ہنکارتے سنا ہوگا بظاہر یہ گفتگو بے معنی ہوتی ہے لیکن کاش کوئی دیوانوں کی زبان اور مجذوبوں کے طرز بیان کو سمجھ سکتا۔

آواز کا سرچشمہ

محمد انور نے اپنی ابتدائی زندگی کا تذکرہ نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے بارے میں صرف اپنی اطلاع بہم پہنچائی ہے کہ وہ ایک اچھے خاندان کے لڑکے ہیں جہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی اٹھائیس انتیس سال کی عمر ہے شادی اب تک نہیں ہوئی پہلے فوج میں ملازم تھے اب معماری کرتے ہیں اتنی مختصر سوانح عمری کسی شخص کے نفسیاتی تجزیے اور ذہنی چھان بین کے لئے کافی نہیں۔ تاہم چونکہ اس قسم کے متعدد کیس نظر سے گزر چکے ہیں۔ اس لئے محمد انور صاحب کے کیس کو سمجھنے میں دقت و دشواری نہیں

ہوئی۔محمد انور کی غیبی آواز کا سرچشمہ ان کا اپنا نفس ہے میں نے ایک اور اسی قسم کے کیس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لیجئے کہ سننے کا تعلق کانوں سے نہیں دماغ سے ہے اگر آپ کا دماغ دوسری طرف متوجہ ہے تو بہت ممکن ہے کوئی آواز ہی کانوں میں نہ پڑے۔ بارہا تجربہ ہوا ہے کہ بسا اوقات محویت کے عالم میں گردوپیش سے اس قدر بے خبری ہو جاتی ہے کہ جب تک کوئی زور سے نہ پکارے! ہم نہیں چونکتے۔ کتنی ہی غیر دلچسپ گفتگوئیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہم کان میں آواز آنے کے باوجود ان گفتگوؤں کے مفہوم سے بالکل بے خبر رہے ہیں ہم صرف اس گفتگو کو خوبی اور وضاحت کے ساتھ سنتے اور سمجھتے ہیں جس سے ہمیں دلچسپی ہوتی ہے جو حال سننے کا ہے وہی دیکھنے کا ہے آنکھ اور کان دماغ کے آلے ہیں اگر دماغ کہیں اور مصروف ہے تو آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود کچھ نظر نہ آئے گا اور کانوں میں آواز آنے کے باوجود کچھ سنائی نہ دے گا۔محمد انور کو ایک آواز آتی ہے لکھتے ہیں کہ یہ غیبی آواز ہے کیونکہ اس آواز کا سرچشمہ ان کا اپنا نفس ہے کان نہیں ہیں ۔بہتر ہے کہ غیبی آواز کے بارے میں بھی کچھ گفتگو کر لی جائے۔

آواز نہیں خواہش

محمد انور جو آواز سنتے ہیں وہ درحقیقت ان کی کسی خواہش کا بدلا ہوا روپ ہے۔انہوں نے تعلیم اس لئے ترک کی کہ آواز نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ بے شک حکم آواز ہی کا تھا لیکن یہ آواز ان کے نفس کا تقاضا تھی کسی نہ کسی سبب سے وہ پڑھنا نہ چاہتے تھے۔اس رجحان نے شکل بدل لی اور وہ میٹرک سے تعلیم چھوڑ بیٹھے۔ پھر انہیں فوج میں بھرتی کرا دیا گیا فوجی ملازمت ان کے شعور کو پسند نہ تھی ۔چنانچہ لاشعور نے اندر سے آواز دی کہ فوجی ملازمت ترک کر کے مزدوری اور معماری شروع کردو۔انہوں نے اپنے لئے کام بھی وہ تجویز کیا جو محنت طلب اور دقت طلب ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اذیت پسند بھی ہیں نفسیاتی مریض بے شک اذیت پسند بھی ہوا کرتے ہیں اور مردم آزار بھی! محمد انور اذیت پسندی میں بھی مبتلا ہیں اور مردم آزاری

میں بھی شدت وہم میں انہوں نے یہ تصور کرلیا ہے کہ اگر وہ غیبی آواز کے حکم کی تعمیل نہ کریں گے تو نقصان اُٹھائیں گے چنانچہ ہر قسم کا نقصان اُٹھا رہے ہیں۔ تعلیم سے محروم، اعلیٰ ملازمت سے محروم، شادی سے مرحوم اور زندگی سے بیزار۔ وہ ان تمام چیزوں کو غیبی آواز کا کرشمہ سمجھتے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سب ان کے ذہن کے منفی حصے (جو انہیں تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے) کی شعبدہ کاری ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں انسانی ذہن اپنی غلطی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے بھیس بدلا کرتا ہے اور ہر خامی اور فردگزاشت کی ایسی عجیب وغریب تاویل کرتا ہے کہ آدمی بجائے خود مطمئن ہوجاتا ہے۔ محمد انور کا یہ بیان بھی کہ یہ آواز ''ندائے غیب'' کی حیثیت رکھتی ہے محض اپنی مجبوری اور غلطی کو چھپانے کی کوشش ہے ان کا لاشعور یہ ذمہ داری قبول کرنے سے بچتا ہے کہ میں خود اپنے کو تباہ کرر ہا ہوں لہٰذا اس نے ایک ایسی آواز کا حیلہ تراش لیا۔ جو مریض کے قابو سے باہر ہے اس طرح ان کی تمام غلط کاریوں اور غلط اندیشوں کا جواز پیدا ہوگیا۔ صاحب! میں کیا کروں۔ مجبور ہوں ایک غیبی آواز ہے جو مجھے اشاروں پر نچا رہی ہے۔ اگر میں زندگی میں ناکام رہا ہوں تو یہ میرا قصور نہیں۔ غیبی آواز کا ہے جو مجھے اشاروں پر نچا رہی ہے۔ چلیئے قصہ طے ہوا۔ قضیہ تمام ہوا تعلیم ترک کردینے۔ ملازمت چھوڑ دینے اور شادی نہ کرنے کی ذمہ داری اب محمد انور پر عائد نہیں ہوتی ایک ایسی قوت پر عائد ہوتی ہے جو محمد انور پر حکمران ہے لطف یہ ہے کہ ایک طرف تو اس آواز کی بدولت وہ اللہ اور رسولؐ کی محبت میں غرق ہوگئے۔ کسی مسلمان کے لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ وہ دنیا سے کٹ کر اللہ اور رسولؐ کا ہو رہے اور دوسری طرف انہیں یہ شکوہ ہے کہ اس پر اسرار قوت نے انہیں ناکارہ کررکھا ہے وہ مفلوج ہوچکے ہیں اور ان کی بے اختیار خواہش یہ ہے کہ رئیس صاحب! مجھے اس آواز کے ظلم سے آزاد کردیجئے گویا ان کا شعور (اور الحمدللہ کہ ابھی شعور باقی ہے اور مریض کو اپنی تباہی کا احساس ہے) ملامت کرتا ہے کہ تم کس خبط اور کس وہم میں مبتلا ہو یہ آواز باعث سعادت نہیں باعث آزار ہے اس تضاد کی توجیہہ صرف اسی طرح ہوسکتی ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کو خواہ کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو۔ کبھی بہ کشادہ پیشانی تسلیم نہیں کرتے بلکہ خطاؤں

کوحق بجانت ثابت کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی عذر تاویل دلیل اور معقولیت تلاش کر لیتے ہیں تا کہ سکون قلب اور خود اطمینانی میں خلل نہ آئے۔کاش محمد انور صاحب سمجھ سکتے کہ یہ آواز آسمان سے نہیں ان کے نفس کے اس حصے سے بلند ہوئی ہے جو بیمار اور غیر صحت مند ہے وہ سو فیصد ذہنی بیمار ہیں اور اس سلسلے میں مریض کی کوئی معذرت قبول نہیں کی جا سکتی۔انہیں اپنا باضابطہ علاج کرانا چاہئے۔ورنہ یہ آواز کہیں کا نہ چھوڑے گی۔کہیں کا نہ رکھے گی سب سے پہلی بات یہ کہ انہیں خود اپنے ذہن کا جائزہ لینا چاہئے۔بچپن سے اب تک جتنے خوشگوار، ناخوشگوار حالات گزرے ہیں۔جذباتی حادثے پیش آئے ہیں جو جو روحانی زخم لگے ہیں۔اُن سب کی چھان بین کر کے یہ سارے حقائق کسی نفسیاتی تجزیہ کار کے سامنے پیش کر دینے چاہئیں۔اور پھر اس کے مشورے سے از سر نو اپنے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ عمر بھر اس آواز کے طلسم سے آزاد نہ ہوں گے۔

کیا یہ خواب ہے

الف الف قریشی (پشاور) رقمطراز ہیں کہ

میں 1962ء سے متواتر ایک ہی خواب دیکھ رہا ہوں خواب کا پہلا منظر ملاحظہ ہو۔دوپہر کا وقت ہے میں نہا دھو کر کنگھی کر کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا ہوں داہنی طرف ایک گلی ہے جس کے آخری سرے پر ایک گھر واقع ہے گھر کے دروازے پر ایک لڑکی کھڑی ہے جس کی عمر اندازے سے آٹھ یا دس سال کی ہوگی لڑکی کی گود میں ایک بچہ ہے وہ غور سے مجھے دیکھ رہی ہے۔میں نے لڑکی کو دیکھا مگر کوئی خاص توجہ دیئے بغیر گھر کے اندر چلا آیا فوراً میری آنکھ کھل گئی۔آٹھ سال پہلے میں نے یہ خواب دیکھا تھا۔پہلے خواب کا خیال چند روز تک آتا رہا پھر ذہن سے نکل گیا کہ پھر وہی خواب نظر آیا۔دیکھا کہ شام کا وقت ہے میں بازار جانے کے لئے گھر سے نکلا۔گلی کے نکڑ پر اسی گھر کے دروازے پر وہی لڑکی نظر آئی۔میں آگے بڑھ گیا۔آنکھ کھل گئی۔اب اس خواب کا تسلسل قائم ہو گیا۔یہ لڑکی سال میں چھ یا سات مرتبہ نظر آتی تھی۔پھر دو سال بعد خواب کی

نوعیت میں تبدیلی ہوگئی اب یہ دیکھنا شروع کیا کہ لڑکی نے بچے کو گود سے اُتار دیا اور میری طرف چل کر آئی لیکن جونہی میں نے اسے چھونے کی کوشش کی آنکھ کھل گئی پھر یہ تبدیلی رونما ہوئی کہ وہ خواب میں نظر آتی اور آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹ جاتی تا ینکہ اس جگہ پہنچ جاتی جہاں پہلے خواب 1962ء میں نظر آئی تھی پھر اس نے مجھے اشارے سے بلایا۔ جب میں قریب پہنچا تو آواز آئی۔

عائشہ گھر میں آ جاؤ!

اس آواز کو سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ رئیس صاحب یہ خواب رات ہی میں نہیں۔ کبھی کبھی دن میں بھی نظر آیا ہے میں نے عرض کیا کہ یہ سلسلہ آٹھ سال سے چل رہا ہے لیکن نہ جانے کیوں؟ پچھلے چھ مہینے سے یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ آخری خواب کچھ اس طرح تھا کہ میں اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا ہوں کہ اسی گھر کے دروازے سے وہ لڑکی برآمد ہوتی ہے اور مجھے اشارے سے اپنے پاس بلاتی ہے جب میں قریب جاتا ہوں تو کہتی ہے میری مدد کرو۔ میں بڑی مصیبت میں ہوں!

یہ کہہ کر غائب ہو جاتی ہے اور میں بڑا حیران پریشان کھڑا رہ جاتا ہوں تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل جاتی ہے یہ خواب دن کو نظر آیا تھا۔ اس کے بعد سے سلسلہ خواب بند ہوگیا یہ اور سن لیجئے کہ جب بھی میں نے خواب میں اس لڑکی کو دیکھا بیداری کے بعد فوراً یہ خیال آیا کہ اسے پہلے کہیں دیکھا تھا ۔بہت جستجو کی۔ بہت تلاش کیا لیکن خوابوں کی وہ لڑکی کہیں بیداری میں نظر نہ آئی میں اس لڑکی کو اتنی مرتبہ دیکھ چکا ہوں گویا سال ہا سال تک اس کے ساتھ رہا ہوں جب سے یہ سلسلہ خواب بند ہوا ہے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ دل کی کیا کیفیت ہے۔

اب دل کی یہ شکل ہوگئی ہے
جیسے کوئی چیز کھو گئی ہے

رئیس صاحب! میں اس کو خواب میں دیکھنے کا اتنا عادی ہوگیا تھا کہ اگر چند روز نظر نہ آتی تو دل پریشان ہو جاتا طبیعت گھبرانے لگتی لطف کی بات یہ ہے کہ جب وہ خواب میں نظر آ جاتی تو قرار آ جاتا۔ چھ مہینے سے دیدار موقوف ہے اور کہہ نہیں سکتا کہ ان چھ مہینے میں کیا ہوگیا ہے۔ برسوں کا

بیمار لگنے لگا ہوں۔ دل ہر وقت اداس اداس رہتا ہے خیالات میں گم ہوں تعلیم چھوٹ گئی ہے۔ چلتی پھرتی لاش بن کر رہ گیا ہوں وہ ہنسی قہقہے۔ کبھی جن کی مثال پیش کی جاتی تھی اب خواب بن کر رہ گئے ہیں کسی کا دل رکھنے کے لئے ہنسنے کی کوشش کرتا ہوں تو اپنے اوپر رونا آتا ہے۔ لیجئے عجیب بات یاد آئی۔ میں اٹھ سال تک اس لڑکی کو مسلسل خواب میں دیکھتا رہا پہلے وہ بچی نظر آتی تھی رفتہ رفتہ محسوس ہونے لگا کہ اس کی عمر میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ تو ہوئی داستان خواب اب۔

قصہ بیداری

سنیئے شاید اس سے آپ کو میرے تجزیے میں آسانی ہو۔ مجھے بچپن سے ایک لڑکی سے شدید تعلق خاطر تھا اس کا نام ''ع'' سے شروع ہوتا ہے یہ بہت پاکیزہ محبت تھی اس میں ہوس کا شائبہ تک نہ تھا۔ تاہم یہ تعلق خاطر یکطرفہ تھا۔ میں ہی اس آگ میں جل رہا تھا۔ دوسری طرف پتا بھی نہ تھا کہ مجھ پر کیا قیامت گزر رہی ہے۔ پہلے چار سال اسی گومگو کے عالم میں گزر گئے پھر میں نے اس لڑکی کو اپنے حال دل سے باخبر کر دیا لیکن وہ خاموش ہوگئی۔ نہ تو نہیں کی نہ ہاں مگر اس کی خاموشی سے میرے جذبہ محبت میں کمی نہ ہوئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اضافہ ہی ہوگیا اور حالت یہ ہوگئی کہ کسی سے گفتگو کر رہا ہوں کہ بے ساختہ ''ع'' کا نام زبان پر آ گیا ایک سال پہلے کا ذکر ہے کہ میں نے اس لڑکی سے محبت کی 'بھیک' مانگی مگر اس نے پھر انکار کر دیا۔ یہ دوسری ناکامی تھی میں نے پھر بھی شکوہ نہ کیا اور صبر وشکر کے ساتھ مستقبل کا انتظار کرنے لگا۔ ''ع'' میرے گھر کے برابر رہتی تھی اور رہتی ہے اب میں عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں ایک طرف تو چھ مہینے سے وہ خواب کی لڑکی غائب ہے اور دوسری طرف ''ع'' کی بے اعتنائی کا عالم وہی ہے گویا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

یہ تو حالت ہے میری مایوسیوں اور خرابیوں کی! بایں ہمہ دوستوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہوں۔ میرے فیصلے کو حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔ رائے کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے میں تھوڑا

بہت نفسیات شخصیت بنی اور دست شناسی میں بھی دخل رکھتا ہوں اور میری ان نام نہاد صلاحیتوں سے لوگ کہتے ہیں کہ انہیں فائدہ بھی پہنچا ہے لیکن اپنے معاملے میں بے بس ہوں۔ اس معاملے پر سوچنے بیٹھتا ہوں تو ذہن "کمپیوٹر" کی طرح کام کرنے لگتا ہے سوچنے کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ بعض اوقات چپ لگ جاتی ہے گھر والے کہتے ہیں کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔

کچھ کر دیا ہے

الف الف قریشی کی سوچ بچار کا خاتمہ اس فقرے پر ہوا ہے کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے یعنی جادو کرا دیا ہے۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ کسی نے کوئی جادو نہیں کرایا۔ بلکہ وہ خود اپنے جذبات سے مسحور ہو کر رہ گئے ہیں اس تمام واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ بچپن سے وہ "ع" کے دام محبت میں اسیر تھے لیکن "ع" نے کبھی ہمت افزائی نہیں کی اور شروع ہی سے محبت کا یہ جذبہ یکطرفہ رہا۔ یہ صورت حال ذہن کے لئے سخت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اگر محبت کا جواب محبت' خلوص کا جواب خلوص اور سپردگی کا جواب سپردگی سے نہ ملے تو انسان کی خود اعتمادی اور عزت نفس کو زبردست ٹھیس لگتی ہے۔ الف الف قریشی کا

دل وہاں آیا جہاں امکان دلداری نہ تھا

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ع کے تغافل۔ بے رُخی اور سرد مہری سے وہ کس کشمکش اور کرب میں مبتلا ہو گئے ہوں گے۔ اس کی تلافی ذہن نے اس طرح کی کہ خواب میں ایک لڑکی سے ان کا تعارف کرا دیا۔ کیا عجیب و غریب تلافی ہے۔

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی ؟

خواب و بیداری دونوں حالتوں میں ذہن قانون تلافی پر عمل کرتا ہے یعنی جو چیز بیداری میں نہیں مل سکتی اسے خواب میں حاصل کر لیتا ہے۔ پیاسے کو میٹھے پانی اور بھوکے کو لذیذ کھانوں کے خواب نظر آئیں تو کیا عجب ہے؟ الف الف عملی زندگی میں ع کے حصول میں ناکام رہے تو انہوں نے یعنی ان کے ذہن نے ایک فرضی ع کا پیکر تراش لیا۔ جو خواب میں نظر آتا اور ان کی

محرومیوں کی کسی قدر تلافی کر دیتا۔ الف الف قریشی نے خود لکھا ہے کہ وہ اس محبوبہ خواب یا خیالوں کی شہزادی سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ اگر چند روز وہ خواب میں نظر نہ آتی تو بے چین ہو جاتے۔ زندگی دوبھر ہو جاتی۔ انسانی نفس بڑا ڈراما ساز ہے یہ ایسے عجائبات کو جنم دیتا ہے کہ ان کا تصور محال ہے۔ ولایت سے لے کر خباثت تک۔ وحی و وجدان سے لے کر وہم و ہذیان تک یزداں سے لے کر اہرمن تک فکر و عمل کے جتنے زادیے اور پہلو ہو سکتے ہیں انسانی نفس ان سب کے مظاہرے پر قادر ہے ہر مہیج کے جواب میں وہ ایک نیا طرز عمل اختیار کرتا ہے اسی طرح تو انسانی کردار کی تشکیل ہوتی ہے مثلاً جنسی مہیج (کوئی ایسی تحریک جو جنسی جبلت کو بیدار کردے) ہے۔ جنسی مہیج کے مقابل نفس انسانی کا طرز عمل کچھ اور ہوگا اور تشدد کے جواب میں کچھ اور! ہر خواب خواہ وہ کتنا ہی مہمل اور نا قابل قیاس کیوں نظر نہ آئے ایک معنی رکھتا ہے ایک خاص پیغام! جس طرح باہر کی دنیا میں علت و معلول (یعنی بارش کا سبب بادل) کا قانون کارفرما ہے اسی طرح اندر کی دنیا میں بھی اسی قانون کا چلن اور اسی سکے کا رواج ہے اسی قانون کی روشنی میں الف الف قریشی اپنا تجزیہ کریں۔

تجزیے کا نچوڑ

تجزیے کا نچوڑ یہ ہے کہ الف الف قریشی بیداری میں ''ع'' کو حاصل نہ کر سکے انہوں نے خواب میں ''ع'' کو حاصل کر لیا۔ رہی یہ بات کہ خوابوں کے ابتدائی مناظر میں وہ بچی نظر آتی تھی اور رفتہ رفتہ بڑی ہونے لگی۔ یا لڑکی کا ان کی طرف چل کر آنا یا اس کا یہ فقرہ کہ

''میری مدد کرو۔ میں بڑی مصیبت میں ہوں'' یہ سب کچھ نفس انسانی الف الف قریشی کے ذہن کی ڈراما سازی ہے۔ ہم بیداری ہی میں تشبیہوں استعاروں اور مبالغہ آفرینیوں سے کام نہیں لیتے۔ خواب میں بھی کام لیتے ہیں۔ سوتے جاگتے میں ذہن تو ایک ہی رہتا ہے بدل تو نہیں جاتا الف الف قریشی نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ وہ احباب میں مقبول ہیں اور معقولیت پسندی کی بنا پر ان کی رائے کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہ مجھے بھی ان کی ذہانت پر اعتماد ہے یہ خواب درحقیقت

الف الف قریشی کی ذہانت ہی کا کرشمہ ہے وہ جس لڑکی کو خواب میں دیکھتے تھے اس کا نام عائشہ بتلا یا گیا ہے اور بیداری میں جس سے تعلق خاطر ہے اس کے نام کا پہلا حرف بھی ''ع'' ہے۔ عائشہ بھی عین ہی سے شروع ہوتا ہے۔ گویا سونے میں بھی ان کا واسطہ ع ہی سے پڑتا ہے جاگتے میں بھی ۔ وہ اسی نقطہ نظر سے اپنے حالات کا جائزہ لیں آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ الف الف قریشی نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت سلیف کلچر ٹریننگ کورس یا S.C.T کی بعض مشقوں پر عمل کرلیں تو ان کی وہ تمام صلاحیتیں بروئے کار آ جائیں گی جواب تک مدفون اور ان کی بعض الجھنوں کا سبب بنی ہوئی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

عجائب نفس

حصہ دوئم

رئیس امروہوی

ویلکم بُک پورٹ

تحریک اصلاح

اگر چہ آپ نے عالمی ڈائجسٹ کے کسی تازہ شمارے میں قارئین کے خطوط کے بارے میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ بعض اوقات میں خطوط کا مطالعہ کرتے ہوئے (بور اور) بیزار ہو جاتا ہوں۔ (یقیناً اس میں مبالغہ نہیں) تاہم دوسری طرف یہ بات اطمینان بخش ہے کہ آپ نے نئی نسل کی تعلیم و اصلاح کی جو تحریک شروع کی ہے۔ وہ کامیاب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس بات میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کہ آپ کی ہمہ گیر شخصیت نوجوانوں کے لئے ایک اسکول (مکتبہ فکر و عمل) کا درجہ رکھتی ہے۔ میں ذاتی طور پر ایسے نوجوانوں کو جانتا ہوں جو انتہائی درجہ کے شرمیلے اور شدید لا احساس ہیں اور اپنا دکھ درد، تکلیف اور ذہنی پریشانی اپنے ہم پیالہ و ہم نوالہ دوستوں کو بتانا تو ایک طرف، والدین تک کو بھی نہیں بتاتے لیکن وہ صدہا میل سے آپ کو بے تکلفانہ خط لکھتے ہیں اور آپ کو اپنا رہبر، غم خوار، خیر خواہ اور دوست و استاد سمجھ کر آپ کو سب کچھ بتا دیتے ہیں۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان کے دل میں آپ کی کتنی محبت و عقیدت اور ان کی نظر میں آپ کا کتنا اعتماد اور وقار ہے اور وہ آپ پر کتنا بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں کہ آپ کو اپنے قریبی دوستوں، عزیزوں حتیٰ کہ والدین پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا قلب یقیناً یہ بات جان کر پرسکون ہو جاتا ہوگا اور آپ کے تھکے ہوئے وجود کو بلا شبہ ایک گونہ راحت نصیب ہوتی ہوگی کہ صدہا لڑکے لڑکیاں آپ کو اپنا شفیق بزرگ اور ہمدرد رہنما کا درجہ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خطوط لکھ کر آپ کے مشوروں سے مستفید ہوتے ہیں۔ میں عالمی ڈائجسٹ کا مطالعہ بڑے ذوق وشوق سے کرتا ہوں۔ خاص طور پر آپ کے تحریر کردہ (مختلف سوالات کے) جوابات کا مطالعہ کر کے مجھے نفسیات کے مطالعہ کا شوق ہوا۔ پچھلے دنوں ایک انگریز ماہر نفسیات و طبعیات کی ترجمہ شدہ کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کتاب کا عنوان تھا۔ ''گریز نفسیات کے جسمانی پہلو کا مطالعہ'' ممکن ہے کہ آپ میرے سوال

کو فحش سمجھیں اور اس کا جواب دینے سے گریز کریں۔ مگر درخواست یہ ہے کہ اس سوال کا جواب استعارتاً ضرور دیں۔ اس کتاب میں مصنف ایک جگہ تحریر کرتا ہے (میں خلاصہ عرض کر رہا ہوں) کہ بیشتر اشخاص کی سیرت و کردار کا انحصار و دار و مدار انکی کسی جسمانی خوبی پر ہوتا ہے وہ مزید لکھتا ہے کہ مردوں کی شخصیت ان کے اعضائے تولید کی کسی خوبی یا خرابی کے سبب اچھی یا بری بنتی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے بعض اعضاء دوسروں کے مقابلہ میں ذرا کم دراز ہیں تو وہ شخص احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے گا۔ وہ دوسروں سے ملتے ہوئے شرمائے گا۔ گوشہ نشین، غمزدہ اور بددلی کا شکار ہو جائے گا۔ انگریز ماہر نفسیات کا یہ بیان پڑھا تو خیال کیا آپ سے استفسار کروں۔ آپ ممکن ہے اس سوال کو فحاشی پر محمول سمجھیں۔ میں یہ سوال خود اپنی طرف سے اور اپنے دوستوں کی طرف سے کر رہا ہوں۔ از راہ کرم اس سوال کا جواب عالمی ڈائجسٹ کے ذریعہ دیں۔ (ش، م۔ لاہور)

خود اعتمادی

مکتوب نگار نے جن الفاظ میں اس ناچیز کی خدمات کو سراہا ہے اور جس شاندار پیرائے میں میری اصلاحی تحریک کا ذکر کیا ہے۔ ان فقروں کو نقل کرنے کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی تعریف کو دہرا کر جذبہ خود نمائی کو تسکین دوں اور آپ کو بتلاؤں کہ دیکھو دنیا کس کس طرح میری تعریف کرتی ہے۔ اپنی تعریف سن کر خوش ہونا لازمہ بشریت ہے بلی کو چمکارا جاتا ہے تو وہ بھی میاؤں میاؤں کرنے لگتی ہے اور کتے کی پیٹھ کو سہلایا جائے تو وہ بھی دم ہلانے لگتا ہے۔ انسان تو زیادہ ذکی و ذہین جانور ہے اسے اپنی مدح سرائی کیوں پسند نہ آئے گی۔ اپنی تعریف کیوں نہ بھائے گی۔ بنا بریں آپ یہی سمجھ لیں کہ میں نے ش۔م کے خط کے مندرجات کو اپنی خود نمائی کے لئے نقل کیا ہے۔ میں صرف عرض کر سکتا ہوں کہ خود نمائی اپنی جگہ مناسب اور خوشامد پسندی برحق! تاہم اس قسم کے خطوط سے میری خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے اور نفسیاتی علاج معالجہ کی بنیادی شرط خود اعتمادی ہے۔ خود اعتمادی سے ہی خود ارادی پیدا ہوتی ہے۔ نفسیاتی معالج ہو یا نفسیاتی مریض! دونوں طرف خود اعتمادی ناگزیر اور خود ارادی لازمی ہے۔ ش۔م نے ایک انگریز نفسیات داں کا قول نقل کیا ہے کہ

انسان شخصیت پر جسمانی ساخت خصوصاً اعضائے نسل آفرینی کی بناوٹ اور وضع قطع بے حد اثر انداز ہوتی ہے اور اس اثر اندازی کا سبب یہ وہم اور مغالطہ ہے کہ جسم کی بناوٹ ذہن کی ترتیب پر اثر ڈالتی ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

جنسیات کے سلسلے میں ایک نکتہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ جنسی ہیجان اور اس کے عمل کا انحصار اعضاء پر نہیں تصور پر ہوتا ہے۔ آدمی کتنا ہی قوی الجثہ کیوں نہ ہو۔ اگر وہ ذہنی کمزوری میں مبتلا ہے اور اس کے جنسی تصورات وہم آلود ہیں وہ کسی اندرونی خوف میں مبتلا ہے تو اس کے اعضاء کی سنگینی اور سلامتی کوئی کام نہ آئے گی۔ مثلاً ایک پہلوان اس خوف کے ساتھ اکھاڑے میں اترتا ہے کہ آج کی کشتی وہ ہار جائے گا۔ بس یہی اندرونی خوف اس کی شکست کا سبب بن جائے گا۔ میں نے اپنی کتابوں (خصوصاً جنسیات حصہ اول و جنسیات حصہ دوم) میں تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے یہ حقیقت پوری طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ جنسی عمل بنیادی طور پر ذہنی عمل ہے۔ اس عمل میں جسم صرف نفس کے آلہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ شیخ سعدی نے کیا خوب لکھا ہے کہ

بامخنث سلاح جنگ چہ سود

ہجڑے کے لئے جنگی ہتھیار بالکل بے کار ہیں جس چیز کو مردی اور مردانگی (خصوصاً جنسی نقطہ نظر سے) کہا جاتا ہے نہ چیز بدن سے تعلق نہیں رکھتی۔ ذہن سے تعلق رکھتی ہے۔ بے شک جسمانی نقائص سے متاثر ہو کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثلاً چہرے پر چیچک کے داغ، ایک آنکھ کا ناکارہ ہونا (کانڑا پن) اندھا پن، سر کے بال اڑ جانا، غیر معمولی طوالت یا پستہ قدی لیکن یہ سب اوہام ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جسمانی نقائص اکثر حالات میں مزید ترقیوں اور پیش قدمیوں کا سبب بنتے ہیں۔ نہ کہ حساس کمتری اور پسپائی کا، استاد ذوق کے چہرے پر چیچک کے معمولی نشان تھے۔ اور بقول مولانا محمد حسین آزاد (مصنف آب حیات) بڑے بھلے لگتے تھے۔ اگر استاد ذوق چہرے کی چیچک زدگی کے سبب احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے تو کبھی بھی ''استاد شہ'' نہ قرار پاتے۔ رنجیت سنگھ کانا تھا۔ شیر پنجاب کہلایا، رودکی اندھا تھا۔ فارسی شاعری کا باوا آدم ٹھہرا۔ قائد اعظم کی

پستہ قدی تاریخی شہرت رکھتی ہے بقول وزیراعظم بھٹو وہ سیاسی اور جنگی اعتبار سے ''جی نیئس'' واقع ہوا تھا۔ مجھے تو مشاہیر عالم کی طویل قطاروں میں کوئی شخص بھی ایسا نظر نہیں آیا۔ جو جسمانی انسان طور پر ہمہ صفت موصوف ہو۔ مختصر یہ کہ اندھا پن' گنجا پن (گنجا ہونے کو تو علم وفضل کا نشان سمجھا جاتا ہے) کانڑا پن، بونا پن، دبلا پن، لمبا پن (جیسے قیصر ولیم آف جرمنی) اور لنگڑا پن (جیسے تیمور لنگ) الغرض کوئی بدنی عیب انسان کی ذہنی و دماغی ترقی کے راستے میں حائل نہیں ہوسکتا۔ یہی حال اعضائے نسل آفرینی کا ہے۔ ان کی ضخامت' حجم (سائز) اور قد وقامت بالکل ثانوی اور ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل شے ہے ذہنی رویہ اگر جنس کی طرف آپ کا ذہنی رویہ طفلانہ ہے۔ اگر آپ اس سلسلے میں غلط تربیت اور سنی سنائی روایتوں کے سبب جو نفس میں جڑ پکڑ کر پختہ ہو جائیں۔ کسی نفسیاسی کمزوری، کسی اندرونی خوف، کسی احساس کمتری اور کسی وہم میں مبتلا ہیں تو آپ جسمانی طور پر کتنے ہی چست وچالاک اور چاق وچوبند کیوں نہ ہوں ممکن نہیں کہ آپ جنسی طور پر کامیاب ہوسکیں۔ شخصیت کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار جسم پر نہیں ذہن پر ہے۔ انسانی زندگی کو کنٹرول کرنے والی طاقت بدن اور اس کی بناوٹ نہیں بلکہ ذہن اور اس کی ذہانت ہے۔ یہ بات تمام نوجوانوں کو یاد رکھنی چاہیئے۔

نئی نسل کے مسائل

اب آیئے ذرا نوجوان نسل کے مسائل پر ایک نظر ڈالیں۔ دنیا کے ہر گوشے اور تاریخ کے ہر عہد میں نوجوان نسلوں کے مسائل یکساں رہے ہیں۔ جب وہ بچپن کی حدود سے نوجوانی کی سرحدوں میں قدم رکھتے ہیں تو ایک نئی قوت ان کے جسم وجان میں دوڑ جاتی ہے۔ نوجوانوں کا پورا وجود دوررس اور بنیادی تبدیلیوں سے گزرتا ہے اور ان کے نفس میں شہوت کا اژدہا پھنکارنے لگتا ہے ۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ نوجوانوں کے خوابوں اور خیالوں میں انقلابی شان پیدا ہوجاتی ہے جنسی ہیجان طرح طرح کے روپ دھارتا ہے۔ بہت سے نوجوانوں کو خود اپنے جسم سے کھیل کر لذت حاصل کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ یقیناً خود لذتی ایک بے ضرر عادت ہے البتہ وہم کی شدت

اور تخیل کی کرشمہ آرائی اس عادت کومہیب مشغلے کا المناک روپ دے دیتی ہے کہ ہم ایک ایسا گنہ کر رہے ہیں جس کی سزا میں فرشتے گرز لے کر ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ جہنم کے ساتوں طبق ہمارے لئے کھولدئے جائیں گے اور نہ جانے کیا کیا ہوگا۔ نوجوان خدا سے ترک عادت اور "نیک و پارسا" بن جانے کی دعائیں مانگتے ہیں! در جب دعائیں پوری نہیں ہوتیں۔ تو انکی مایوسیاں اور بیزاریاں قابل دید ہوتی ہیں۔ ان پر مایوسی، بیزاری اور محرومی کے دورے پڑتے ہیں۔ دماغ بوجھل اور ذہن کند ہو جاتا ہے۔ جی اڑا اڑا سا رہتا ہے کسی کام میں طبیعت نہیں لگتی۔ کبھی کبھی تنہائی اور گوشہ نشینی کو جی چاہتا ہے تنک مزاجی پیدا ہو جاتی ہے۔ درحقیقت اس کا سبب یہ ہے کہ جنس اور جنسیات کے بارے میں انہیں بہت ادھورا علم حاصل ہوتا ہے۔ اس ضمن میں انکی معلومات بے حد گمراہ کن ہوتی ہیں وہ جنسی اعضا کے بارے میں مضحکہ خیز عقائد رکھتے ہیں۔ کاش انہیں معلوم ہوتا کہ جنسی عمل؛ ذہن سے سرزد ہوتا ہے جسم سے نہیں۔ جسم کی حیثیت معمول کی سی ہے۔ اصل شے ہے صاف، واضح اور قطعی تصور (کہ جنس کیا ہے اور کیا نہیں)

یاد رکھیئے

ہر دس بارہ سال کے بچے کو معلوم ہونا چاہئے۔ بتا دینا چاہئے کہ اسے جذباتی کشمکش کے ایک شدید ترین دور سے گزرنا ہے۔ جوانی کی چنگاری سلگتے ہی ایسا لگے گا کہ تمام جسم و جان میں آگ سی لگ گئی ہے وہ اس آتش بے محابا کو دبانے کی جتنی کوشش کریں گے یہ آگ اتنی ہی بھڑکے گی۔ بسا اوقات اس عہد شباب یا اس عہد انقلاب میں حسن و عشق کا تصادم ہوتا ہے اور بہت سے ناکام اور کمتر کامیاب معاشقوں کی نیو اسی زمانے میں پڑتی ہے۔ نوجوانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ شباب کا زمانہ انقلاب کا زمانہ ہے، انحراف کا زمانہ ہے۔ بغاوت کا زمانہ ہے۔ سرکشی کا زمانہ ہے۔ عہد جوانی میں وہ تمام تصورات وہ تمام عقائد اور وہ تمام روایات انہیں بے معنی اور بے جان نظر آنے لگیں گی جو آباء و اجداد سے ورثے میں ملی تھیں۔ یہ ایک عارضی دور ہے۔ رفتہ رفتہ جوانی کی دیوانگی، سنجیدگی اور فرزانگی میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ وحشت کے بجائے معاشرے سے انس اور رومانی محبت

کے بدلے حقیقت پسندی پیدا ہونے لگتی ہے۔ بیس، بائیس سال کی عمر کے بعد نفس میں پختگی اور سنجیدگی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ یہ تمام حقیقتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ان تمام باتوں کو یاد رکھئے۔ ش۔ م اور ان کے تمام دوستوں کو جان لینا چاہئے کہ عمل تولید صرف ذہنی آمادگی (مکمل اور بھرپور کا نام ہے۔ کسی عضو کی کجی۔ ساخت کی بدہیتی اور قد اسکی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ احساس کمتری ایک نفسی کیفیت ہے۔ اگر بچوں کی تربیت غیر دانشمندانہ طریقہ سے کی جائے۔ ان کی ابھرتی ہوئی شخصیت کو نظر انداز کر دیا جائے اور برسر عام ان کا مذاق اڑایا جائے تو یقیناً رفتہ رفتہ وہ احساس کمتری زندگی میں تمام تر کامیابیوں اور کامرانیوں کا پیش خیمہ بھی ہے۔ احساس کمتری و محرومی ایک ایسی قوت محرکہ (آگے دھکیلنے والی قوت ہے) کہ رکے ہوئے قدموں کو مزید فتوحات کی طرف بڑھاتی اور بجھی ہوئی طبیعتوں کو جوش میں لاتی ہے۔ زندگی کے مختلف میدانوں (سیاست 'ادب' شعر' سائنس' تجارت' ایجادات' علم' تحقیق صنعت وغیرہ) میں جتنے لوگوں نے عظیم الشان کامیابیاں اور نمایاں سرفرازیاں حاصل کی ہیں۔ وہ عمر کے ابتدائی مرحلے میں کمتری اور محرومی کے احساس سے ضرور دوچار رہے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں تلافی کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی جس کا کچھ کھویا نہ گیا ہو۔ وہ کیوں کسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ نقصان کی تلافی تو وہی چاہے گا۔ جو ضرر رسیدہ ہے سچی بات یہ ہے کہ احساس کمتری ضرر رساں نہیں فائدہ رساں ہے۔ شرط یہ ہے کہ تم حقیقت پسند ہو اور جذبات پر تمہاری عقل کو غلبہ حاصل ہو!

حشر کے دن

زندگی میں پہلی بار آپ سے مخاطب ہوں۔ اگر آپ نے میرے خط کا جواب نہیں دیا تو میں حشر کے دن آپ کا دامن پکڑوں گی۔ آپ مجھے ایک بزرگ اور رہنما دوست کی حیثیت سے بتائیے کہ "ل" کا ٹرانسفر یہاں سے کب تک ہوگا۔ اور ہاں میں بھولے سے "خ" سے محبت کر بیٹھی حالانکہ میں محبت کی سخت مخالف ہوں پھر بھی اقرار کر لیا۔ یہ بتائیے کہ "خ" مجھ سے پہلے بھی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا مگر اس لڑکی نے مجھ سے دھوکا کیا اور میرا دل اس سے بیزار ہو گیا۔ تو کیا یہ سچ ہے کہ

پہلے بھی اس نے کسی لڑکی سے محبت کی ہے اور اس لڑکی نے ''خ'' کے رشتے کو ٹھکرا دیا؟ کیا ہم دونوں کا ملاپ ممکن ہے؟ کیا ''خ'' بزدل ہے؟ حالات کی وجہ سے مجبور ہے۔ میرے ساتھ کوئی دھوکہ تو نہیں کر رہا حالانکہ اس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔ اس کے کردار سے فریب کاری کا اظہار نہیں ہوتا۔ ویسے تو شروع میں سب ہی مجنوں ہو جاتے ہیں لیکن ان کا اصل روپ تو بعد کو نظر آتا ہے۔ پلیز مجھے مشورہ دیجئے۔ میری رہنمائی کیجئے مگر میں ابھی اس حد تک آگے نہیں بڑھی کہ (باز گشت) واپسی مشکل ہو جائے اگر ''خ'' میرے ساتھ فلرٹ کر رہا ہے تو خدارا مجھے بتا دیں۔ تا کہ میں ابھی سے کنارہ کشی کر کے تباہی سے بچ جاؤں۔ ایسا نہ ہو کہ اس دھوکہ بازی کا پتہ اس وقت چلے جب پانی سر سے گزر گیا ہو میں ان لڑکیوں میں سے نہیں کہ جس لڑکے نے ذرا سی لفٹ دی۔ اسی پر لٹو ہو گئیں۔ میں جب تک ہر بات کے متعلق مکمل اطمینان حاصل نہ کر لوں۔ پوری طرح مطمئن نہ ہو جاؤں اس وقت تک بے چین رہتی ہوں۔ میں نے دانستہ اپنا اور خ اور ل کا نام نہیں لکھا کیونکہ آپ کا مشاہدہ اتنا وسیع اور گہرا ہے کہ آپ کو ہمارے نام معلوم ہو گئے ہوں گے۔ آپ سے کچھ چھپانا بیکار ہے مگر کیا کروں میں ایک مشرقی لڑکی ہوں۔ اس لئے نام لکھنے سے گریز کر رہی ہوں۔ عین ممکن ہے کہ خط کسی غیر کے ہاتھوں میں پڑ جائے۔ یہ بھی بتا دیجئے کہ مجھے بدنام کرنے سے ''ل'' کا کیا مقصد ہے؟ کیا وہ واقعی بہت خطرناک ہے اور اب وہ مزید بدنام کیوں کرنا چاہتا ہے۔ آخر وہ میرے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔

(ص۔ک)

بھولی اور سیدھی

بی بی! تم واقعی بہت بھولی ہو اور سیدھی ہو۔ تم نے جو سوالات کئے ہیں۔ (1) ل کا تبادلہ (ٹرانسفر) کب تک ہوگا۔ (2) کیا خ کی محبت سچی ہے۔ (3) ل مجھے کیوں بدنام کرنا چاہتا ہے۔ (4) کیا خ سے ملاپ ہو جائے گا۔ (5) ان سوالات کا تعلق نفسیات کے فن سے نہیں علم ''غیب'' سے ہے اور غیب کا علم صرف خدا کو ہے۔ بے شک میرا مشاہدہ بہت وسیع ہو گیا ہے (گہرا

ہو یا نہ ہو چوڑا ضرور ہے) کیوں کہ میں لوگوں کی ذہنی الجھنوں اور زندگی کی عام مشکلات کے بارے میں ایک لاکھ سے زائد خطوط پڑھ چکا ہوں۔ تاہم مشاہدے کی وسعت اور کثرت، غیب کی باتیں بتانے کا جواز نہیں بن سکتی۔۔۔ نفسیات دانی دوسری چیز ہے غیب دانی کچھ اور ہے ''ل'' کا تبادلہ کب ہوگا؟ اس کا علم خدا کو ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ''خ'' تم سے فلرٹ کر رہا ہے۔ بی بی تم اس قدر سادہ لوح ہو کر تمہارے خیال میں ناموں کے ابتدائی حروف (ص ک ل خ) سے میں تم سب سے اصل نام جان لوں گا۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے ص سے بہت سے نام بن سکتے ہیں۔ صبیحہ، صابرہ، صبا، صبوحی، یہی حال ''ل'' کا ہے۔ یہی ''خ'' کا، پھر کسی کے نام جاننے سے کیا فائدہ؟ میں اس بات کا قائل ہی نہیں کہ محض نام سے کسی کی شخصیت کے بنیادی رجحانات اس کے کردار کی خصوصیات اور اس کے مستقبل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ یا ناموں کے اعداد مثلاً ص کے عدد نوے ہیں۔ انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ سب اوہام اور فضولیات ہیں۔ انسان کی قوت ارادہ کو نہ الفاظ سے پابند کیا جاسکتا ہے نہ اعداد سے۔ یہ ایک بہتا ہوا دریا ہے جو ہر بند اور ہر پشتے کو بہا کر لے جاتا ہے۔ ہماری شخصیت و کردار کا کارساز ہمارا ذہن اور ہمارا انداز نظر ہے اور بس اب آؤ ''خ'' کے مسئلے پر غور کرو۔ میں نوجوان لڑکی اور لڑکے کے درمیان (خصوصیت سے افلاطونی محبت کا جس میں جنسی لذت اندوزی کا میلان نہ ہو) قائل نہیں۔ میں کیا؟ کوئی بھی حقیقت پسند اور ایماندار آدمی مجنوں کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ وہ لیلیٰ کے وصل کا خواستگار نہیں۔ سنو! اس سلسلہ میں ہمارے استاد مرزا غالب کیا کہتے ہیں۔

میں نے کہا کہ دعویٰ الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط
بوس وکنار کے لئے سارا فریب ہے
اظہار پاک بازی ذوق نظر غلط
ہم ڈھونڈتے پھرے کہ جنازہ کدھر گیا

مرنے کی اپنے روز اڑادی ہے خبر غلط

تو بی بی! ہم تو مرزا غالب کی تقلید میں "اظہار پاک بازی ذوق نظر"

میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں۔اور عمر بھر تمہارا بندۂ بے دام رہوں گا۔کے قائل ہی نہیں۔ "خ" کی محبت بے غرض نہیں۔اگر بے غرض ہے۔تو وہ سیدھے سادے طور پر تمہارے والدین سے شادی کی درخواست کرے۔تم شادی کے لئے "خ" پر زور ڈالو اور عقد شرعی کے بغیر ہرگز اپنے دوست کے پاس نہ جاؤ ورنہ تمہیں اے عزیزہ! اے ص ک، پچھتانا پڑے گا۔یہ عاشق لوگ بڑے ستم پیشہ ہوا کرتے ہیں۔دنیا محبوبوں اور معشوقوں کی بے وفائی کا نوحہ کرتی ہے اور میں عشاق ہوس پیشہ اور ایک لاکھ عاشقوں میں شاید ایک آدھ ایب نارمل انسان کو عاشق صادق کہا جاسکتا ہے۔کی چالاکیوں اور شعبدہ بازیوں پر حیران ہوتا ہوں کہ یہ ظالم حسینوں کو پھانسنے کے لئے کیا کیا روپ بہروپ بھرتے ہیں۔

جوگی کا برن ہم نے لیا یار کی خاطر

یادرفتگان وسرگزشت زندگی

اس عنوان سے لکنت کے ایک مریض نے اپنی داستان لکھی ہے اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔6 مئی کے خط میں لکھتے ہیں کہ

آج میں اپنے کو سرد ہوا کا بے کس و بے بس جھونکا محسوس کر رہا ہوں۔وہ جھونکا جو ویران جنگلوں میں درختوں کی چوٹیوں سے ٹکرا کر سرسراہٹ پیدا کرتا بلکتا اور سسکتا ہوا کاروان منزل سے بچھڑتا ہوا۔انجان اور گمنام راستوں کی طرف رواں دواں ہے۔بالکل تنہا جس کا کوئی پرسان حال نہیں۔ آج میں درد کی لہروں میں ڈوبا، ہوا خود کو ایسے بدنصیب پنچھی کی طرح پاتا ہوں۔جو کہیں سکھ کا سانس بھی نہیں لے سکتا۔"

اس شاعرانہ تمہید آرائی کے بعد صاحب خط یعنی لکنت کے مریض رقمطراز ہیں کہ

اب اپنا پاسباں نہ کوئی اپنا ہمسفر

منزل ہماری کس کو خبر کتنی دور ہے

7 مئی 1975ء

آج صبح اُٹھتے ہی میرا ذہن کچھ پریشان سا تھا۔ دراصل میں تبدیلی نام کے سبب کچھ متردد تھا۔ میں خود تو لکنت کے سبب بات نہیں کرسکتا۔ سوچا چلو کسی سے کہہ دوں گا کہ تم میرے بدلے بات کرلو۔ چنانچہ محلہ میں ایک شخص کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ سرگودھا بارڈ میں سکریٹری کے دفتر کو فون کرلے اس نے عذر پیش کردیا کہ فون خراب ہے پھر ایک دوست کے پاس گیا وہ بہت مصروف تھا پھر فون پر بات کرنے کی التجا لے کر تیسرے دوست کے پاس گیا۔ وہ موجود نہ تھا۔ پھر یہ غمزدہ مریض لکنت لکھتے ہیں کہ

اب میں کمرے میں اکیلا لیٹا ہوا اپنی بے بسی اور بے کسی کا ماتم کررہا ہوں۔ واہ اے قادر مطلق کہتے ہیں کہ تو بڑا رحیم و کارساز ہے۔ کیا تو مجھے نطق (بولنے) کی نعمت نہیں دے سکتا اور آسمان والے کیا تو میری زبان کی گراہیں کھولنے سے قاصر ہے۔ کیا تو نہیں چاہتا کہ میں دنیا کے سامنے اپنے کچلے ہوئے جذبات کا اظہار کروں۔ اگر تو مجھے نطق کی دولت سے مالا مال نہیں کرسکتا تو پھر گویائی کی باقی ماندہ طاقت بھی چھین لے۔ اپنا جیون واپس لے لے۔ اب یہ بوجھ مجھ سے نہیں اُٹھایا جاسکتا۔ کسے معلوم کہ اس لکنت نے کس طرح میری زندگی کی رونقیں چھین لی ہیں۔ زبان کی معذوری نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ ان مظلوم دوست نے اپنے غم نامے کا اختتام ان اشعار پر کیا ہے۔

مرے لبوں کے تبسم سے لوگ یہ سمجھے
کہ زندگی میں بہت کامراں ہوں اور شاداں
مگر کسی نے ان آنکھوں میں جھانک کر دیکھا
کہ اُٹھ رہا ہے یہاں کیسا حسرتوں کا دھواں

☆☆☆☆☆

معجزنما الفاظ

کیا تحریر سے اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ ایک شاعر مزاج انسان کا خط ہے مکتوب نگار نے ''لکنت'' کو اپنی تمام محرومیوں' مایوسیوں اور معذوریوں کا سبب قرار دیا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس باب میں انصاف اس مظلوم کی طرح ہے' انسان صرف زبان کے ذریعہ اپنے ابنائے جنس یعنی معاشرے سے رابطہ قائم کرتا ہے دو آدمیوں کو ملانے کا سب سے موثر طریقہ نطق اور صرف نطق ہے۔ انسانی تعلیم مذہب اور تاریخ کی بنیاد لفظ کی سطح پر استوار ہے۔ واقعی لفظ کی طاقت معجز نما طاقت ہے۔ آدمی گونگا ہو جائے تو تاریخ و تہذیب کا سارا کارخانہ ٹھپ ہو جائے میں اپنے نادیدہ اجنبی دوست کی مجبوری و معذوری کی شدت کو محسوس کرتا ہوں۔ اچھا اب حقیقت حال پر غور کریں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ لکنت کوئی جسمانی بیماری نہیں' صرف ذہنی رکاوٹ ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ خوف سے لوگ گھگھیانے لگتے ہیں۔ غصے میں صحیح بات منہ سے نہیں نکلتی۔ شدت جذبات کے ہیجان میں زبان دماغ کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اگر آپ کسی سے مرعوب ہو جائیں تو گفتگو اور عرض حال میں زبان اٹکنے لگے گی۔ لکنت درحقیقت احساس کمتری کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور آدمی دوسروں کے سامنے کھل کر اظہار خیال نہیں کرسکتا۔ لکنت کی جڑیں بچپن کی تکلیف دہ یادوں میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ بچے بولنا شروع کرتے ہیں تو بات بات پر اٹکتے اور تتلاتے ہیں۔ اگر زبان کی اس ''اٹکن'' اٹک جانے پر آپ بچے کو ڈانٹنے لگیں اور بات بات پر گھڑ کیں تو ''بولنے اور بات کرنے'' کے سلسلے میں ایک خاص قسم کا خوف بچے کے نفس (لاشعور) میں جاگزیں ہو جائے گا۔ لکنت کی ابتداء درحقیقت ناجائز روک ٹوک سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ذہن کی یہ گرہ شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے اور آدمی دوسروں کے سامنے بولنے چالنے سے معذور ہو جاتا ہے لکنت کا علاج صرف احساس کمتری سے نجات پانا ہے۔ احساس کمتری سے نجات پائے بغیر آپ اس تکلیف دہ عادت پر غالب نہیں آسکتے۔

آہ بے غیرتی

میرے والد کو ہمیشہ خوبصورت چیزوں سے لگاؤ رہا ہے۔ میری ماں بے حد حسین عورت ہے۔ والد بزرگوار کو ماڈرن انگریز ٹائپ کی عورتوں سے دلچسپی تھی انہوں نے میری ماں کو شادی کے بعدا ن کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی بال کٹوائے' ٹانگیں ننگی کرائیں۔ یعنی فراک پہنائی ،سوسائٹی سے متعارف کرایا۔ ڈرنک کروائی۔ آپ نے شائد تہذیب نامی پاکستانی فلم دیکھی ہو کہ کس طرح ہیرو نے اپنی خوبصورت اور شریف بیوی کو مغربی کلچر سے روشناس کرایا۔ نتیجہ یہ ہوا بیوی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اور شوہر اس کے غم میں پاگل ہوگیا۔ بیوی نے خودکشی کرلی۔ ہماری ماں کی داستان مختلف ہے۔ ان کی دوستیاں مختلف افراد سے ہوتی رہیں۔ اور والد بزرگوار سب کچھ دیکھتے رہے۔ یہی نہیں انہوں نے ماں کی جسم فروشی سے عہدے' روپے اور نہ جانے کیا کیا حاصل کیا۔ آہ بے غیرتی! ان معمولی واقعات کے سبب ہم شہر بھر میں بدنام ہوگئے۔ باپ بہت ظالم وجابر انسان تھا۔ اس نے ماں پر بے تحاشہ ظلم ڈھائے۔ اف! میں کیا کیا واقعات بیان کروں؟

شقی القلب اپنی بیوی کو انگریزی لباس پہنا تا دوستوں کے سامنے رقص کراتا۔ شرابیں پلاتا اور اگر وہ انکار کرتیں تو بری طرح مارتا۔ الغرض وہ غریب عورت (آہ میری ستم رسیدہ آفت دیدہ ماں) سماج کے ہاتھ میں کھلونا بن گئی تھی۔ والدین کی شادی کے سات سال بعد میری ولادت کا حادثہ پیش آیا۔ اسی اثناء میں میری ماں کی ایک شخص ''ف'' سے دوستی ہوگئی۔ دونوں ایک دوسرے کو بے حد پیار کرتے تھے۔ جب ''ف'' کی بیوی کو پتہ چلا تو اس نے اپنے شوہر کا تبادلہ کسی اور شہر میں کرادیا۔ اور اس کے پشاور (جہاں ہمارا قیام تھا) آنے پر پابندی لگادی۔ پھر بھی ماں کی سال دو سال بعد ''ف'' سے ملاقات ہوجاتی۔ اسی اثناء میں ''ف'' کا ایک کزن ''ج'' ہمارے گھر آنے لگا اور اس نے ماں سے رشتہ محبت استوار کرلیا۔ غرض یہ سلسلہ جاری رہا۔ میرا باپ جو فرمائش کرتا اسے ''ج'' پورا کرتا۔ لڑائیاں ہمارے ماں باپ میں ہمیشہ کی ہیں۔ کئی دفعہ باپ نے ماں کو طلاق دی اور پھر اسے گھر میں رکھ لیا۔ جب ہماری

تبدیلی لاہور ہوئی ۔اس وقت میری عمر تیرہ سال کی تھی ۔ میں سب بہن بھائیوں میں بڑی ہوں ۔ یہی ڈرامے یہاں بھی ہوتے رہے ۔ ماں ہمیں بے حد چاہتی تھی اور باپ ہم بہن بھائیوں سے نفرت کرتا تھا۔ماں اس بات کا بڑا شکر ادا کرتی تھی کہ خدا نے اسے بڑی نیک اولاد عطا کی ہے۔ہم بہن بھائی پانچ وقت کے نمازی تھے۔باقاعدہ تلاوت قرآن کرتے تہجد تک قضا نہ ہونے دیتے تھے۔لوگ اپنی اولاد کو ہماری مثال دیتے تھے۔غرض ہر خوبی ہم میں موجود تھی۔

تباہی کا آغاز

جب میں دسویں جماعت میں پڑھتی تھی تو ایک ہم محلہ لڑکا مجھ میں دلچسپی لینے لگا۔اور رفتہ رفتہ میں بھی اپنے کو بچاتے بچاتے اس لڑکے سے مانوس ہوگئی۔ ہمارے درمیان خط وکتابت جاری رہی ۔ وہ میری بے حد عزت کرتا ہے اور شادی کا خواہشمند ہے۔ میری ماں کی خواہش تھی کہ میں آئندہ چل کر ڈاکٹر بنوں ۔ میں خاصی لائق ہوں ۔ ہمیشہ اچھی پوزیشن میں پاس ہوتی ۔میٹرک میں فرسٹ ڈویژن لی اور ایف ایس سی میں سیکنڈ ماں کو بہت افسوس ہوا۔خیر عرض یہ ہے کہ جب میں ایف سی میں تھی تو میرے باپ کا ایک انگریز عورت سے چکر چلا اور انہوں نے اس سے شادی کرلی۔والد صاحب معہ اپنی بیاہتا بیوی کے پشاور چلے گئے۔اور ہم لاہور میں رہ گئے ۔ یہاں ابو کے ایک دوست نے ہمیں اپنے ساتھ رکھا اور ہمارا خرچ برداشت کرتا رہا اور ماں سے اس کی قیمت وصول کرتا رہا اتفاق سے اس کا کاروبار بگڑ گیا اور ہم پھر بے یارومددگار رہ گئے ۔ان ہی دنوں امی پشاور گئی ہوئی تھیں ۔ وہاں ان کی اپنے پرانے عاشق ''ف'' سے ملاقات ہوگئی۔امی نے ''ف'' سے تمام داستان غم بیان کی انہوں نے کہا کہ میں ہر خدمت کو تیار ہوں ۔ماں نے کہا کہ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری لڑکی لاہور میں پڑھتی ہے آپ اس کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے لگیں ۔''ف'' نے ہامی بھرلی اور اس طرح ایک طویل اور پیچیدہ نفسیاتی جدوجہد کے بعد ماں کا دوست ''ف'' بیٹی کا

پرستار بن گیا۔ رفتہ رفتہ میری والدہ کو ان پوشیدہ اور پراسرار تعلقات کا علم ہو گیا اور ماں بیٹی کے درمیان شدید کشیدگی پیدا ہو گئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مجھے گھر سے نکلنا پڑا۔ ماں نے چلتے وقت کہا کہ

اب نہ صرف توبہ کے دروازے بلکہ اس گھر کے دروازے بھی تم پر بند ہو گئے ہیں۔ اب کبھی واپس نہ آنا۔ اب میری ذہنی کیفیت یہ ہے کہ ہر لمحہ جہنم کی آگ میں جل رہی ہوں۔ ہر طرف اندھیرا ہے۔ دور دور تک اجالے کی کرن نظر نہیں آتی۔ میں نے اپنے کو دھوکہ دیا۔ اور خدا کو بھی دھوکا دے رہی ہوں مجھے خدا کی ذات پر اعتماد ہے لیکن میں اس کی رحمت سے مایوس ہوں۔ مجھے اس ذہنی عذاب سے بچائیں۔ میں اس کالی کلوٹی اندھیری رات کی طرح ہوں جس پر کسی نے سفید چادر ڈال دی ہو۔ جس دن یہ چادر اُٹھ گئی۔ میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ میرے خاندان کی نیکی اور شرافت کا اعتبار اُٹھ جائے گا۔ گھر والے مجھے فرشتوں سے زیادہ معصوم اور پاکیزہ سمجھتے ہیں۔ (کیوں کہ "ف" سے میرے اور میری ماں کے تعلقات کا راز مجھے معلوم ہے یا میری ماں کو) میں کیا کروں؟ مجھے سہارا دیں۔ مجھے تباہ ہونے سے بچایئے۔ میرا کوئی نہیں، جسے میں اپنا دکھ درد سنا سکوں۔ ذہن پر ہر لحظہ خوف سا طاری رہتا ہے۔ رات کو بظاہر نیند ضرور آتی ہے۔ مگر دماغ جاگتا رہتا ہے میرا ذہن مجھے ڈراتا ہے۔

بھوت بن کر مجھے ڈراتی ہیں
میری نا آفریدہ تخلیقات

میں سو نہیں سکتی، کوئی کام نہیں کر سکتی، صحت تباہ ہو گئی ہے۔ میں اپنا قصور مانتی ہوں مگر نہیں میں اپنا قصور نہیں مانتی۔ میں کہتی ہوں کہ اس لغزش کی ابتداء ماں سے ہوئی اور پھر ہم دونوں پھسلتے چلے گئے۔ دونوں ماں اور بیٹی دوزخ کے گڑھے میں جا گرے۔ ماں "ف" کے متعلق سب کچھ جانتی تھی۔ اس نے کیوں مجھے اتنی آزادی دی۔ خدارا یا حضرت مجھے اس روحانی اور ذہنی عذاب سے بچایئے۔۔۔ زندگی بھر دعائیں دوں گی۔

(ایک گناہ گار لڑکی)

گناہ گار نہیں

تمہارا تردد بجا ہے۔ مگر تم گنا گار لڑکی نہیں ہو۔ تم مجبور، مظلوم، مایوس اور محروم طبقے سے تعلق رکھتی ہو۔ آج تم جس مشکل میں پھنسی ہوئی ہو اس دام ظلم کے پھندے تمہارے ماحول نے بچھائے تھے۔ تم نے ابتدائی زندگی جن حالات میں بسر کی ہے۔ تمہارے والد نے تمہاری والدہ کو جس راہ پر چلایا جن عادات کا خوگر بنایا۔ تم نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ جو تماشے اپنی نظر سے دیکھے۔ ان کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ کوئی نہ کوئی ''ف'' تمہیں اور تمہاری والدہ کو تباہ کر دے۔ اور تمہاری مظلومیت سے فائدہ اُٹھائے یہ تصادم و پیکار کی دنیا ہے۔ بڑی مچھلی چھوٹی کو نگل جاتی ہے۔ اور خونخوار اژدہا ہزاروں سپنولیوں کو ہضم کر جاتا ہے۔ اگر ''ف'' یا ق یا ک یا کسی اور نے تمہاری اور تمہاری والدہ کی مجبوریوں سے جی بھر کے فائدہ اُٹھایا۔ تمہارا روحانی اور جسمانی استحصال کیا تو جائے تاسف تو ضرور ہے۔ مقام تحیر نہیں' میں تمہیں ہرگز گناہ گار' خطا وار اور سیہ کار نہیں سمجھتا۔ اگر تمہارے بجائے جنت سے کوئی حور بھی اتاری جائے اور اسی طرح اس کی پرورش اور تربیت کی جائے۔ اسے اسی ماحول میں رکھا جائے تو اے لڑکی! وہ گناہ گار تر ثابت ہوگی۔ یہ تو انسان ہی ایسا سخت جان ہے کہ اتنے گناہ آمیز و گناہ انگیز ماحول میں رہ کر بھی اس کے قلب کی آب وتاب اور ضمیر کے سوال وجواب میں کوئی فرق نہیں آتا ۔اگر فرشتے کو اس آزمائش سے گزارا جائے تو ہاروت و ماروت بن جائے۔ وہ بھی تو آخر فرشتے تھے کہ اپنے گناہوں کی پاداش میں چاہ بابل میں اوندھے لٹکائے گئے۔ روایت یہی ہے۔ صداقت کچھ بھی ہو۔ جو کچھ ہو چکا ہو چکا کل صبح جو سورج نکلے گا۔ وہ تمہاری انقلاب پذیر نئی زندگی کا پہلا دن ہوگا۔ تم یہ فیصلہ کرو کہ کل سے مجھے بدل جانا ہے۔ کل ہی سے بدل جاؤ اب تک تم سے جتنی لغزشیں ہو چکی ہیں۔ انہیں اللہ نے بھی معاف کر دیا اور انسانیت نے بھی۔ آج سے تم ایک نئی لڑکی ہو یقیناً ماضی کو فراموش کر دینا ممکن نہیں۔ مجھے معلوم ہے۔ بہت دنوں تک تمہارا ماضی تمہیں ڈستا اور خوفناک یادوں کے شکنجے میں کستا رہے گا۔ یہ سب کچھ ہوگا۔ تم پر

بار بار خوف' اضطراب اور مایوسی کے دورے پڑیں گے۔ ہم اور تم انسانی فطرت کو نہیں بدل سکتے۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ خلش آمیز یادوں سے تکلیف محسوس کرے تو تمہیں بھی بار بار شرمندگی اور روحانی اذیت کا احساس ہوگا۔ تاہم ذہن کے ایک گوشے میں اس تصور کی پرورش کرتی رہو کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو کل تھی۔ دن رات اُٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے' سوتے جاگتے اس فقرے کو دوہراتی رہو کہ ''میں ہر لمحہ بہتر سے بہتر ہوتی چلی جارہی ہوں ۔(خصوصیت کے ساتھ سوتے وقت یہ فقرہ اتنی مرتبہ دوہراؤ کہ دوہراتے دوہراتے نیند آ جائے تم دیکھوگی کہ تم آہستہ آہستہ اندر سے بدل رہی ہو۔ تمہارے وجود میں ایک نئی لڑکی جنم لے رہی ہے جو با اعتماد بھی ہے' باحوصلہ بھی۔ فی الحال اپنی ماں سے الجھنے اور بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سمجھو (سمجھنے کی کوشش کرو۔ اپنے کو سمجھانے کی کوشش کرو کہ ''ف'' نامی کوئی شخص اس دنیا میں موجود نہیں اگر موجود تھا تو اب ختم ہو چکا ہے۔ یقیناً بی بی ! اپنے کو بدلنا آسان نہیں لیکن ناممکن بھی نہیں' سچ مچ میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔ احساس گناہ علامت ہے روحانی پاکیزگی کی !اور تم یقیناً روحانی طور پر گوہر آبدار کی طرح پاکیزہ ہو۔ میں تمہارا روحانی باپ ہوں اور تم مجھ پر سدا بھروسہ کر سکتی ہو۔ اسی خط کے ساتھ ایک گناہ گار کا پوسٹ کارڈ نظر سے گزرا ہے اور باتوں کے ساتھ یہ فقرہ بھی لکھا ہے (حالانکہ سخت بزدل ہوں) لکھتے ہیں کہ کیا یہ خیال نیک نہیں کہ ہم اپنے ڈھکے چھپے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ پر بھروسہ کریں۔ بے شک یہ نیک ہی نہیں الہامی خیال ہے اور میں ہر فرضی گناہ گار (حقیقی گناہ گار تو صرف شیطان ہے) کو یہی مشورہ دوں گا۔

6 ماہ بعد

اچھے دوست رئیس صاحب! ڈھیر سارا خلوص آج چھ ماہ بعد پھر خط لکھ رہی ہوں۔ اس سے پہلے یعنی 6 ماہ پہلے بہت پریشان تھی۔ اور خودکشی کا ارادہ یقینی تھا مگر آپ کے خلوص نے جینے کا حوصلہ دیا۔ آج پھر حد درجہ پریشان ہوں۔ آپ نے لکھا تھا کہ میری تصانیف کا مطالعہ کرو۔ چنانچہ نہ صرف آ

پ کی تصانیف کا مطالعہ کیا بلکہ تنفس نور کی مشق بھی شروع کردی۔ تسلیم کہ آپ کے مشورے کے بغیر شروع کی شادی کے زمانے سے ماہ بنی کا بھی خبط تھا۔ چنانچہ کافی عرصہ ماہ بنی بھی کی مگر وہ زمانہ کالج کا ہنگامہ پرور زمانہ تھا۔ کچھ محسوس نہ ہوا۔ چھوڑ دی! ہاں تو اچھے دوست، تنفس نور کی مشق سے شروع میں تو سخت الجھن ہوئی۔ عجیب شوریدہ سری سوار تھی۔ پھر سکون میسر ہوا۔ اور اس کے بعد مشق کے دوران یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں کسی گھنے تناور درخت کے نیچے بیٹھی ہوں۔ اس سائے میں جو ٹھنڈک تھی۔ اسکی کیفیت بیان نہیں کرسکتی۔ پھر اچانک اس درخت کی گھنی شاخیں قریب آنے لگیں اتنی قریب کہ دم گھٹنے لگا۔ جیسے یہ شاخیں نہیں درخت کی مضبوط باہیں ہوں۔ پھر درخت بھی غائب ہوگیا اور میرے محبوب میرے آئیڈیل کا سراپا درخت کے روپ میں ڈھل گیا۔ اس کے بعد رئیس صاحب! یہ سراپا بھی نظر سے اوجھل ہونے لگا اور مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میں دھوئیں کے غبار میں کھڑی ہوں مگر دھوئیں کہ یہ مرغولے کثیف نہیں بلکہ بڑے لطیف ہوتے ہیں۔ میرا وجود اس دھوئیں میں تحلیل ہونے لگتا ہے۔ اس دھوئیں کی خوشبو لطافت اور پاکیزگی اور الوہی تقدس کو نہیں بتا سکتی۔ یہ کیفیت صرف چند لمحے طاری ہوتی ہے۔ اسکے بعد میں اپنے آپ کو بہت نڈھال محسوس کرتی ہوں۔ بالکل بے دام! چکر آتے ہیں۔ رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ قلب کو عجیب قسم کے جھٹکے لگتے ہیں۔ تاہم یہ کیفیت بہت اچھی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بار بار یہی حالت گزرے دن میں دو تین بار یہ عالم گزر جاتا ہے۔ کسی انجان خوف کے تحت مشق چھوڑ دی ہے۔ اور ذہنی طور پر سخت پریشان رہنے لگی ہوں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میرا آئیڈیل (آورش) بچپن سے میری روح میں پرورش پا رہا تھا۔ جب میں تین بچوں کی ماں بن گئی تو وہ آئیڈیکل میرے سامنے آ گیا۔ جب کہ وہ خود بھی چار بچوں کا باپ بن چکا تھا۔ نہ صرف یہ کہ میں اس سے متاثر ہوئی بلکہ وہ بھی مجھ سے متاثر ہوگیا۔ آپ نے پوچھا تھا کہ آپ نے ماں اور بیوی کے فرائض کس طرح نباہے؟ اچھے دوست میں اپنی تعریفیں نہیں کررہی۔ مگر سچ کہتی ہوں کہ بہترین مامتا والی ماں اور فرض شناس مخلص بیوی ہوں۔ میرے شوہر جو عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں۔ بہت سخت گیر مرد ہیں اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں

وہ بھی اپنی تمام تر درشتی مزاج کے باوجود یہ اعتراف کرتے ہیں کہ تم ایک اچھی بیوی ہو۔ میں ہر معاملے میں ان سے بھرپور تعاون کرتی ہوں۔ اچھے دوست میں اب دماغی طور پر نیم پاگل ہوگئی ہوں۔ میرا آئیڈیل جو میرے شوہر کا دوست تھا۔ مجھ سے دور ہوگیا ہے۔ اکثر تنہائیاں میسر آئیں۔ مگر ہم راہ پاکیزگی پر استوار رہے۔ ہم گھنٹوں تنہائی میں باتیں کرتے رہتے۔ عشق ومحبت کا تو کبھی مذکور بھی نہیں آیا۔ میں اسے اپنے پیشہ معلمی کے متعلق مزے مزے کی باتیں سناتی رہتی۔ وہ ہنستا رہتا اور اپنے ماضی کے دلچسپ واقعات دہراتا کبھی ادب پر بھی بحث ہوتی۔ وہ بھی ادب نواز ہے اور میں بھی شعر کہتی اور افسانے لکھتی ہوں۔ بس ہم میں ایک ذہنی ہم آہنگی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے کسی قدر جسارت کی تو اس نے کہا کہ دیکھو! میں بھی انسان ہوں اور ہر لمحہ لغزش ممکن ہے لیکن کیا پھر ہمارا ضمیر ہمیں چین لینے دے گا؟ ویسے یہ ہوسکتا ہے کہ اگر تم (خدانخواستہ) کبھی راہ حیات میں مجھے بے آسرا مل گئیں تو میں تمہیں اپنا لوں گا۔ چاہے اس وقت تمہاری گردن ہلتی ہو۔ بال سفید ہوگئے ہوں جناب! میں اس کے ضبط شوق پر حیران رہ گئی اور پھر آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ یعنی ہمارا تبادلہ ہوگیا۔ تبادلے سے ایک روز پہلے وہ ملا، لٹا ہوا، پریشان حال، پراگندہ خاطر، میں اس کے سینے پر سر رکھ کر رو پڑی، بکھر بکھر پڑی۔ آپ نے کسی کو مشورہ دیا تھا کہ کسی کو بھلانا ہے تو اسے ہر لمحہ یاد کرو۔ اتنا یاد کرو کہ نفرت ہو جائے میں نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا مگر آہ کامیاب نہ ہوسکی۔

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن وہ اکثر یاد آتے ہیں
الٰہی ترک الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

اس کے پیار کا رس میری رگ رگ میں دوڑ رہا ہے اپنے ہونٹ چومتی ہوں زبان ہونٹوں پر پھیرتی ہوں تو لذت وشیرینی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ میرے چھوٹے بیٹے کو بہت پیار کرتا تھا۔ میں اسے بچے کو پیار کرتی ہوں تو اسکے لمس کا احساس ہوتا ہے۔ یہ تنہائیاں مجھے ڈس رہی ہیں۔ ٹی وی دیکھتی ہوں تو اسکرین پر ہر شکل میں سے رفتہ رفتہ اس کی صورت ابھر آتی ہے۔ ایسا لگتا ہے۔ وہ ہر وقت میرے پاس ہے۔ جب ہم تنہائی میں باتیں کیا کرتے تھے۔ تو مجھے پیاس بہت

لگتی تھی۔ وہ ایسے موقع پر جگ میں پانی بھر کر رکھ لیا کرتا تھا۔ اور کہتا کہ مجھے معلوم ہے تمہیں اب پیاس لگنی شروع ہوگی۔ اور تم مجھے ہر منٹ پر پانی کے لئے اٹھاؤ گی میں ان لمحوں کو حاصل زندگی سمجھتا ہوں۔ وہ بے حد شریف آدمی ہے اپنی بیوی اور بچوں کا بڑا خیال رکھتا ہے۔ کہتا ہے کہ اس معاملہ میں ان کا کیا قصور ہے انہوں نے ہمارا کیا بگاڑا ہے۔ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا لڑکا ہے اس کی شادی سترہ سال کی عمر میں کردی گئی تھی۔ یہ کتنا بڑا ستم ہے۔ (اچھے دوست) کہ ہم ایک دوسرے کی صورتوں کو ترس گئے ہیں۔

جواب فوراً دیں تنفس نوز کی مشق جاری رکھوں یا ختم کردوں؟ ذہنی طور پر بکھر گئی ہوں؟

دروں بیں

تم شدید الاحساس بھی ہو اور ستم رسیدہ بھی۔ شاید یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ تم نے لکھا ہے کہ شعر بھی کہتی ہوں اور افسانے بھی لکھتی ہوں۔ بی بی! شاعری اور افسانہ نگاری کا ذوق خود حساسیت کی علامت ہے ایسے لوگ دروں بیں ہوتے ہیں ان کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے اور وہ اس دنیا کی شہریت اختیار کرلیتے ہیں۔ ان دروں بیں یا خیال پسند لوگوں کو خارجی دنیا راس نہیں آتی اور وہ بمشکل بلکہ جان پر کھیل کر اپنے ماحول اور اس کی تلخیوں کو گوارا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

گفتند جہاں ما آیا بتومی سازد
گفتندمی سازو گفتند کہ برہم زن

مجھ سے پوچھا گیا کہ آیا ہماری دنیا تجھے راس آتی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں راس آئی کہنے لگے کہ تو اس دنیا کو توڑ پھوڑ دے اور از سر نو اپنی دنیا تخلیق کر۔ یہ شعر اقبال کا ہے۔ اقبال نے یہ شعر کسی اور مقصد کے لئے کہا ہے لیکن بی بی! تم بھی فلسفہ اقبال پر عامل ہو۔ تم نے حقیقی دنیا کو تہہ دبا لاکر کے اپنی ایک آئیڈیل دنیا بنالی ہے اور اس دنیا میں ایک بت نصب کرکے اسے پوج رہی ہو۔ تمہارے شوہر کی روح تم سے ہم آہنگ نہیں۔ وہ قطب شمالی کے باشندے ہیں اور تم قطب جنوبی کی باسی ظاہر ہے کہ ایسی شادیاں روحانی طور پر ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ عقل کا تقاضا یہ ہے

کہ اس ''ناکامی'' کو جوں کا توں قبول کرلیا جائے۔

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
روکر گزار یا اسے ہنس کر گزاردے

بعض حادثے ایسے ہوتے ہیں کہ نہ ٹالے جاسکتے ہیں نہ سہے جاسکتے ہیں۔ مثلاً کسی کی آنکھیں چیچک میں ضائع ہوجائیں کسی کی ٹانگ بس کے حادثے میں ٹوٹ جائے کسی پر یکا یک چھت گر پڑے۔ ان حوادث کا علاج کیا ہے؟ تم نے مجھے اپنا دوست کہا ہے۔ بے شک میں تمہارا دوست ہوں اور میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ اپنے جذباتی ہیجان کو تخلیق کاری (شعر، افسانہ' ادب' مصوری' موسیقی) کا سرمایہ بنانے کی کوشش کرو، تمہیں اپنے آئیڈیل کی قربت میں پیاس لگتی تھی کیوں؟ تم نے سوچا بھی یہ کیا نفسیاتی نکتہ ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری روح بری طرح پیاسی ہے؟ یہ جسمانی تشنگی نہیں۔ روحانی تشنگی ہے۔ تم مشق تنفس نور از سر نو شروع کردو۔ تمہیں اس مشق کے سلسلے میں جو تجربات ہوچکے ہیں۔ وہ بڑے اہم ہیں یہ احساس کہ میں ایک گھنے سایہ دار تناور درخت کی چھاؤں تلے بیٹھی ہوں۔ جہاں ٹھنڈک ہے۔ تازگی ہے پھر درخت کی شاخوں کا جھک کر تمہارے قریب آنا اتنا قریب کہ دم گھٹنے لگے۔ جی گھبرانے لگے۔ پھر درخت کے تصور سے تمہارے محبوب کی صورت کی نمود! یہ سب کیا ہے؟ یہ سب تمہارے تخیل شعر آفریں کی عجوبہ کاریاں ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں تم مشق تنفس نور شروع کرنے کے بعد مجھ سے خط وکتابت کرو اپنے نام سے خط وکتابت کرو۔

29 جولائی 1953ء

میں عرصہ سے آپ کی تحریریں پڑھ رہی ہوں اور آپ کو بڑا عالم سمجھتی ہوں اور یہ بھی خیال ہے کہ آپ انسان دوست واقع ہوئے ہیں۔ مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ میرا نام ہے ---۔ تاریخ پیدائش 29 جولائی 1953ء ہے اس تاریخ ولادت سے متعلق جو برج اور ستارہ ہے

اسکے پیش نظر کسی نے بتایا کہ میں احساس کمتری میں مبتلا ہوسکتی ہوں ۔غصہ بھی آ تا ہے اور مالی پریشانیوں سے بھی دوچار ہوسکتی ہوں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جن کا نام گ ، ط،ر،ق، ت ، ح ، ج سے شروع ہوتا ہے میرے لئے ناموافق ثابت ہوں گے اس کے علاوہ 29جولائی کو پیدا ہونے والے انسان میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں میرے متعلق جو بتایا گیا ہے(نجوم کی روشنی میں) وہ صحیح معلوم ہوتا ہے میں اپنا نام بدلنا چاہتی ہوں اور کوئی ایسا نام رکھنا چاہتی ہوں کہ کمتری کا احساس دور ہوجائے ۔میرا ایسا نام تجویز کردیں کہ ایسے لوگوں سے موافقت پیدا ہوجائے۔جن کے نام ''ز'' سے شروع ہوتے ہوں۔

(ازکوٹ بدرویں۔قصور)

ستارے اور نام

تم کس چکر میں پڑ گئیں' ستارے انسانی قسمت پر اثر انداز ہوتے ہیں یا آدمی ستاروں کی تسخیر کی مہم کا کام انجام دیتا ہے۔امریکی خلانورد زمین سے اڑے' چاند پر اترے بہتر گھنٹے وہاں گزارے چاند کے فرش کو قدموں سے روندا وہاں تھوکا اور چاند کے پتھر کو لیکر اپالو کے ذریعہ زمین پر اتر آئے انصاف کرو کہ چاند تقدیر انسانی پر اثر انداز ہوا۔یا انسان نے چاند کی خاک اڑادی ؟علم نجوم کی بعض سائنسی بنیادیں ضرور ہیں لیکن یہ کوئی حتمی علم (سائنس)نہیں ہے۔محض قیاسات ہیں یہی حال نام کا ہے بی بی! نہ کسی کے نام میں کچھ رکھا ہے نہ نشان میں! اصل چیز ہے قوت ارادی! انسانی ارادہ فاتح کائنات ہے اور پردۂ کشائے حیات !تمہارے احساس کمتری کا سبب صرف نفسیاتی الجھنیں ہیں۔احساس کمتری کی ابتدا بچپن سے ہوا کرتی ہے۔جس بچے کی ہمت افزائی نہ کی جائے -(2)یادوسرے بچوں کو اس پر ترجیح دی جائے ۔(3)یا خاندانی حالات سازگار نہ ہوں۔(4)یا ماں باپ میں ان بن رہتی ہو۔تو اس بچے میں کوئی نہ کوئی ذہنی کمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔تم بھی کسی ایسی ہی نفسیاتی کمزوری میں مبتلا ہو۔ جسے تم نے بر بنائے وہم ۔ستاروں اور نام کی تاثیر کی طرف منسوب کردیا ہے۔تم میری تجویز کردہ مشقیں(S.C.T) کرلو۔اور جم کر میری تصانیف کا مطالعہ

کرو۔تا کہ تمہیں اپنی ذہنی کیفیت کا صحیح اندازہ ہو سکے!

شمع کی لو میں

آپ کی مصروفیات کا خیال ضرور ہے مگر کیا کروں؟ میری معلومات میں آپ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں جو اس مسئلے کو حل کر سکے۔بات کو مختصر کرنے کی کوشش کروں گا۔حالات یہ ہیں کہ

ایک شخص نے ٹیبل لیمپ کی جلتی ہوئی بتی پر نظر جمائی اور آنکھیں جھپکائے بغیر بتی کو تکتا رہا کچھ دیر بعد روشنی گل ہوگئی پھر یکایک روشنی پیدا ہوئی۔اس مرتبہ ٹیبل لیمپ کی روشنی ''ٹیوب لائٹ'' کی طرح ٹھنڈی سی تھی۔دیکھا کہ (شعلہ نور) میں ایک کمرہ نمودار ہوا۔جس کے اندر ایک چارپائی ہے ۔بستر سمیت!بستر پر کوئی شخص سفید چادر اوڑھے سو رہا ہے چادر ناک تک تھی۔مگر آنکھیں صاف نظر آ رہی تھیں سونے والے نے جسم کو کئی مرتبہ جنبش دی مگر آنکھیں بند رہیں۔کمرے کے دوسری جانب چھت میں بندھی ہوئی ڈوری کے ساتھ کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے گائے کے دو بچھڑے ہیں۔ایک کمزور سا کتے کا پلا خاموش بیٹھا ہے۔بچھڑا زمین سے کوئی ڈھائی فٹ اوپر لٹکا ہوا ہے دیکھنے والے کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ سب کچھ بتی کی روشنی میں دیکھ رہا ہوں۔اب اس نے لمحے بھر کے لئے بتی سے نظر اٹھائی دیکھا تو وہاں کچھ نہ تھا سوال یہ ہے کہ (1) بتی کی روشنی میں کیا نظر آیا ۔کیوں نظر آیا(2)اس مضمون پر آپ نے کوئی کتاب لکھی ہے کیا اس کتاب میں جس دم پر بھی معلومات ہیں۔کتاب کا نام کیا ہے؟(4) کئی سال ہوئے کہ آپ نے کسی مضمون میں لکھا تھا کہ ''برزخ مرشد'' بھی ایک قسم کا حجاب ہے۔

اسکی وضاحت کریں۔(محمد امیر ایمن کیمبلپوری بمقام لُند ڈاک خانہ خاص تحصیل فتح جنگ براہ کوٹ فتح خاں ضلع کیمبلپور)

تنویمی حالت

ایمن صاحب!شمع بتی کی لو پر پلکیں جھپکائے بغیر نظر جما دینا۔اور ارتکاز توجہ کی دوسری مشقوں

سے انسان پر ایک نیم تنویمی حالت (ہپنا ٹک سیلپ) طاری ہو جاتی ہے۔ یہ کیفیت نیند سے مشابہ ہے۔ جس طرح ہم نیند کے عالم میں طرح طرح کے خواب دیکھتے ہیں۔ اسی طرح تنویمی نیند اور غنودگی (نیم بے خودی) کی حالت میں بھی عجیب عجیب منظر دکھائی دیتے ہیں۔ شمع بینی کے دوران جب آپ کی نظر شمع کی لو پر جمی اور جم گئی تو ارتکاز توجہ کے سبب شعور کی رو کسی قدر دھیمی پڑ گئی اور آپ کے لاشعور (نفس کے تہہ خانے) میں جو تصورات اور نقوش و تاثرات دبے ہوئے تھے۔ وہ ابھر کر سامنے آ گئے۔ شمع کی بتی میں کمرہ 'پراسرار کمرہ میں بچھڑوں کا نظارہ، بستر اور چار پائی، چار پائی پر کسی آدمی کا چادر اوڑھے سویا ہوا ہونا یہ سب تخیل کی عجوبہ آفرینی اور ذہن کی ڈرامہ سازی ہے۔ میں نے اپنی تصانیف (خصوصاً لے سانس بھی آہستہ' توجہات' مراقبہ اور ہپناٹزم میں) ان معاملات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور ہاں آپ نے مرشد کے برزخ کے سلسلے میں معلومات طلب کی ہیں اگر مرید مرشد کے برزخ کی حد سے آگے بڑھ کر برزخ نبوت کی جھلک نہ دیکھے تو مرشد کا تصور عرفان حقیقت کے سلسلے میں یقیناً حجاب بن جائے گا۔

بے حجابی پردہ دیدار ہو کر رہ گئی
آنکھ ملتے ہی نظر بے کار ہوکر رہ گئی

ترک عقد

بزرگوارم! آپ نے کسی محترمہ کے طویل خط کے جواب میں ایک نادر الوجود مشورہ ترک عقد کا دیکر گویا اپنی ذمہ داریاں پوری کر دی ہیں لیکن کیا واقعی آپ اپنے مشورہ سے مطمئن ہیں۔ ''عقد'' دو جسموں کے اتصال کی قانونی اجازت ہے لیکن یہ اتصال تو پہلے ہی ہو چکا ہے اور ہنوز جاری ہے۔ اگر اب عقد نہ بھی کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ ہو رہا ہے جس کی گویا آپ نے کھلی اجازت دیدی ہے۔ (چہ خوب؟) جانبین کو ایک دوسرے سے ملنے کی اس حد تک آزادی ہے کہ وہ جسم کی تشنگی بھی رفع کر سکتے ہیں۔ لڑکی کے والدین بھی اس فعل مکروہ سے بخوبی واقف ہیں اور انہیں بھی اس کی کوئی خاص فکر نہیں بلکہ اپنی کھوکھلی عزت اور مظلوم

بھانجی کا غم دامن گیر ہے یعنی ان کے زیر سایہ یہ گناہ عقد کے بغیر بھی جاری رکھا جا سکتا ہے دوسری طرف وہ حضرت جنہیں محبوب کا درجہ دیا گیا ہے۔ نہ صرف شرابی کبابی ہیں بلکہ اپنی بیوی بچوں کے موجود ہوتے انہیں ارتکاب فواحش (گندی اور گناہ آمیز باتوں پر عمل کرنا) سے باک نہیں۔ چکنی چپڑی باتوں' وعدے وعید اور عہد و پیمان کے بعد جب عقد کا ذکر آتا ہے تو محبوب صاحب منکر ہو جاتے ہیں اس مسئلے پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(1) مرد ایک بوالہوس شخص ہے۔ اسے لڑکی سے قطعی محبت نہیں ہے اور نہ وہ عقد و نکاح کے چکر میں پڑنے کو تیار ہے۔ وہ صرف لڑکی کے نازک جذبات سے کھیل رہا ہے اور جھوٹ اور فریب کا سہارا لے کر اپنی پر تعیش زندگی کی خلوتوں کو مزین رکھنا چاہتا ہے (2) لڑکی نے محبت میں جس شدت اور وحشت کا تذکرہ چند اشعار کا سہارا لے کر کیا ہے۔ درحقیقت لڑکی میں وہ شدت وہ وحشت موجود نہیں جب لڑکی کو اتنی آسانیاں میسر ہیں۔ اسکے سامنے اس کا سہل الحصول مطلوب ہے۔ والدین کی ہمدردیاں ساتھ ہیں۔ جلوتوں اور خلوتوں میں محبت کی تمام تر رنگینیوں اور نفس کی ضرورتوں کے پورا ہو جانے کے بعد اس قدر بے قرار کیوں ہے؟

(3) لڑکی درحقیقت اپنے ضمیر کی خلش کو دبانے کے لئے شادی پر ضرورت سے زیادہ زور دے رہی ہے۔ جو گناہ اور غلطی کا احساس بن کر اس کی روح کو ڈس رہا ہے لڑکی بدنامی گناہ اور بدکرداری کو ایک خاص سوچے سمجھے منصوبے کے تحت محبت اور خلوص کا خوبصورت پیرہن پہنا کر والدین اور دوسرے افراد کے سامنے منکشف کر رہی ہے۔ تاکہ وہ اثرات مابعد سے محفوظ رہے۔

(4) والدین پر اس راز کے کھل جانے کی وجہ سے والدین کی نظروں میں بیٹی کی وہ پہلی جیسی عزت ختم ہو چکی ہے۔ یہ احساس لڑکی کو اور بھی سراسیمہ کئے دے رہا ہے کیونکہ والدین نے اس ناشائستگی پر نہ تو سرزنش کی اور نہ اشتعال میں آ کر کوئی قدم اُٹھایا۔

(5) لڑکی اس شخص کے رویہ سے خود بھی متنفر ہو چکی ہے اور چاہتی ہے کہ کوئی مضبوط حیثیت والا شخص اس یقین کو کامل بنادے کہ اس کا محبوب اس سے ہرگز شادی نہیں کرے گا۔

(6) لڑکی چونکہ جنسی تجربات سے دوچار ہو چکی ہے۔ اس لئے شادی کی متمنی ہے خواہ وہ شادی کسی سے بھی کیوں نہ ہو۔

محترم! میرے اس تجزیے میں غلطیوں کے امکانات واضح ہیں کیونکہ میں نے لڑکی کے خط کے چند اقتباسات کے پیش نظر یہ تجزیہ کیا ہے۔ بہرحال اس تجزیہ سے ہر شخص بآسانی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ صورتحالات کیا ہیں۔

(ارشد منظور ایم اے۔ پنڈی)

ارشد منظور صاحب نے جس خط شمارہ "مندرجات پر بحث کی ہے اُمید ہے کہ اس خط سے متعلقہ حضرات ان کے تجزیے پر غور کریں گے۔

شاہ صاحب

شاہ صاحب اُمید ہے کہ آپ اپنی بیٹی کو مایوس نہ کریں گے۔ میرے ایک قریبی عزیز ہیں جو مجھے دیوانگی کی حد تک چاہتے ہیں۔ اگر میری ذرا طبیعت خراب ہو جائے تو عیادت اور تیمارداری میں جان لڑا دیتے ہیں مگر افسوس بدنصیبی یہ ہے کہ میں کسی اور سے عہد وفا استوار کر چکی ہوں میں اپنے عزیز کو اپنا غمگسار سمجھتی ہوں اور ان کی خاطر مجھے عزیز ہے۔ اس لئے میں نے مختصر الفاظ میں تمام صورتحال انھیں بتا دی۔ یہ سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ہمارے گھر آنا جانا ترک کر دیا۔ گھر والوں نے سبب پوچھا تو خوبصورت بہانا بنا کر ٹال دیا۔ اور کسی کو کچھ نہ بتایا۔ ہاں یہ ہے کہ جب میری بیماری کی خبر سنتے ہیں تو دوڑے دوڑے آتے ہیں۔ سرد باتے ہیں اور جب افاقہ ہو جاتا ہے تو پھر وہی بدسلوکی اختیار کر لیتے ہیں۔ پہلے وہ گھر آتے تھے تو کچھ کھائے پئے بغیر چین نہ آتا تھا لیکن اب انہوں نے میرے ہاتھ کا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ بڑی مشکل سے پتہ چلا کہ وہ بھی میری محبت میں گرفتار ہیں۔ یہ عجیب صورتحال ہے۔ بتائیے میں کیا کروں؟

(زینت رخ ازنئی کراچی)

دوراہے پر

زیت! تم دوراہے پر کھڑی ہو۔ایک طرف تمہارے عزیز قریب ہیں۔ جو تم سے غیر معمولی محبت کرتے ہیں۔اور دوسری طرف محلے کا ایک فرد! میرا مشورہ یہ ہے کہ تم عزیز کو سہارا دو۔ وہ تمہارے گھر کے حالات۔ سماجی ماحول اور خاندانی کردار سے بخوبی واقف ہیں اور وہی تم سے نباہ کر سکتے ہیں۔ انہی سے نبھ سکتی ہے تمہارے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمہارا رجحان ان عزیز کی طرف نہیں ہے لیکن یہ فیصلے کی غلطی ہے۔

پاگل پن کا وہم

کسی محترمہ نے اپنی کسی سہیلی کا حال لکھا ہے کہ وہ ہر وقت اس وہم میں مبتلا رہتی ہے کہ اسے چھوت کی بیماری لگنے والی ہے۔اس وہم میں کسی پڑوسن نے مبتلا کر دیا ہے۔ کہ دیوانگی اور دیوانہ پن ایک ایسی بیماری ہے جس کی چھوت لگ جاتی ہے اس سہیلی کا نام ش۔ت سمجھ لیں۔ میری سہیلی کے کوئی عزیز کچھ دن پہلے جنون میں مبتلا ہو گئے تھے اس زمانہ جنون میں وہ ش۔ت کے گھر بھی آتے رہے۔ایک دن ش۔ت کی پڑوسن نے اس سے کہا کہ تم ان صاحب کو اپنے گھر کیوں آنے دیتی ہو۔ یہ تو پاگل پن میں مبتلا ہیں اور یہ بیماری (جنون) اڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ چنانچہ اسی روز سے یہ وہم شروع ہو گیا۔اپنے پاگل عزیز کو تو وہ گھر آنے سے روک نہیں سکتی تھی۔ ہاں البتہ اس نے پرہیز شروع کر دیا۔ وہ جہاں بیٹھتے وہاں نہ بیٹھتی۔ جس برتن میں وہ کھا پی لیتے۔ اسے ہاتھ نہ لگاتی۔ ہر چند اسے یقین دلایا کہ پاگل پن چھوت کی بیماری نہیں ہے۔ اور نہ جنون کے جراثیم اڑ کر لگتے ہیں لیکن اسے یقین نہیں آتا۔ (از۔۔۔۔۔۔)

ہیجانی جذبات

تم نے لکھا ہے کہ میری سہیلی کی عمر سترہ سال کی ہے تو یہ عمر ہیجان جذبات کی عمر ہوتی ہے اور اس

طوفانی زمانے میں لڑکے اور لڑکیاں بے حد حساس اور اثر پذیر ہو جاتی ہیں۔ آپ کی سہیلی (عمر ستر ہ سال) اسی جذبات انگیز دور سے گزر رہی ہے۔ پاگل پن کا خوف یونہی نہیں پیدا ہوا کسی نہ کسی وجہ سے یہ خوف (کہ پاگل ہو جاؤنگی) اسکے نفس میں پہلے سے جاگزیں تھا۔ پاگل عزیز کو دیکھ کر یہ خوف پختہ ہونے لگا اور جب پڑوسن نے یہ غلط ترغیب دی۔ مشورہ ہدایت ایما اور اشارہ کیا) تو پاگل پن کا دبا ہوا خوف لاشعور کی مخفی تہہ) سے اُبھر کر شعور کی سطح پر آ گیا۔ جب تک آپ کی سہیلی کی ذہنی اور جذباتی زندگی کا ابتدائی حصہ (چودہ سال کی عمر تک) میرے پیش نظر نہ ہو۔ اس وہم کی بنیادوں کو سمجھنا ممکن نہیں' آپ اپنی سہیلی کو مشورہ دیں کہ وہ میری کتابیں خصوصاً نفسیات حصہ اول دوم، سوم، ہپناٹزم اور جنیات (اول دوم اور نفسیاتی مظاہر کا مطالعہ کریں تاکہ خود اپنے خوف کی نفسیاتی وجہ سمجھ سکیں۔

لکنت زدہ

آپ نے ایک ''لکنت زدہ مریض'' کا حال لکھا ہے۔ میں نہ ڈاکٹر ہوں نہ عالم وفاضل! میں نہیں جانتا کہ لکنت کی ابتدا کیسے ہوتی ہے۔ آپ کی اس رائے سے سو فیصد متفق ہوں کہ لکنت محض ایک عادت ہے کوئی جسمانی بیماری نہیں ہے۔ یہ رائے سو فیصد درست ہے۔ اب میری سرگزشت لکنت سمجھئے۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا میری زبان میں لکنت تھی۔ وجہ معلوم نہیں دوست میرا مذاق اڑاتے' استاد صاحبان مجھ سے سبق سننے سے گریز کرتے' بلکہ درگزر کر جاتے۔ حتیٰ کہ میں نے 34ء میں میٹرک پاس کیا۔ بھاولپور کالج میں ایف ایس سی میں داخلہ لیا۔ اس وقت میری زبان میں بدستور لکنت موجود تھی۔ ایک دن ریاضی کے پروفیسر نے مجھ سے کوئی سوال دریافت کیا میں نے کھڑے ہو کر جواب دینے کی کوشش کی تو لکنت کے سبب زبان لڑکھڑا گئی۔ وہ میری شکل بھانپ گئے کہا ''بیٹھ جاؤ اور فرصت کے وقت'' پروفیسر روم میں مجھ سے ملو۔ چنانچہ میں خالی گھنٹے میں ان سے ملا انہوں نے بڑی شفقت سے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ

مسٹر فیضی (کالج میں مجھے اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ زبان لڑکھڑانا یعنی ہکلانا کوئی بیماری نہیں ہے نہ کسی جسمانی نقص کی علامت ہے۔ یہ صرف ایک عادت ہے جو کسی نہ کسی طرح راسخ ہو گئی ہے۔ تم اس عادت سے نجات پا سکتے ہو۔ بشرطیکہ میری ہدایت پر عمل کرو۔ میں نے وعدہ کیا کہ آپ جو کچھ کہیں گے۔ اس پر عمل کروں گا۔ پروفیسر صاحب نے سوال کیا۔

جب تم قرآن پڑھتے ہو تو کیا زبان میں لکنت ہوتی ہے۔

میں نے کہا "نہیں"

پوچھا "تم کبھی گاتے بھی ہو گے"

عرض کی ۔"جی ہاں کبھی کبھی گاتا بھی ہوں"

فرمایا ۔"گاتے میں تو زبان نہیں اٹکتی"

میں نے کہا۔"روانی سے گاتا ہوں"

تب پروفیسر صاحب نے وضاحت کی کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمہاری زبان یا تالو میں کوئی نقص نہیں۔ صرف ایک عادت ہے جو آسانی سے دور ہو سکتی ہے اچھا اب تم حسب ذیل ہدایت پر عمل کرو۔

(1) گفتگو میں کسی لفظ پر زور نہ دو۔ (2) جس لفظ پر زبان اٹک جائے اس کو چھوڑ دو۔ (3) جذبات اور جوش کے عالم میں تقریر کی کوشش نہ کرو۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی باغ یا کھیت میں نکل جاؤ۔ جہاں تمہارے علاوہ کوئی نہ ہو اور پھر کسی درخت' پھول' پرندہ یا پھل سے مخاطب ہو کر نہایت آسانی کے ساتھ ان سے گفتگو شروع کر دو۔ جس لفظ پر زبان اٹکے وہ لفظ چھوڑ دو۔ دس پندرہ روز تک اس مشق پر عمل کرو۔ انشاءاللہ چند روز میں زبان رواں ہو جائے گی۔

چنانچہ میں نے پروفیسر صاحب کی ہدایت پر عمل کیا۔ دوستوں سے گفتگو کم کرتا اور جب بھی گفتگو کرتا دھیمے' مدھم اور ملائم لہجے میں! نہایت آہستہ آہستہ کسی لفظ پر زور نہ دیتا۔ ہمارے گھر سے سو گز کے فاصلے پر ایک باغ تھا۔ میں اس باغ میں چلا جاتا تھا اور پھر ایک پھول یا درخت کو مخاطب کر کے دھیرے دھیرے پھو کے اور دھیمے دھیمے لہجے میں گفتگو شروع کر دیتا۔

اے پھو۔۔۔ل۔۔۔تو۔۔۔کت ۔۔۔نا۔۔۔خو۔۔۔ب ۔۔۔صو ۔۔۔ رت ۔۔۔ ہے۔۔۔تجھ۔۔۔میں ۔۔۔خدا ۔۔۔کی ۔۔۔شان ۔۔۔نظر۔۔۔آتی ۔۔۔ ہے ۔۔۔ تجھ ۔۔۔پر۔۔۔چڑیاں۔۔۔عاشق ہیں۔

میں گھنٹوں آہستگی کے ساتھ اسی قسم کی تقریریں کرتا رہتا تھا آہستہ آہستہ اس عمل کے فوائد رونما ہونے شروع ہوئے۔ میں نے اپنی گفتگو کے انداز میں غیر معمولی تبدیلی محسوس کی اور تقریباً ڈیڑھ مہینے میں آدھا مرض غائب ہو گیا۔ پھر گرمیوں کی چھٹیاں آ گئیں اور مجھے زیادہ فرصت نصیب ہو گئی ۔تین مہینے کی مشق کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میں ایک نیا آدمی ہوں۔اب لکنت کی شکایت باقی نہ تھی میں بے دھڑک دوستوں کی محفل میں گفتگو کرتا۔سوالات کے جواب دیتا۔گھر والے دوست احباب سب ملنے والے اس تبدیلی پر حیران تھے۔خود پروفیسر صاحب میں قوت ارادی (ول پاور) پر نازاں تھے۔انہوں نے کہا کہ فیضی! میرا خیال تھا کہ تم چھ مہینے میں اس تکلیف پر غالب آ جاؤ گے لیکن تم نے صرف تین ماہ میں یہ کام کر دکھایا۔ جناب والا میں نے 1938ء میں بی اے کیا۔اب میں زندگی کی ساٹھویں منزل میں قدم رکھنے والا ہوں۔ پھر کبھی مجھے لکنت کی شکایت نہیں ہوئی۔جن حضرات نے میرے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کیا! انھیں میری طرح کامیابی نصیب ہوئی ۔رئیس صاحب! آپ پاکستان کی ایک معزز اور قابل احترام ہستی ہیں۔لوگ باگ آپ پر اعتماد کر کے اپنی تکالیف آپ سے بیان کرتے ہی۔آپ ازراہ کرم انہیں میرے طریقہ کار پر عمل کرنے کی ہدایت کریں۔کوئی مشکل چیز نہیں۔صرف ترک عادت کا سوال ہے۔

(فیض محمد خاں ''الفیض'' نزد ہیڈ پوسٹ آفس بھاولپور)

نطق کی آموزش

فیض محمد خاں کا تجربہ حوصلہ افزا ہے۔چلنے کی طرح بولنا بھی سیکھنے سے آتا ہے۔نطق یعنی گفتگو آموزش (سکھانے) کا نتیجہ ہے۔ہوتا یہ ہے کہ بعض افراد کے ذہن میں کسی نہ کسی سبب سے یہ اندیشہ بیٹھ جاتا ہے کہ وہ فلاں فلاں لفظ ادا نہیں کر سکتے ۔یہ ایک قسم کا احساس کمتری ہے اور اس

احساس کمتری کے عقب میں بچپن کے ناساز گار ماحول کا کوئی نہ کوئی سانحہ کارفرما ہوتا ہے! احساس کمتری کوئی نفسیاتی مرض نہیں۔ایک عام انسانی کیفیت ہے۔کمتری کا احساس اگر معتدل حدود میں رہےتو وہ انسانی ترقی کا سبب بنتا ہے۔حد سے گزر جائے تو آدمی غیر سماجی جانور بن جاتا ہے(جو کسی سے آنکھ نہ ملا سکے) ہرشخص کسی نہ کسی موقع پر اپنے کو کمتری کی پوزیشن میں محسوس کرنے لگتا ہےلیکن ہم اپنی قوت ارادہ کو بروئے کار لا کر اس الجھن پر غالب آسکتے ہیں۔S.C.T(سیلف کلچر ٹریننگ کورس) کی مشقوں کے ذریعہ (جو چند مہینے تک دس دس منٹ صبح شام کرنی پڑتی ہیں۔کمزور ارادہ رکھنے والے مریضوں کا علاج کیا کرتا ہوں اور اکثر کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

نامۂ ناز

تمہارا سولہ صفحے کا خط وصول ہوا جس میں تم نے اپنی داستان محبت قلم بند کی ہے۔ابتدائی ماحول یہ ہے کہ

والدین میں ذہنی ہم آہنگی کا فقدان تھا۔امی اور ابا آپس میں اتنا لڑتے تھے کہ خدا کی پناہ ہو،اس روز روز کی لڑائی جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم سب بچے والدین کی حقیقی شفقت اور پیار سے محروم ہوگئے۔جس بچے پر ابا کے نگاہ کرم ہوتی۔وہ امی کا معتوب ہوجاتا۔اور امی جس بچے کا منہ چوم لیتیں۔وہ ابا کے ہاتھ سے تھپڑ کھاتا۔اس کشمکش کے سبب ہم سب میں احساس کمتری اور احساس محرومی شدت اختیار کر گیا۔

احساس محرومی کا نتیجہ ناز کے لفظوں میں یہ نکلا کہ کم سنی میں ایک صاحب سے محبت کرنے لگی۔شاید اس لئے کہ میں اس محبت کے ذریعہ گھریلو الجھنوں سے فرار چاہتی تھی۔جب یہ بات امی کے علم میں آئی تو انہوں نے آسمان سر پر اٹھالیا۔میں نے ان کے غصے کا انتقام اس طرح لیا کہ ایک اور شخص کو اپنا محبوب بنالیا۔عجیب بات یہ ہے کہ میں لڑکیوں میں گھبراتی تھی اور لڑکوں کے ہجوم میں بہل جاتی تھی۔میں نے عبادت کے ذریعہ سکون قلب حاصل کرنے کی کوشش کی۔مگر اس کوشش میں بھی ناکامی نصیب ہوئی۔آخر ایک بار میں نے خودکشی کے ارادے سے بہت سی نیند کی

گولیاں کھالیں اور ایک ہفتے تک بے ہوش رہی مگر سخت جان تھی ۔ بچ گئی ۔ ناز لکھتی ہیں کہ اب میری زندگی میں شاکر کا عمل دخل شروع ہوا شاکر در حقیقت جتنا مجھے چاہتا تھا اتنا ظاہر نہیں کرتا تھا لیکن اللہ دے وحشت طبیعت کہ میں ایک طرف شاکر کے دام محبت میں گرفتار تھی اور دوسری طرف ایک اور شخص سے مائل اقرار تھی ۔ تاہم شاکر پھر شاکر تھا اور وہ صرف دوست (جس سے جی بہلایا جاسکتا ہے) آخر اس شخص نے شادی کر کے مجھ سے کنارہ کرلیا۔ (خس کم جہاں پاک) شاکر کو اس خفیہ دوستی کا علم ہوا۔ تو اس نے عہد کیا کہ وہ کبھی مجھ سے بات نہ کرے گا۔ اسی زمانہ کشمکش میں ایک اور شخص سے عہد وفا استوار کرنے کی کوشش کی سچ بات یہ ہے کہ میری روح تک محبت کی پیاسی تھی مگر تشنگی کے باوجود محبت نہ مل سکی ۔ شاکر روٹھ کر کوئٹہ چلا گیا اور میں عجب روحانی عذاب میں مبتلا ہو گئی کہ یکایک فون کے ذریعہ ایک اور اجنبی آواز میری روح سے ٹکرائی ۔ آپ کو معلوم ہے کہ گھریلو الجھنوں سے فرار پانے کے لئے میں محبت کے یہ ڈرامے رچایا کرتی تھی ۔ میرے بھٹکنے کا واحد سبب گھر کا ناسازگار ماحول تھا۔ حالت سے تنگ آکر میں نے دوبارہ خودکشی کی کوشش اور 65 گولیاں نگل لیں بے ہوش ہوگئی ۔ دم لبوں پر آگیا مگر شاکر کا جی نہ پسیجا اور اب میری منگنی ہوگئی ہے۔ شاکر سے نہیں کسی اور سے آخر میں ناز نے سوال کیا ہے کہ میں اور شاکر کیا کریں؟

عشق و عقد

عشق کا علاج عقد ہے۔ شرعی طور پر بھی انسانی طور پر بھی اور جذباتی طور پر بھی! واقعی تمہارے بھٹکنے کی وجہ گھر کا ساز گار ماحول تھا۔ تم نے محسوس کیا صحیح یا غلط کہ میں ماں باپ کی محبت اور توجہ سے محروم ہوں اس محرومی کی تلافی کے لئے ہزاروں جتن کئے اور اب تم عجب عذاب میں مبتلا ہو ۔ دومرتبہ خودکشی کی جان لیوا کوشش! بہر حال ہمت اور خود اعتمادی سے کام لو (رونا تو یہی ہے کہ نفسیاتی مریض ہمت اور اعتماد سے محروم ہوتے ہیں) ناز تم نے اپنی جذباتی زندگی کا صحیح تجزیہ کیا ہے۔ تمہاری تحریر سے خود شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ تم اپنے بھٹک جانے کا سبب جانتی ہو۔ یقیناً تم اپنی اصلاح کرسکتی ہو۔

ز۔ج۔ کا خط

ز۔ج (حیدر آباد) کے مکتوب طویل کا خلاصہ یہ ہے کہ میں ایک سلیکشن گریڈ کے افسر کی لڑکی ہوں۔ میرے والد نہایت پرہیز گار آدمی ہیں اور نہایت ایماندار افسر ہم نے زندگی بڑے محتاط طریقہ پر بسر کی ہے۔ (میری پیدائش 1956ء کی ہے) کبھی کوئی فضول خرچی نہیں کی۔ ہم ایک معمولی مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ والد صاحب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ اخراجات زیادہ ہیں ہونے ہی چاہئیں۔ آمدنی کم! بہرحال خدا کا لاکھ شکر ہے کہ سفید پوشی کا بھرم قائم ہے۔ میرے مشاغل 'شاعری مضمون نگاری' باغبانی اور آرائش گل وغیرہ ہیں۔ پینٹنگ سے بھی ذوق رکھتی ہوں۔ سندھی اور پنجابی آسانی کے ساتھ بول سکتی ہوں۔ پشتو سیکھنے کا بہت شوق ہے۔ انگریزی کے مباحثوں میں بھی حصہ لے چکی ہوں۔ مقابلہ موسیقی میں پہلا انعام حاصل کیا ہے۔ یونین کی سرگرمیوں میں بھی شریک رہی ہوں۔ میں نے میٹرک تک ہمیشہ فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ مگر اس کے بعد ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہوگئی۔ اب حالت یہ ہے کہ میں امتحان سے ڈرنے لگی ہوں۔ صبح کو جی متلاتا ہے اور عجب حالت ہو جاتی ہے۔ نصابی کتابوں میں بالکل جی نہیں لگتا۔ بھول اور جھنجلاہٹ بہت بڑھ گئی ہے۔ حال یہ ہے کہ ایک جگہ نظر جمائے سوچتی رہتی ہوں (نہ جانے کیا سوچتی رہتی ہوں) بھوک نہیں لگتی پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے۔ ہر وقت اپنے آپ کو عجیب عجیب ترغیبات دیتی ہوں کہ میں اچھی نہیں بری لڑکی ہوں۔ میرا دماغ ناقص ہے۔ ڈاکٹری میں اس لئے پڑھ رہی ہوں کہ بدصورت ہوں۔ بیان نہیں کرسکتی کہ کس قسم کے احساس کمتری اور خوف اور حساس پن نے مجھے گھیر رکھا ہے۔ کالج میں ایسا لگتا ہے کہ بس اب رو پڑوں گی۔ میں اچھی طالبہ بننا چاہتی ہوں۔ میرا کوئی دوست نہیں۔ ان الجھنوں کے سبب ایک تو پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے دوسرے شخصیت ریزہ ریزہ ہو رہی ہے۔ مجھے مشورہ دیجئے کہ کیا کروں؟

(ایک نفسیاتی مریضہ)

☆☆☆☆☆

ریزہ ریزہ شخصیت

ز۔ج !اگر تم میرے مضامین اور تصانیف کردہ کتابوں کا مطالعہ کر چکی ہو تو یقیناً تمہیں معلوم ہوگا کہ شخصیت ریزہ ریزہ کیوں ہو جاتی ہے۔ متواتر دیکھا گیا ہے کہ جو لڑکے لڑکیاں ابتدائے عمر میں بے حد ذہین اور لکھائی پڑھائی میں تیز ہوتے ہیں وہ جوانی کی حدود میں رکھ کر ٹھس ہو جاتے ہیں۔ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ دماغ بوجھل اور ذہن مقفل ہو گیا۔ تمہارے اپنے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم ابتدائے عمر میں کافی ذہین اور نفیس ذوق کی مالک تھیں۔ (شاعری) آرائشِ گل' ادبی مشاغل' تقریری مقابلے' وغیرہ) اس قسم کی لڑکیاں اس قدر شدید الاحساس ہوتی ہیں کہ خدا کی پناہ' پھر وہ زمانہ آتا ہے۔ جب ان پر جوانی چڑھنی شروع ہوتی ہے۔ تو جذباتی ابھار کا وقت آتا ہے۔ یہ جذباتی ابھار ان کے لئے قیامت بن جاتا ہے۔ ان کے اندر کی چیز ابھرنا چاہتی ہے۔ (ہیجان' جوانی روایات' گھریلو ماحول اور معاشرے کا دباؤ اسے روکتا ہے۔ اس طرح دل و دماغ میں تصادم شروع ہوتا ہے اور شخصیت انجام کار پارہ پارہ' ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ تم کیا چاہتی ہو؟ تمہیں خود نہیں معلوم! تم بیرونی دنیا سے نہیں خود اپنے سے ڈرتی ہو۔ تمہیں اندیشہ یہ ہے (لاشعوری) کہ کہیں تم کچھ نہ کر گزرو۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی کیوں چاہتا ہے؟ اپنی بے بسی پر!۔۔۔ جوانی آتی ہے تو اپنے ساتھ ان گنت تقاضے لاتی ہے۔ کوئی معاشرہ ان جذباتی تقاضوں کی توثیق نہیں کر سکتا۔ معاشرے کا اساسی اصول ہی یہ ہے۔ کہ انسان کو ایک خاص حد تک آزادیٔ عمل دی جائے۔ جوانی بے قید آزادی چاہتی ہے۔ ز۔ج بخدا۔ تمہیں خود یہ علم نہیں کہ تمہاری خواہشات کیا ہیں؟ اور کوئی انسان شعوری طور پر اپنے اندرونی تقاضوں سے واقف نہیں ہوتا اور واقف ہوتا ہے تو سہم کر ڈر کر ضمیر کی ملامت سے پریشان ہو کر انہیں دبا لیتا ہے۔ تمہارے اندر ایک بیکار جوش و ہوش چھڑی ہوئی ہے۔ تمہارا خوف تمہاری جھنجلاہٹ تمہارا احساس کمتری، تمہارا اپنی سوچ میں گم رہنا۔ یہ سب کیا ہے۔ تم اپنے اندر ڈوبی ہوئی ہو۔ نصابی کتابوں میں جی نہ لگنا حافظہ کی

کمزوری، یاداشت پر غیر معمولی دباؤ۔ یہ سب ایک ہی ذہنی حالت کے مختلف پہلو ہیں۔ اور وہ ذہنی حالت ہے۔ ہیجان جوانی! تو اس کا علاج یہ ہے۔ مشورہ یہ ہے کہ تم میری نگرانی میں سانس کی مشقیں کرلو۔ نگرانی سے مطلب یہ ہے۔ کہ تم مجھے براہ راست خط لکھو، میں چند مناسب مشقیں تجویز کر کے بھیج دوں گا۔ اور خط وکتابت کے ذریعہ تمہاری نگرانی ورہنمائی کرتا رہوں گا۔ پریشان نہ ہوں۔ اس عہد میں (جس عہد عمر سے تم گزر رہی ہو) اس قسم کے جذباتی طوفان آیا ہی کرتے ہیں۔

کب اور کہاں

آداب! میں اب تک یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کن لفظوں سے مخاطب کروں کیوں کہ میرا دل آپ کے عزت واحترام سے لبریز ہے۔ بندے کی تاریخ پیدائش دس نومبر 1960ء ہے اور قد تقریباً چھ فٹ ہے صحت خدا کے فضل سے عمدہ اور بہتر ہے۔ دماغ شدید قسم کا ہے۔ ہر بات کی تہہ تک پہنچنے کو جی چاہتا ہے اور اس وقت تک چین نہیں آتا۔ جب تک بات کی تہہ تک نہ پہنچ جاؤں ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی واقعے کے پیش آنے کے وقت ایسا لگتا ہے کہ یہ واقعہ پہلے بھی پیش آچکا ہے یا کوئی چیز دیکھتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ میں اس چیز کو پہلے بھی دیکھ چکا ہوں لیکن کب اور کہاں؟ یاد نہیں آتا۔ اس کے علاوہ مجھے ''ہپناٹزم'' کا بھی شوق ہے۔ اگر تحریر میں کوئی غلطی ہو تو معاف فرمائیے۔

(خالد محمود ملک، کورنگی روڈ۔ کراچی)

چھٹی حس

اے عزیز! تمہاری عمر صرف سولہ سال کی ہے۔ اس عمر میں S.C.T (سلیف کلچر ٹریننگ کورس یا نصاب تعمیر وتنظیم شخصیت) کی مشقیں مناسب نہیں۔ تمہارے اندر چھٹی حس کارفرما ہے۔ اور یہ احساس کہ میں اس منظر کو پہلے بھی دیکھ چکا ہوں یا یہ واقعہ پہلے بھی پیش آچکا ہے اسی چھٹی

حس کی کارفرمائی ہے۔تم فی الحال ایسا کرو۔کہ جب تم سونے کیلئے لیٹوتو جسم کو ڈھیلا چھوڑ دو۔ بالکل ڈھیلا اور بالکل ڈھیلا۔ چھوڑ دو۔ پھر آنکھیں بند کرلو۔اور یہ فقرہ دہرانے لگو (میری اندرونی قوتیں جاگ رہی ہیں۔جاگ رہی ہیں۔جاگ رہی ہیں۔ یہ ترغیبی فقرہ اس وقت تک دہراؤ جب تک نیند نہ آ جائے دن میں بھی اگر نیند کا غلبہ ہو۔تو اسی ترغیب کو دہراؤ۔نوے روز تک اس مشق پر عمل کرو اور اس کے بعد مجھے حالات سے مطلع کرو۔ یہ خود تنویمی یا سیلف ہیپ ناسز کی پہلی مشق ہے۔

غمزدہ نوجوان

تقریباً ہر وقت دردِ سر رہتا ہے۔کبھی ہلکا ہلکا،کبھی زیادہ! معمولی سی کتاب پڑھنے اور ذرا سی عبارت لکھنے کے بعد تھک جاتا ہوں۔آنکھوں میں درد سا ہوتا ہے۔ جیسے ڈھیلے باہر نکلے جارہے ہیں۔یادداشت انتہائی کمزور ہے۔بار بار کی رٹی ہوئی چیزیں بھول جاتا ہوں۔سر کے بال تیزی سے سفید ہورہے ہیں۔ ہر وقت یہ معلوم ہوتا ہے۔جیسے کسی نے مکار مار کر ادھ موا کر دیا ہے۔جسم ٹوٹا ٹوٹا سا رہتا ہے۔نزلے کا مریض ہوں۔پیٹ مسلسل خراب رہتا ہے۔کبھی گیس کبھی جلن،معدے کا بہت علاج کیا مگر بے سود،معمولی سی بات پر رونا آجاتا ہے۔اگر ضبط کروں تو نہیں ہوتا۔دل بہت گھبراتا ہے۔پتہ نہیں کیوں ہر وقت دھک دھک کرتا رہتا ہے۔ٹانگیں اور ہاتھ کپکپاتے ہیں۔کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔تنہائی پسند ہوں۔مجمع سے گھبراتا ہوں۔بیوی پوچھتی ہے کہ تمہیں کیا روگ لگ گیا ہے۔تم کس غم میں مبتلا ہو۔تمہیں چار پانچ بیٹیوں کی شادی کرنی ہے اگر یہی حالت رہی تو اتنا بڑا بوجھ کس طرح اُٹھاؤ گے۔اتنے وہم آتے ہیں کہ خدا کی پناہ! گھر سے باہر نکلتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔وغیرہ وغیرہ یہ خط ایک نوجوان ''س'' نامی کا ہے۔خط کے آخر میں انہوں نے اپنی جنسی بیماریوں کی تفصیل بیان کی ہے۔میں نے ابھی جذباتی ہیجان کا ذکر کیا ہے۔جو نفس کے اندر گھٹ کر رہ جاتا ہے۔اس نوجوان نے اپنی جو شکایات بیان کی ہیں۔ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ جذباتی دباؤ کا اثر جسم پر کس قدر

شدید ہوتا ہے۔ امرواقعہ یہ ہے کہ جسم ذہن کا آلہ کار ہے اور تقریباً تمام جسمانی امراض کا بنیادی سبب ذہن کی کوئی نہ کوئی حالت ہوتی ہے۔ یہ نوجوان ایک ایسی لاشعوری کشمکش سے گزر رہا ہے۔ جس نے اسے ہر اعتبار سے کمزور کردیا ہے۔ ذہنی اعتبار سے بھی اور جسمانی اعتبار سے بھی۔ اس نوجوان کے لئے مشق متبادل طرز تنفس اور خود نویسی کی تجویز کی گئی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان مشقوں سے رفتہ رفتہ ذہنی حالت میں بھی تبدیلی ہوگی۔ جہاں تک اعصابی شکایت اور دل ودماغ کی کمزوری کا تعلق ہے۔ تو میں نے اس مریض کے لئے مشہور دوا 'دوا المسک' تجویز کی ہے۔

مابعدالنفسیات

آپ اپنے مضامین میں بار بار "مابعدالنفسیات" کی اصطلاح" استعمال کرتے ہیں۔ نفسیات کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہے کہ یہ کردار اور آموزش کردار کا علم ہے۔ یعنی انسان کے کردار کے مطالعہ سے اسکی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانا! لیکن یہ مابعدالنفسیات کیا چیز ہے؟ انسانی ذہن کی تمام کیفیتیں اس کی تمام حیثیں اور اس کی تمام خواہشیں نفسیات کے ضمن میں آتی ہیں۔ تو پھر یہ مابعد النفسیات کیا چیز ہوئی۔

(شاہدالحسن شعبہ نفسیات کا طالب علم)

حواس خمسہ کے بعد

برادرم عرض یہ ہے کہ نفسیات کا فن حواس خمسہ اور اس کے اعمال ونتائج سے بحث کرتا ہے یعنی دیکھنا، سونگھنا، چکھنا، چھونا، ان حسوں کا تعلق اور ان حسوں کے کردار پر جو اثرات پڑتے ہیں۔ ان پر ماہرین نفسیات بحث اور غور وفکر کرتے ہیں لیکن انسان کے کچھ اور بھی حواس ہیں۔ مثلاً چھٹی حس کہ اس کے ذریعہ کشف ووجدان کی کارگزاریاں ہمارے علم میں آتی ہیں۔ قدیم علم النفس کی رو سے انسان پانچ ظاہری حسوں اور پانچ باطنی حسوں کا مالک

ہے۔مثلاً حافظہ، تخیل تصور اور واہمہ وغیرہ مابعد النفسیات کی رو سے انسانی حسوں کی کوئی انتہا نہیں۔ہم جس چیز کو سپر نارمل یا خارق العادات کہتے ہیں۔مثلاً مستقبل کے بارے میں سچے خواب اس کا تعلق مابعد النفسیات سے ہے۔نفسیات سے نہیں۔اگر میری تصانیف نفسیات ومابعد النفسیات (حصہ اول، دوم، سوم) اور مظاہر نفس آپ کی نظر سے گزری ہوں گی۔تو آپ کو خود اندازہ ہوگا کہ نفسیات ومابعد النفسیات میں کیا فرق اور کیا علاقہ یعنی تعلق ہے۔

داستان درد

اس دنیا میں اپنے دکھ درد کے ساتھی اور خیر خواہ ایک آپ ہی نظر آئے۔آپ کے مشورے درد مندوں کے لئے روشنی کی حیثیت رکھتے ہیں۔میں جس کرب میں مبتلا ہوں۔دوسرے اس کا احساس بھی نہیں کر سکتے۔آہ!اس کرب کی شدت مجھ سے پوچھئے میری والدہ بمبئی کے عیسائی کانونٹ (اسکول) کی شاید یتیم بے سہارا بھولی بھولی اور کم عمر طالبہ تھیں۔والد صاحب سندھی مسلمان اور22,23 سال کے بظاہر خوبصورت اور تعلیم یافتہ شخص۔وہ بمبئی میں وکالت کی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور مسیحی برادری سے ہم پیالہ وہم نوالہ تھے۔والد بزرگوار نے عیسائی کانونٹ اسکول میں پڑھنے والی معصوم وسادہ مزاج لڑکی سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا اور عیسائی طریقہ پر ان کا نکاح ہماری امی سے ہوگیا۔اس زمانے میں ابا جان باقاعدہ چرچ جاتے اور مسیحی طرز زندگی پر عامل تھے۔قیام پاکستان کے بعد ہمارا خاندان بمبئی سے حیدرآباد منتقل ہوگیا۔اور یہاں باضابطہ اسلامی طریقہ پر دونوں کا نکاح ہوا اب امی برقعے میں رہنے لگیں۔میری سب سے بڑی بہن کی ولادت یہیں ہوئی۔پھر ہم حیدرآباد سے کراچی چلے آئے۔والد بزرگوار حسن پرست اور عاشق مزاج واقع ہوئے تھے۔یہاں انہوں نے عیسائی لڑکیوں سے رسم وراہ بڑھانی شروع کی۔اور ان پر کافی پیسہ خرچ کیا۔ہم چار بہنیں اور چار بھائی ہیں۔والد کا سلوک اولاد کے ساتھ خوشگوار نہ تھا۔یہ صحیح ہے کہ انہوں نے بچوں کی تعلم پر کافی پیسہ خرچ کیا۔مگر اصل چیز کو فراموش کر دیا۔یعنی تربیت اولاد کی طرف سے غافل رہے۔بچوں کو باپ کی

شفقت نصیب نہ ہوئی پھر گھریلو جھگڑے شروع ہو گئے ۔ ستم ظریفی یہ کہ مذہبی اعتبار سے نہ ہم عیسائی رہے نہ مسلمان بن سکے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

کچھ دن بعد بڑی بہن کی شادی ایک دولت مند زمیندار کے ساتھ ہوئی جو تین بچوں کا باپ ' عیاش اور شرابی تھا۔ ہائے ۔ میری بے زبان بہن کی زندگی تباہ ہوگئی ۔ اب وہ غریب اس دنیا میں نہیں ہے ۔ اور اس کے اٹھوں بچے رل رہے ہیں ۔ خیر بہن کی شادی کے بعد امی نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کئے نہ جانے کس کے بہکاوے میں آ گئیں یا پہلے کی دبی ہوئی خواہشات ابھر آئیں ۔ اب گھر میں وہ خانہ جنگیاں شروع ہوئیں کہ خدا کی پناہ دوسری بہن نے اس ناساز گار ماحول میں بی اے کیا ۔ اور امی ابا میں طلاق واقع ہوگئی ۔ والدین کی طلاق کے بعد ہم بہت سہمے سہمے رہتے تھے ۔ تینوں بڑے بھائی لاپتہ ہوگئے ۔ والد اپنی عیسائی محبوبہ (گوانی لڑکی) کو لے کر الگ ہوگئے ۔ اور اس کے بچوں کی سرپرستی کرنے لگے ۔ جب کہ ہم بے آسرا اور بھوکے تھے ۔ امی کے حالات ناقابل بیان تھے ۔ حتیٰ کہ انہوں نے ہمیں ''بوائے فرینڈز'' رکھنے کی اجازت بھی دیدی تھی ۔ ہمارے قدموں میں لغزش نہ آئی تھی ۔ رفتہ رفتہ کچھ ماحول کی کوفت مٹانے کچھ سہیلیوں کے سمجھانے سے میری طبیعت بھی کھلی لیکن

تک دیکھ لیا دل شاد کیا

سے آگے نہ بڑھ سکی ۔ میں اس زمانے میں کافی خوبصورت اور پرکشش تھی ۔ صنف مقابل کے افراد بے تحاشہ میری طرف کھنچتے تھے مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ حد سے تجاوز کر سکے ۔ بے باک ضرور تھی ۔ بزدل نہ تھی ۔ جب فرسٹ ایئر میں تھی تو میرا جیون ساتھی مجھ سے ٹکرایا ۔ شروع میں صرف ہنسی مذاق تک بات محدود رہی ۔ میرا دوست جو کہ بعد میں شوہر قرار پایا ۔ بہت خاموش اور شرمیلا تھا ۔ جب میری سہیلی کے دوست کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے کہا کہ تم ہرگز اس کے چکر میں نہ آنا ۔ یہ شادی شدہ ہے ۔ جب میں نے اس سے باز پرس کی ۔ تو صاف مکر گیا اور

اللہ رسول کی قسمیں کھانے لگا۔ میں عجب تذبذب میں مبتلا ہوگئی۔ ایک طرف تو خود اس کی طرف شدید میلان اور دوسری طرف اس کی یقین دہانی کبھی میں اس سے روٹھ جاتی۔ کبھی دل مجھ سے روٹھ جاتا۔

پہلے میں دل سے خفا رہتا تھا
اور اب مجھ سے خفا ہے میرا دل

میں ہرگز نہ چاہتی تھی کہ وہ ہمارے گھر آئے کیونکہ اس طرح سارا راز فاش ہوجاتا۔ ہمارے گھر کے حالات اس قابل نہ تھے کہ کسی اجنبی کو گھر بلا سکتے۔ والدین کی ناچاقی۔ آپس کی چخ چخ لیکن وہ نہ مانا اور اس نے ہمارے یہاں آمدورفت شروع کردی۔ اور اسے وہ سب کچھ معلوم ہوگیا۔ جو میں چھپانا چاہتی تھی لیکن اس کا جی نہ میلا ہوا۔ اس نے کہا کہ تم ہر حال میں مجھے قبول ہو۔

قہر یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کہ تم میرے لئے ہوتے

اب میں نے بھی ہر حال میں برباد ہونے کی قسم کھالی تھی۔ ہم دونوں میں میاں بیوی کے تعلقات قائم ہوگئے۔ اور میں اُمید سے ہوگئی۔ یہ غیر معمولی واقعہ تھا۔ کافی لعنتیں کی گئیں۔ میں عرق پشیمانی میں تربتر تھی۔ انجام کار بڑے ہنگاموں کے بعد میری شادی اس سے ہوگئی۔ شادی کے بعد پتہ چلا کہ یہ ان کا عقد ثانی ہے اور وہ ایک بچے کا باپ بھی ہے۔ ہمارے خسر نے انہیں الٹی میٹم دے دیا کہ اس لڑکی کو طلاق دے دو جب انہوں نے پس وپیش کی تو ان کا خرچہ بند کردیا۔ میرے پاس بھی کیا دھرا تھا؟ فاقے ہونے لگے۔ ایک دن میرے سرتاج کہنے لگے کہ میں پرستش کی حد تک تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں ننگا بھوکا نہیں دیکھ سکتا۔ والد صاحب کو خوش کرنے کیلئے میں تمہیں جھوٹ موٹ طلاق دیدوں گا۔ البتہ تمہارا خرچہ میرے ذمہ ہے۔ میں بہت روئی گڑگڑائی۔ وہ بھی بے حد اداس تھے۔ کہتے رہے میں تمہارے لئے زندہ ہوں۔ تمہارے لئے زندہ رہوں گا۔ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے جدا نہیں کرسکتی۔ تم میری جان!

مجھ پر سو فیصدی اعتبار کرو۔ بھروسا کرو میں کیا کرسکتی تھی۔ آخر ان کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور برقعہ سر پر ڈال، سوا مہینے کی بچی کو گود میں لے۔ ان کے ساتھ چیئر مین کے دفتر میں حاضر ہوگئی۔ اب ایک عجیب بات سنیئے۔ اسی رات میرے شوہر کی لڑائی اپنی پہلی بیوی سے ہوئی اور انہوں نے پہلی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں۔ بڑی لمبی کہانی ہے۔ ہم در بدر پھرتے رہے۔ آخر میرے سسر نے زبردستی ہمیں اپنے گھر بلالیا۔ معافی تلافی ہوئی اور اب میں اپنی سسرال میں مقیم ہوں۔ یہ ہے جناب رئیس! میری داستان درد! میرے مزاج میں عجیب قسم کی وحشت سا گئی ہے ذرا ذرا سی بات پر لڑتی ہوں۔ بچوں کو مارتی ہوں۔ شوہر کو جھڑکتی ہوں۔ سسرال والوں پر بگڑتی رہتی ہوں۔ نہ کھانے کو جی چاہتا ہے۔ نہ پینے کو۔ شوہر بھی چڑ چڑا اور بدمزاج ہوگیا ہے۔ غصے میں آتا ہے تو نہ جانے کیسی کیسی گالیاں بکتا ہے۔ آوارہ' بدکردار' رنڈی' چھنال تو معمولی خطاب ہیں۔ اتنی لڑائی جھگڑے اور مار کٹائی کے بعد اگر شوہر کی زبان سے پیار کا کوئی فقرہ نکل جاتا ہے تو جھوم جھوم جاتی ہوں۔ بیزاری' بے اعتباری مایوسی، خود آزاری ، الغرض، ایسی عجیب وغریب حالتیں گزری ہیں کہ بیان نہیں کرسکتی۔ اے ناخدا! میری کشتی کو ساحل سے لگادے۔ الٰہی میں نے اپنے مرنے کی دعائیں بہت مانگی ہیں مگر صحت مند ہوکر مرنا چاہتی ہوں اور مجھے رئیس امروہوی صحب مند بنادیں گے۔ آپ سے اُمید رکھوں نا؟

(ج۔ الف)

خشت اول

یہ کہانی کس قدر غم انگیز ہے۔ یہ داستان کتنی پر درد ہے۔ پچھلے مضمون میں بھی ایک لڑکی کا افسانہ غم بیان کیا گیا تھا۔ یہ مضمون بھی اسی موضوع کی نذر ہوگیا۔ درحقیقت زندگی ان ہی غموں 'ان ہی دکھوں' ان ہی جھمیلوں اور ان ہی ہنگاموں سے عبارت ہے۔ مشہور فارسی شعر ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثر یا لی رود دیوار کج

اگر معمار شروع میں بنیاد کی اینٹ ٹیڑھی رکھ دے تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی اُٹھے گی۔ بچپن میں جو کردار کی نشو و نما کا زمانہ ہے انسانی کردار میں کجی پیدا ہو جائے تو بعض حالات میں عمر بھر کی کج روی کا سبب بن جاتی ہے۔اے عزیزہ! تمہاری موجودہ بے راہ روی، ماحول کی ناسازگاری کا منہ بولتا ثبوت ہے جس کدورت آمیز اور کربناک ماحول میں تمہاری ذہنی نشو و نما ہوئی۔ (جس کی تفصیل تم نے اتنی صفائی سے بیان کی ہے) اس کا تقاضا ہی یہ تھا کہ تم ''تودۂ بارود'' بن کر رہ جاؤ۔ جو ذرا سی آنچ دکھانے سے دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتا ہے تمہارے اندر بیزاریوں' محرومیوں' مایوسیوں' بے اعتنائیوں' الجھنوں اور کشمکشوں اور جذباتی طوفانوں کا لاوا کھول رہا ہے۔تمہارے چڑچڑے پن کا سبب یہی ہے' تم خود اقرار کرتی ہو کہ مجھے اپنے مزاج پر قابو نہیں رہا۔اس کا سبب شدید حساسیت ہے اور شدید حساسیت کی وجہ وہ تباہ کن تجربات ہیں جن سے تم گزری ہو۔گزرتی رہی ہو۔باپ کی سرمہری ماں کی بے عنوانی بہن کی بے بسی بھائیوں کی بے پروائی ایک امتحان ہو تو اس کا رونا رویا جائے۔یہاں تو زخم ہی زخم داغ ہی داغ اور درد ہی درد ہیں۔ یہ مر قابل اطمینان ہے اور میرا حوصلہ تمہارے اس فقرے سے بندھتا ہے کہ میں صحت مند ہو کر جینا چاہتی ہوں۔ (مرنے کا ذکر مت کرو۔موت تو ہر چیز کا خاتمہ ہے) تم صحت مند ہو سکتی ہو۔اور صحت مند ہو جاؤ گی۔بس ایک چیز ذہن نشین کرلو کہ بظاہر اپنی ذہنی کیفیت کو بدلنا بہت دشوار لگتا ہے۔۔بے حد مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے کام لیا جائے تو آخر کار ہم اپنے کو بدل سکتے ہیں البتہ اس میں محنت بہت پڑتی ہے۔ جو لوگ نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔وہ ظاہر ہے کہ وہ قوت ارادہ سے محروم ہوں گے۔قوت ارادہ کا فقدان ہر قدم پر راستہ روک لیتا ہے اور وہ چاہنے کے باوجود اپنے غصے کے اپنی محرومی اور اپنی مایوسی پر غالب نہیں آپاتے۔ یہ توقع کر کے بیک نظر یا بیک لفظ تم اپنے کردار کی تمام خامیوں کو دور کر دو گی۔شخصیت کے تمام رخنوں اور ذہن کے تمام شگافوں کو بھر دو گی یہ توقع یقین کرو بی بی! فریب نفس پر مبنی ہے۔سب سے پہلے تم اپنے شوہر اور سسرال والوں کو اپنی مجبوریاں بتا دو۔ کہہ دو کہ میں ایک عجیب عذاب میں مبتلا

ہوں کہہ دو کہ میں ایک اچھی بیوی اور ایک اچھی دلہن بننا چاہتی ہوں مگر کسی اندرونی کمزوری کے سبب (جس پر وقتی طور سے غالب نہیں آ سکتی) میں بعض اوقات بہت بری عورت بن جاتی ہوں۔ بعد کو کڑھتی ہوں' پچھتاتی ہوں اور گھنٹوں اپنی حالت پر آنسو بہاتی رہتی ہوں۔ یہ تمام باتیں اپنے شوہر کو اور ان کے عزیزوں کو بے جھجک بتا دو۔ اس طرح وہ لڑنے جھگڑنے کے معاملہ میں تمہیں معذور سمجھنے لگیں گے۔ اس کے بعد تم خود اپنا محاسبہ کرنے کی کوشش کرو۔

محبوبہ یا ماں

پشاور سے اے رحیم لکھتے ہیں کہ میں ایک اذیت ناک عذاب میں مبتلا ہو۔ انتہائی حساس مذہبی جذبات میں شدت سے مبتلا عشق و محبت میں رچا ہوا۔ غالباً یہ مصرعہ میرے ہی لئے کہا گیا ہے۔

میں محبت ہی محبت ہوں محبت کی قسم

پانچ برس کی عمر میں والدہ فوت ہو گئیں۔ بچپن سے اداس اداس اور کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ کسی چیز کی ہمیشہ کمی محسوس ہوئی۔ فرصت کے اوقات میں جنگل' ویرانوں اور قبرستانوں میں گھومتا پھرتا۔ کبھی کبھی یہ احساس ہوتا کہ جیسے کوئی دل کو دو انگلیوں سے مل رہا ہے۔ سینے میں انجان آگ سی جلتی رہتی۔ سکون قلب سے ہمیشہ محروم رہا ہوں۔ نہ درد گیا نہ دوا ہی ملی۔ دو سال ہوئے ایک چچیری بہن سے بیس سال بعد اتفاقیہ ملاقات ہوئی۔ میں ان کے گھر مہمان ہوا۔ عمر میں مجھ سے پندرہ سال بڑی ہیں۔ ان کے بچے بھی تقریباً جوان ہیں۔ میری اس چچا زاد بہن کو اپنے بچوں سے بڑی محبت ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے ان چچا زاد بہن کے روپ میں اپنی ماں نظر آنے لگیں۔ بہن بھائی کا رشتہ ماں بیٹے کے رشتے میں بدل گیا۔ بہن کے بچے جب انہیں "ماں جی" کہہ کر پکارتے تو دل پر چوٹ سی لگتی۔ افسوس ہوتا کہ میں اب تک کسی کو امی کہہ کر نہ پکار سکا۔ (عرض کر چکا ہوں کہ جب ماں فوت ہوئیں۔ تو میری عمر پانچ سال کی تھی) میں ماں کہنے' ماں کہہ کر پکارنے کی لذت سے آج تک محروم ہوں۔ مجھے روحانی طور پر یقین ہو گیا کہ یہ میری بہن نہیں ماں ہیں۔ جب یہ میری ماں ہیں تو پھر ان کی محبت پر بلا شرکت غیر

ے میرا حق ہے۔ان بچوں نے میری ماں پر قبضہ کر رکھا ہے۔انتہا یہ ہے کہ مجھے اپنی چچیری بہن کے بچوں سے رشک وحسد سا محسوس ہونے لگا۔میں نے ہر طریقہ سے بہن کو اپنی فرزندانہ محبت کا یقین دلانے کی کوشش کی۔پاؤں چومے انہیں آپا کے بجائے امی کہہ کر پکارنے کی کوشش کی۔مگر حقیقت تو حقیقت ہے۔میں اس کا بیٹا نہ تھا۔تھا تو چچازاد بھائی ہی۔یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ مجھ سے بیٹے کی طرح محبت کرنے لگتی۔مجھے حقیقی معنی میں اپنا فرزند بنالیتی۔محرومی کے سبب برابر میں اس کوشش میں لگا رہا کہ بہن سے مزید قربت پیدا ہو۔میں اس کی زیادہ سے زیادہ توجہ کا مرکز بن جاؤں۔بہن کی بڑی لڑکی یعنی رشتے کی بھانجی کی عمر پندرہ سال ہے۔صرف بہن کی خاطر میں نے اس پندرہ سالہ لڑکی کو نسبت کا پیام دلوایا۔منگنی ہوئی۔درحقیقت مجھے بھانجی سے دلچسپی نہ تھی۔اس کی ماں سے تھی اور ہے۔جسے میں اپنی ماں بنانا چاہتا ہوں۔شاید دو تین مہینے میں میری اس بچی سے شادی ہو جائے گی لیکن عجیب بات ہے کہ میں اپنی منگیتر کی نسبت سخت سرد مہری محسوس کرتا ہوں۔دماغ میں ہر وقت ایک ہیجانی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔جنون سا طاری رہتا ہے۔صرف اس لئے کہ ماں کی محبت سے کیوں محروم ہوں بہن میری ماں کیوں نہیں بنتی۔وہ مجھے بیٹا کہہ کر کیوں نہیں پکارتی۔ساتھ ہی یہ بھی احساس مایوسی ہے کہ منگیتر معمولی شکل وصورت کی ہے۔جناب میں نے خود اپنا تجربہ کیا ہے۔دل کو بار بار ٹٹولا تو ہمیشہ یہی محسوس ہوا۔کہ بہن سے میری محبت سو فیصد پاکیزہ اور فرزندانہ ہے۔میں ایک معصوم بچے کی طرح بہن سے محبت کرتا ہوں۔صرف یہی آرزو ہے کہ مجھے وہی محبت ملے جو بیٹے کو ملنی چاہئے۔عجیب بات یہ ہے کہ میری ایک سگی بہن بھی ہے۔اس کے بچے بھی ہیں مگر ان چچیری بہن سے جس قدر محبت ہے۔(بخدا یہ پاکیزہ محبت ہے) اتنی سگی بہن سے بھی نہیں۔یہاں تک کہ اس رشتہ کو مضبوط کرنے کیلئے وہاں رشتہ طے کیا۔اس بہن کے بچے کی عمر بائیس سال ہے۔جب وہ اپنے بائیس سالہ بچے کو پیار کرتی ہے۔ماں کی طرح پیش آتی ہے تو خدا کی قسم میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔عجب روحانی عذاب محسوس ہوتا ہے۔اس تکلیف کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔بہن کو امی جان کہہ کر میں اپنی بے پناہ

محبت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں مگر وہ ایسا نہیں کرسکتی۔اس کے امکان میں نہیں ہے۔کہ ماں بن کر دکھائے۔وہ میرے جوش جذبات سے ناواقف ہے۔بھلا اس کے دل پر میرا کیا زور چل سکتا ہے۔خدا گواہ ہے کہ میں انتہائی تکلیف دہ دماغی کرب میں مبتلا ہوں۔بھاگ بھاگ کر باہر جاتا ہوں اور ہر بار روتا ہوا اندر آجاتا ہوں۔عجب قسم کا رشک وحسد ہے جس کی آگ میں جلتا بھنتا رہتا ہوں۔خدارا بتائیے کہ میں اس روحانی عذاب سے کس طرح نجات پاؤں؟ اگر یہ حالت جاری رہی تو یقیناً پاگل ہوجاؤں گا۔آج بھی نیم پاگل پن کی حالت طاری ہے' جلد توجہ کریں۔

جنون محبت

اے رحیم نے جنون محبت کا تجزیہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ عمر میں پندرہ سالہ بڑی بہن سے ان کی محبت بالکل پاکیزہ ہے۔وہ ان کا بیٹا بننا چاہتے ہیں۔اور بس میں یہ عرض کروں گا کہ اے رحیم زبردست غلط فہمی میں مبتلا ہیں' وہ برابر اپنے کو خود فریبی سے بہلا رہے ہیں۔اور انہوں نے حقیقت پر اتنے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں کہ اصل معاملہ نظر سے اوجھل ہوگیا۔اے رحیم نے لکھا ہے کہ جب وہ پانچ سال کے تھے تو ماں کا انتقال ہوگیا۔ماں کے انتقال کے بعد اے رحیم کی کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ

☆ کھوئے کھوئے اور اداس سے رہتے۔

☆ فرصت کے اوقات جنگلوں' ویرانوں اور قبرستانوں میں گزارتے۔

☆ کبھی کبھی یہ احساس ہوتا جیسے کوئی دل کو دو انگلیوں سے مل رہا ہے۔

☆ سینے میں ہمیشہ انجان سی آگ جلتی رہتی۔

☆ سکون قلب سے ہمیشہ محروم رہے نہ درد ہی گیا نہ دوا ملی۔

جس بچے کی پرورش' محرومی مایوسی' اداسی' کمپرسی' ویرانی اور تنہائی کے اس انتہائی کرب ناک ماحول میں ہوئی ہو آگے چل کر اس کی جو ذہنی کیفیت ہوگی۔اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں

۔اے رحیم کا اپنے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ:

میں محبت ہی محبت ہوں محبت کی قسم

یہ تھی دل و دماغ کی حالت کہ بیس سال بعد اُن کی ملاقات اپنی چچازاد بہن سے ہوئی۔ وہ ان کے گھر مہمان رہنے لگے۔ چچازاد بہن ان سے پندرہ سال بڑی اور صاحب اولاد ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ رحیم کو اپنی خواہر عم زاد سے جو محبت ہے اس میں کہیں کھوٹ ہے۔ بے شک بظاہر کوئی کھوٹ نظر نہیں آتی وہ صرف چچازاد بہن سے یہ چاہتے ہیں کہ انہیں بیٹا سمجھیں اور بیٹے ہی کی طرح پیار کریں۔ یہ مطالبہ اگر اپنی حدود میں رہے اعتدال سے نہ گزرے تو سو فیصد قدرتی ہے اور ہوسکتا ہے ۔عمر میں پندرہ سال بڑی چچازاد بہن کو ماں بنایا جاسکتا ہے اور بہت سے لوگوں کی منہ بولی مائیں موجود ہیں جن میں مادرانہ 'فرزندانہ محبت کی گرمجوشی اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ خود میری پرورش میری خالہ سیدہ ناطقہ خاتون مرحومہ نے کی ہے۔ میں بچپن میں ان ہی کو ماں سمجھتا تھا۔ مجھے ان سے اتنی محبت تھی۔ جتنی ایک بچے کو اپنی ماں سے ہوسکتی ہے۔ اے رحیم بڑی بہن کو ماں بنا کر بھی اعتدال وتوازن کی زندگی بسر کرسکتے تھے۔ یہ کیا کم ہے کہ اس نیک بخت نے اپنی پندرہ سالہ لڑکی کی منگنی ان کے ساتھ کردی۔

اے رحیم اس سے زیادہ کیا چاہتے ہیں؟

نفس کے دھوکے

کوئی انسان قلب کے خطروں اور نفس کے دھوکوں سے محفوظ نہیں۔ ہماری اپنی گہرائیوں میں ایسے کئی بھنور ہیں۔ جن کے پیچ وتاب کا کوئی اندازہ نہیں۔ رحیم صاحب کے نفس میں بھی ایک بھنور ہیں۔ جس کی تہہ تک پہنچنے سے وہ اب تک قاصر ہیں۔ اور اس وقت تک قاصر رہیں گے جب تک بے رحمی سے کام لے کر خود اپنے اوپر روحانی عمل جراحی نہ کریں گے۔ خود رحیم صاحب غور کریں کہ اُن کے قول وعمل میں کتنا تضاد پایا جاتا ہے۔ رحیم صاحب کی حقیقی بہن موجود ہیں اور پھر صاحب اولاد! ماں کے بعد ان کی حقیقی محبت کی مستحق سگی بہن تھی۔ سگی بہن

ماں کے فرائض بھی انجام دے سکتی تھی۔ رحیم صاحب پر جنون محبت کا دورہ پڑا تو چچیری بہن سے کیا یہ عجیب بات نہیں۔ اس سے واضح تضاد کیا ہوگا۔ خیر تسلیم کر لیا۔ کہ انہیں عم زاد بہن کے روپ میں ماں کا چہرہ نظر آتا ہے مگر جب وہ نیک بخت اپنے بچوں کو پیار کرتی ہے انہیں چومتی ہے سینے سے لگاتی ہے تو رحیم صاحب پر رشک وحسد کا دورہ کیوں پڑ جاتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ رحیم صاحب کا پورا طرز عمل اس سلسلہ میں غیر قانونی، غیر طبعی اور غیر عقلی ہے۔ صورتحال میں ایک الجھاؤ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اس گھر کے داماد بھی بن گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی بھانجی کو صرف اس لئے پیام دیئے کہ اس طرح بہن سے زیادہ قربت اور نزدیکی پیدا ہو جائے گی۔ اب دو تین مہینے بعد شادی ہونے والی ہے۔ بدنصیبی یہ ہے کہ انہیں اپنی منسوبہ پسند نہیں۔ کتنی ناقابل قیاس حقیقت ہے کہ جس عورت سے وہ اس درجہ محبت رکھتے ہیں (ماں کی نسبت ہی سہی) اسکی لڑکی کی طرف ان کا میلان نہیں۔ رحیم صاحب کو اس خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ میں اپنا تجزیہ خود کر لیا ہے۔ اور میں مطمئن ہوں کہ چچیری بہن سے میری محبت بالکل پاک صاف ہے۔ یہاں پھر اے رحیم کے نفس نے انہیں دھوکا دیا ہے۔ بہن سے ان کی محبت جس پر فرزندی اور بیٹے ہونے کا نقاب پڑا ہے بڑا پر پیچ معاملہ ہے۔ کوئی شخص اپنا تجزیہ خود نہیں کر سکتا۔ ہزارہا نفسیاتی مریض میری نظر سے گزر چکے ہیں۔ ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جو اپنے کردار کی کمزوریوں اور رویئے کی پیچیدگیوں کا خود اندازہ لگا سکے۔ وہ جب بھی اپنے عیب چننے بیٹھتا ہے اور اپنی عیب بینی کی جرأت ہے کس میں۔۔۔ فوراً ذہن کا دوسرا حصہ ہر عیب کو ہنر ثابت کرنے اور خامی کا کوئی نہ کوئی عذر تلاش کرنے میں لگ جاتا ہے۔ یقیناً رحیم صاحب نے اپنے کو ٹٹول کو دیکھا ہوگا۔ اور فوراً فتویٰ صادر کر دیا ہوگا۔ کہ نہیں چچازاد بہن سے میری محبت اور الفت فرزدانہ خلاص پر مبنی ہے۔ میں ان کا بیٹا وہ میری ماں۔ بظاہر ان کا قول صحیح ہے لیکن یہ معاملہ اتنا دوٹوک نہیں کہ فقط ہاں یا نہیں کہنے سے اس کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اے رحیم بے حد حساس واقع ہوئے ہیں۔ اور واقعی ایسے حساس لوگ کسی نہ کسی جنون میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں۔

لوگ میری وحشت پر اے رئیس کہتے ہیں
کیا جوان اٹھا ہے قیس کے گھرانے سے

سودازدہ

طب یونانی کے نقطہ نظر سے ان کا مزاج سوداوی ہونا چاہئے۔ سوداوی مزاج والے کوئی نہ کوئی سودا پال لیا کرتے ہیں۔ نفسیات میں سوداوی مزاج رکھنے والوں کو ''بینوراتی'' یا عصبی'' کہا جاتا ہے۔ مشہور عالم نفسیات کارل ینگ نے انسانوں کی دو قسمیں کی ہیں۔ 1۔ دروں بیں۔ 2۔ بروں بیں۔ دروں بیں لوگ اپنی ذات کے والہ وشیفتہ ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے اندر جھانکتے رہتے ہیں۔ انہیں کبھی اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ سر اٹھا کر گرد و پیش کی دنیا کا نظارہ بھی کر لیں۔ البتہ بروں بیں لوگوں کا طبقہ حقیقت پسندوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو بھی واجبی اہمیت دیتے ہیں۔ (جس حد تک وہ اہمیت دینے کی مستحق ہے) اور زندگی کی عملی حقیقتوں کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ بروں بیں لوگوں میں حالات کے مطابق بدل جانے اور ماحول کے سانچہ میں ڈھل جانے کی صلاحیت ہوتی ہے اور یہی صلاحیت عملی زندگی میں ان کی کامیابی کی ضمانت بنتی ہے۔ کارل ینگ کا بیان ہے کہ ہر انسان میں یہ دونوں چیزیں دروں بینی اور بروں بینی پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف یہی ہے کہ کسی پر دروں بینی غالب ہوتی ہے۔ کسی پر بروں بینی' انسانوں کی نمایاں اکثریت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان زندگی بسر کرتی ہے۔ اپنی طرف دیکھتی ہے۔ تو دروں بینی کی صلاحیت بروئے کار آ جاتی ہے۔ دنیا کی طرف دیکھتی ہے۔ تو بروں بینی کی استعداد سے کام لینے لگتی ہے۔ البتہ غیر معمولی حساس لوگ کسی ایک انتہا کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور دروں بینی (یعنی اپنی ذات سے جونک کی طرح چمٹ جانا) کے بحر ظلمات میں غرق ہو جاتے ہیں' میں ''دروں بین'' لوگوں کو سودازدہ کہا کرتا ہوں اے رحیم مجھے معاف فرمائیں وہ بھی مزاج کے اعتبار سے سودازدہ ہی ہیں۔ پانچ برس کی عمر میں ماں سے جدائی کا صدمہ اتنا موثر ہوا کہ وہ کھوئے کھوئے اور اجاڑ اجاڑ سے رہنے لگے۔ ان کا جی جنگلوں ویرانوں اور قبرستانوں میں بہلتا۔

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

آغاز جوانی اور عہد جوانی میں وہ کس جذباتی کشمکش سے گزرے؟ کس وحشت و ویرانی سے دو چار ہوئے۔ پانچ سال سے لے کر بیس اکیس سال تک ان کے دل و دماغ کی کیا کیفیت تھی؟ رحیم صاحب کی داستان حیات کے یہ ابواب میری نظر سے اوجھل ہیں۔ مجھے تو صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ بیس سال بعد وہ چچازاد بہن کے گھر مہمان ہوئے اور انہیں ''ماں'' سمجھ کر پوجنے لگے اور اس پرستش میں جو مبالغہ پیدا ہوا اس کی تفصیل انہوں نے اپنے خط میں بیان کی ہے۔ اب چچیری بہن ان کی منہ بولی ماں ہی نہیں، ساس بھی بن چکی ہیں دو تین مہینہ میں شادی خانہ آبادی کی تقریب منعقد ہونے والی ہے میرے پاس یا کسی معالج نفسیات کے پاس کوئی ایسا نسخہ اکسیر اور جرعۂ آب حیات موجود نہیں کہ مریض کو چٹا دیا جائے۔ اور وہ ہشاش بشاش اور صحت مند اٹھ بیٹھے۔ اپنی چچیری بہن سے مکتوب نگار کی غیر معمولی دلچسپی غیر معمولی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اس پاک دامن گھریلو خاتون کی قربت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جو جو قدم اٹھائے ہیں۔ وہ سب کے سب پر پیچ اور معنی خیز ہیں۔ مثال کے طور پر اپنی پندرہ سالہ بھانجی کو بیوی بنا لینے کی خواہش اور کوشش جس مخفی رجحان کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس کو سمجھنا مشکل ہے میں یہ الزام نہیں لگاؤں گا کہ اے رحیم نے اپنی نیک بخت بنت عم کو لاشعوری طور پر (اپنے علم ارادے اور اختیار کے بغیر) اپنی محبوبہ قرار دے لیا ہے لیکن معاملہ کچھ اسی نقطہ نظر قریب ہے۔ رحیم صاحب کی خدمت میں برادانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ اپنے کو بدلنے کی کوشش کریں۔ یہ از سر نو آموزش کا مسئلہ ہے۔ یعنی انہیں از سر نو زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سیکھنا چاہئے۔ اپنے ذاتی تجزیے پر بھروسہ نہ کریں ان کا ذاتی تجزیہ گمراہ کن ہے۔ اصل حقیقت وہ تو نہیں جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔

ہدف طنز

آپ بگڑی ہوئی نسل کے روحانی باپ ہیں۔ اس پر سوز و گداز فقرے کے بعد بنت۔۔۔ کا خط

شروع ہوتا ہے۔خلاصہ خط کا یہ ہے کہ جب میں تیرہ سال کی تھی۔ان کی طرف کھنچنے لگی۔ان کی طرف جذب وکشش کا سبب گھر کا وہ بے رحمانہ ماحول تھا۔جس نے میری شخصیت کونظر انداز کردیا تھا۔جس کام پر دوسروں کوشاباش ملتی میں اسی کام پر ہدف لعن وطعن وطنز بنائی جاتی۔ظاہر ہے کہ ان تلخ وتند حالات میں مجھے ایک جذباتی سہارے اور روحانی وابستگی کی ضرورت تھی۔وہ شخص مجھے بے حد چاہتا تھا۔شفیق تھا۔ہمدرد تھا۔چنانچہ میں اسکی طرف مائل ہوگئی۔تاآنکہ ہم یک جان دوقالب ہوگئے۔چھ سال میں وہ سب مراحل طے ہوگئے۔جن کا امکان بھی نہ تھا۔انہوں نے اب تک میری وجہ سے شادی نہیں کی۔وہ میرے انتظار میں بیٹھے ہیں۔گھر والے میری شادی پر مصر ہیں۔ذہن بار بار کہتا ہے کہ خودکشی کرلو۔دووجہیں ہیں میں ان سے بے وفائی نہیں کرنا چاہتی کیونکہ وہ اب تک وفا کے راستے پر استوار ہیں۔دوسرے یہ کہ اصولاً یا عملاً تو میری شادی ان سے ہوچکی ہے۔کبھی کی۔پھر دوسری مرتبہ شادی کس طرح کروں؟ میرا شماران لڑکیوں میں ہوتا ہے جو ایک ہی کی ہوکر رہنا چاہتی ہیں۔خدا کے لئے میرے روحانی دوست بن کر مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں؟ کیا دوسرا شوہر مجھ پر اعتماد کرسکے گا۔مہربانی کرکے یہ دعا کیجئے کہ میں مرجاؤں۔طبعی موت مرجاؤں۔میں خودکشی کرنا نہیں چاہتی۔

(بنت-----)

دردناک حالات

آہ کیسے دردناک حالات ہیں۔جن میں ہم اور تم گھرے ہوئے ہیں۔اللہ تو غفور الرحیم ہے۔وہ تو ہر جرم وخطا کو معاف کردے گا مگر بقول شخصے یہ ظالم سماج! نہ کسی کو بخشتا ہے نہ بخش سکتا ہے۔بی بی !خودکشی کے لئے بڑی احمقانہ جسارت کی ضرورت ہے۔تم احمقانہ جسارت کے بدلے عاقلانہ جسارت سے کام کیوں نہیں لیتیں۔خودکشی کے بعد وہی عیب یا جرم یا سبب جس کو چھپانے کے لئے خودکشی کی جاتی ہے۔خودبخود علانیہ اور آشکار ہوجاتا ہے۔یہ ضرور ہے کہ خودکشی کرنے والا لوگوں کی ملامت سے محفوظ ہوکر قبر میں آرام سے جالیٹتا ہے لیکن اس کی شخصیت اور ''امیج'' ہمیشہ کے

لئے ختم ہوجاتا ہے حالانکہ وہ اپنی اسی شخصیت، اسی اناء اور اسی امیج کی شکست کے خوف سے خودکشی کرتا ہے۔ عاقلانہ جسارت ہے کہ تم اپنی ماں کو تحریر، تقریر یا کسی سہیلی کے ذریعہ یہ تمام پوزیشن بتادو۔ جب تک تم اپنی والدہ کو اعتماد میں نہ لوگی۔ ممکن نہیں کہ اس گتھی کو سلجھایا جاسکے۔ جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے تو میں تمہارا ہمخیال ہوں لیکن عملی راستہ (اس مہم کو سر کرنے کا) تمہاری والدہ اپنی ممتا کے سبب خود ہی نکال دیں گی۔

وہی ایک کہانی

آپ کے پاس یقیناً بہت سے خطوط آتے ہوں گے اور ہوسکتا ہے خطوط کی اتنی بڑی تعداد کو پڑھ پڑھ آپ بور ہوتے ہوں اگر آپ میرے خط کا جواب عالمی ڈائجسٹ کے صفحات پر دے دیں۔ تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔ میری عمر سولہ سال کی ہے۔ اس سال میٹرک کا امتحان دیا مگر الجبرا میں کمپارٹمنٹ آ گئی۔ بہرحال پھر امتحان دیا ہے۔ نتیجے کا انتظار ہے۔ میں نے خوشحال گھرانے میں آنکھ کھولی تو ایک ہی شفیق چہرہ نظر آیا۔ وہ تھا بڑی باجی کا چہرہ حالانکہ والد بھی موجود تھے اور والدہ بھی۔ باجی نے مجھے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ جب شام ہوتی تو میں ان کی بانہوں میں لپٹ کر سوجاتا۔ جب میں تیسری جماعت میں تھا تو ہمارا خاندان کسی دوسرے شہر میں منتقل ہوگیا۔ پھر ایک حادثے کے سبب بڑی باجی مجھ سے ہمیشہ کیلئے بچھڑ گئیں۔ اس وقت میں پانچویں جماعت میں تھا مجھے کسی سے لگاؤ نہیں تھا۔ کیوں کہ گھر میں مجھے کوئی پیار نہ کرتا تھا۔ میرا شمار بدصورتوں میں ہوتا ہے لیکن کیا بدصورت خدا کے پیدا کردہ نہیں ہوتے آہ۔ یہ بات کون سمجھ سکتا ہے؟ حالات نے مجھے چڑ چڑا اور بدمزاج بنا دیا۔ کلاس میں میرا شمار ذہین ترین طالب علموں میں ہوتا تھا۔ البتہ گھر میں میری کوئی قدر نہ تھی۔ اگر میں امی سے کوئی فرمائش کرتا تو وہ بری طرح جھڑک دیتیں۔ پھر ہم سابقہ شہر میں لوٹ آئے۔ یہاں مجھے ابھرنے کا موقع ملا۔ اور میں بہترین مقرر (ڈیبیٹر) بن گیا۔ میں نے بہت سے تقریری مقابلوں میں حصہ لے کر درجہ اول کا انعام حاصل کیا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ بچپن ہی سے مجھ پر سنجیدگی

غالب تھی۔ (جس بچے کا گھر میں کوئی ہمدرد نہ ہو وہ کس طرح شوخ ہو سکتا ہے) امی نے مشہور کر دیا کہ میں مغرور ہوں، ضدی ہوں، بدمزاج ہوں اور اتنا ضدی ہوں کہ اگر میرے سامنے سونے کا پہاڑ بھی لگا دیا جائے تو میں اپنی ضد ترک نہ کروں گا۔ آخر کار ہمارے گھر کے مالی حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ ایک وقت کی روٹی بھی مشکل سے میسر آتی تھی۔ ان حالات نے مجھے بے قابو کر دیا اور میں نے امی سے زبان درازی شروع کر دی۔ والد کا سلوک بھی بہتر نہیں تھا۔ ان گھریلو تلخ کلامیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری ذہانت زنگ آلود ہو گئی۔ اور وہ شخص جو گھر سے باہر بہترین مقرر (ڈیبیٹر) تھا سخت کند ذہن بن کر رہ گیا۔ کند ذہنی نے تنہائی پسند بنا دیا۔ اب ہر وقت ریڈیو سے کان لگائے رہتا ہوں۔ اب میں نے خطوط لکھنے اور ریڈیو سننا سب بند کر دیا ہے۔ پھر بھی مجھ پر ڈانٹ پڑتی رہتی ہے۔ گھر کا ماحول گھٹا گھٹا سا ہے۔ جی چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور نکلا جاؤں۔ اب مجھ سے کوئی بات برداشت نہیں ہوتی۔ اگر کسی بات کا جواب نہ دوں تو بخار کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے لڑکیوں کی طرح چلنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ میں جدھر سے گزرنے لگتا ہوں۔ لوگ مڑ مڑ کر مجھے دیکھنے لگتے ہیں۔ اس لئے میں نے باہر نکلنا ترک کر دیا ہے۔

(بھٹی)

کستنی کجی

بھٹی صاحب کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر بچوں کی تربیت سے غفلت برتی جائے تو ان کے کردار میں کتنی کجی، کتنا انحراف، کتنی خامیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بھٹی صاحب عقلی طور پر نہیں تو جذباتی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ وہ محبت سے محروم رہے ہیں اور چونکہ وہ بدصورت واقع ہوئے تھے۔ (اپنے قول کے مطابق) اس لئے انہیں گھر والوں کا گرمجوش پیار نہیں ملا۔ ایک شفیق اور مہربان باجی تھیں۔ وہ بھی کسی حادثہ کا شکار ہو کر ان سے بچھڑ گئیں۔ اور اب وہ یکہ و تنہا رہ گئے ہیں۔ بھٹی صاحب نے مجھ سے مشورہ طلب کیا ہے کہ اب کیا کروں؟ برادرم! آپ نے صورتحال کو

جس مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس سے آپ کی شدید الاحساسی (یعنی ذرا ذرا سی بات کو شدت کے ساتھ محسوس کرنا) کا اندازہ تو ہوتا ہے لیکن یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اندر حقیقت پسندی کی جو صلاحیت موجود تھی۔ وہ رفتہ رفتہ ختم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس دنیا میں، اس ملک میں اس افلاس زدہ شہر میں کتنے بچے ایسے ہیں۔ جو بدترین جہنمی زندگی گزار رہے ہیں۔ بھوک بیماری ،افلاس، جرائم، مصائب، غرض ہر طرح کی بلاؤں میں مبتلا ہیں۔ آپ کی کہانی وہی ایک کہانی ہے جو میں صدہا نوجوانوں کی زبان سے سنتا رہتا ہوں۔ آپ نے جن ذہنی الجھنوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ مریضانہ الجھنیں نہیں یعنی آپ نفسیاتی بیمار نہیں۔ نہ خدانخواستہ کوئی دماغی کمزوری ہے۔ بس صرف جذباتیت غالب آ گئی ہے اور اس عمر میں آدمی جذباتی ہو ہی جایا کرتا ہے۔ نوجوانی اور جذباتی رویہ دونوں ایک ہی چیز ہیں (1) ذہانت کا زنگ آلود ہو جانا (2) کند ذہنی کا احساس (3) مزاج کا چڑ چڑاپن (4) یہ خوف کہ میری تمام صلاحتیں ختم ہو گئی ہیں (5) تنہائی پسندی وغیرہ وغیرہ درحقیقت جوانی کی نفسیاتی علامتیں ہیں۔ بچہ جب بچپن کی حدود سے نکل کر بلوغ کی سرحد میں قدم رکھتا ہے تو اس کی کیفیت اسی اجنبی مسافر کی سی ہوتی ہے جو کسی مانوس ملک کی سرحد سے نکل کر کسی نادیدہ زمین پر قدم رکھے۔ وہ ہر چیز سے چونک جاتا ہے۔ بدک جاتا ہے' اسے ایک خاص قسم کا خوف دامن گیر ہوتا ہے۔ وہ بعض اوقات سخت گھٹن اور تنہائی محسوس کرتا ہے۔ چند روز بعد وہ اس اجنبی دیار سے آشنا ہو جاتا ہے تو پھر کوئی پریشانی باقی نہیں رہتی۔ بچپن، جوانی، ادھیڑ عمر، اور بڑھاپا، یہ چاروں الگ الگ براعظم ہیں۔ جب آدمی ایک براعظم بچپن سے دوسرے براعظم جوانی میں داخل ہوتا ہے۔ یا داخل ہو رہا ہوتا ہے تو اس پر عجیب قسم کی گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ بھٹی صاحب آپ مطمئن رہیں کہ رفتہ رفتہ آپ کا دل و دماغ جوانی کی نئی حقیقتوں سے رابطہ پیدا کر لے گا۔ چڑ چڑاہٹ ،احساس تنہائی، دماغ کا بوجھل پن اور کند ذہنی کا اندیشہ' یہ ساری چیزیں ختم ہو جائیں گی۔ یہی موقع ہے کہ آپ میری تجویز کردہ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت S.C.T کی مشقیں کر لیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ مشقیں صبح و شام دس دس منٹ کرنی پڑتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

یہ سب کیا ہے؟

خط کے ایک کونے پر لکھا ہوا ہے کہ اسوقت رات کے چار بج رہے ہیں اس فقرے سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زیر نظر خط کس کیفیت میں لکھا گیا ہوگا۔ خط کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

تنگ آ چکے ہیں کشمکش زندگی سے ہم
ٹھکرانہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم

لکھتے ہیں کہ تمام جذبوں کے ساتھ آج آپ کی محفل میں وارد ہوا ہوں، امید ہے کہ مایوس نہ کریں گے۔ زندگی میں یہ غم کیوں آتے ہیں؟ پریشانیاں کیوں ساتھ نہیں چھوڑتیں، انسان کس قدر بے بس اور مجبور رہے کہ وقت اور حالات کے دھارے کے ساتھ بہتا رہتا ہے۔ جو قسمت میں لکھا ہے وہ ہو کے رہتا ہے۔ حالات کے رُخ کو کوئی نہیں موڑ سکتا۔ قدرت کے آگے سب بے بس ہیں۔ رئیس صاحب! اس وقت رات کے چار بجے ہیں۔ بے چینی کے سبب آنکھ کھل گئی ہے۔ یہ کیسی تنہائی ہے۔ یہ کیسا درد ہے؟ یہ کیسا کرب ہے؟ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میری ہمت کیوں جواب دے چکی ہے؟ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب کیوں ہے؟ عالمی ڈائجسٹ کا شمارہ جولائی ہاتھ میں ہے۔ آپ کے مضمون کا عنوان ہے ''بیزاری'' مضمون پڑھ کر قدرے سکون ہوا۔ ماضی پیش نظر ہے درخشاں سوسائٹی کے شاعر مزاج شدید الاحساس دوست کے حالات پڑھ کر (جن کا ذکر عالمی ڈائجسٹ کے اس مضمون میں کیا گیا ہے) ناقابل بیان کیفیت گزر گئی۔ ان پر جو گزر رہی ہے جو گزر چکی ہے وہ گویا میری سرگزشت ہے۔ تصویر ایک ہے۔ رُخ دو ہیں ذہن الفاظ کو تلاش کر رہا ہے۔ مگر موزوں الفاظ نہیں ملتے۔

اے گوش وقت سن کہ ادا کر رہا ہوں میں
وہ لفظ جس کے حرف فراموش ہو گئے

اُمید کہ آپ میری جسارت کو معاف کریں گے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی گزارش ہے کہ

دنیا کی لغزشیں مجھے قلاش کر گئیں

اب پیار کی نظر میرے کاسے میں ڈالئے

میری عمر اور حالات وہی ہیں۔ جو اس مضمون میں صاحب مضمون نے بیان کئے ہیں۔ جب میں پانچ سال کا تھا۔ تو والد کے سایہ شفقت سے محروم ہو گیا۔ پھر مجھے والدہ پاکستان لے آئیں۔ چچا بھی ساتھ تھے۔ میرا تعلق ایک اعلیٰ خاندان سے ہے مگر ہم لوگ پاکستان آ کر مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ہو گئے۔ ہم چار بھائی اور ایک بہن ہے (اس تفصیل کے بعد) مکتوب نگار نے ایک پیشنگوئیاں کرنے والے شخص کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس عامل یا نجومی نے پھوپی کو بہت سی باتیں بتائیں۔ وہ سچ نکلیں۔ دوسری مرتبہ پھوپی اور چھوٹے بھائی دونوں اس عامل کے معتقد ہو گئے تھے لیکن مکتوب نگار اس عامل سے مطمئن نہ تھے۔ لکھتے ہیں کہ

جب وہ عامل گھر والوں کو انکے مستقبل کی بشارت دے رہا تھا۔ تو میں اچانک گھر آ گیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی گھبرا گیا۔ عامل کو دیکھ کر میری آنکھیں سرخ ہو کر انگارہ نظر آنے لگیں۔ عامل نے خیریت اسی میں سمجھی کہ وہاں سے پیسے لئے بغیر کھسک جائے۔ بس رئیس صاحب! ان دنوں کیفیت یہ ہے کہ

1۔ ذرا سی بات پر چڑ جاتا ہوں۔ بڑوں سے تو تو میں میں رہتی ہے۔ ذرا سی تحریک پر آنکھیں سرخ انگارہ ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے میں اور سب گھر والے سخت پریشان ہیں۔

2۔ قبض کی شدید شکایت ہے۔ کسی علاج یہاں تک کہ نفسیاتی علاج سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

3۔ صنف نازک سے بر بنائے شرم و خجالت بات تک نہیں کر سکتا۔

4۔ مستقل مزاجی نام کو نہیں۔ کہنے کو ایم اے میں پڑھتا ہوں مگر انگریزی نام کو نہیں آتی۔

5۔ بڑی سوسائٹی میں جاتا ہوں تو گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔

6۔ یکا یک ایک لڑکی میری زندگی میں داخل ہوئی۔ اگر چہ میں اس سے کنارہ کش رہا مگر اس نے میرے لئے بے چینیاں پیدا کر دیں وغیرہ وغیرہ۔ اس دردناک خط کا خاتمہ اس دردناک شعر پر ہوا ہے کہ

آنسوؤں نے غموں سے گھبرا کر
گر کے پلکوں سے خودکشی کر لی !

(احمد فاروقی)

یہ مغالطہ ہے

احمد فاروقی صاحب! آپ نے اپنی نفسیاتی کشمکش اور باطنی اضطراب کی جو علامتیں بیان کی ہیں چڑ چڑاہٹ، بڑوں سے تو تو میں میں وغیرہ۔ صنف نازک سے بات نہ کرنا۔ احساس کمتری وغیرہ، یہ تو عہد بلوغ کی عام علامات ہیں۔ اس مضمون میں بھٹی صاحب کے سوالات اور میرے جوابات ان کی نظر سے گزرے ہوں گے۔ میں نے بھٹی صاحب سے عرض کیا تھا۔ یہی نا کہ جب بچہ عہد بلوغ میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ رفتہ رفتہ شدید جذباتی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آپ بھی اس کشمکش سے دوچار ہیں۔ آپ نے لاشعوری طور پر اس جذباتی کشمکش اور نفسیاتی اضطراب کو عامل کی ملاقات سے منسوب کر دیا ہے۔ یعنی لاشعوری طور پر یہ وہم آپ کے نفس میں بیٹھ گیا ہے۔ کہ عامل نے (یاد رکھیں آپ کی پھوپی اور چھوٹے بھائی بر بنائے ضعیف الاعتقادی راہ چلتے شخص کے معتقد ہو گئے تھے۔ کچھ کر دیا ہے کہ آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے حالانکہ یہ مغالطہ ہے۔ آپ کی یہ حالت کسی عامل کے عمل یا سحر یا اثر اندازی کا نتیجہ نہیں۔ یہ حالت نوجوانوں کی ہو ہی جایا کرتی ہے۔ میں نے بھٹی صاحب کو اس سلسلہ میں جو مشورہ دیا ہے۔ آپ بھی اس پر عمل کریں۔

عجیب سا

میرا مسئلہ عجیب سا ہے۔ شاید اسے آپ سن کر آپ مجھے دیوانہ سمجھیں۔ خیر آپ جو بھی سمجھیں آپ کی مرضی میں نے اپنی تعلیم ایک مخلوط ادارے میں شروع کی۔ اس کے بعد چھٹی جماعت تک بوائز اسکول کا طالب علم رہا۔ میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ لیا۔ اب تھرڈ ائیر کا طالب علم ہوں۔ عمر

19 سال ہے۔ ہر لڑکے کا کوئی نہ کوئی آئیڈیل ہوتا ہے۔ اور عموماً اس آئیڈیل کا تعلق صنف نازک سے ہوتا ہے لیکن میرا آئیڈیل خاتون کے بجائے ایک بھرپور توانا مرد ہے۔ ہر خوبصورت مرد مجھے اپنا آئیڈیل لگتا ہے کسی جوان رعنا کو دیکھ کر گھنٹوں اس کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ خدارا یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ مجھ میں کسی بات کی کمی ہے۔ میں مکمل مرد ہوں۔ ہر شخص مجھے دیکھ کر ہینڈسم بوائے (خوبصورت لڑکا) کہتا ہے کتنی لڑکیاں مجھ پر مرتی ہیں لیکن میں انہیں پسند نہیں کرتا۔ میں اپنا زیادہ وقت ایسی جگہ بسر کرتا ہوں۔ جہاں عورتیں نہ ہوں۔ خوبصورت مردوں کو اپنا آئیڈیل سمجھنے کی دو تین مرتبہ مجھے قیمت بھی ادا کرنی پڑی۔ پھر بھی میں کسی مرد کو اپنا شریک حیات بنانا چاہتا ہوں۔ اسکی بیوی بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے میری مدد کیجئے۔

(ج۔ن۔از پشاور)

نفسیاتی معمہ

ج۔ن نے اسے ایک نفسیاتی مسئلہ قرار دیا ہے لیکن کم سے کم میری نظر میں اس مسئلہ کے اندر کوئی عجوبہ پن نہیں۔ یہ جنسی کردار کے انحراف کا کیس ہے۔ انسانی کردار مختلف بیرونی اثرات اور اندرونی جذباتی عمل سے تشکیل پاتا ہے۔ یہی حال اسکے جنسی رویے کا ہے کہ جنسی کردار میں جتنا انحراف اور کج روی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا سبب بھی وہ تجربات ہیں۔ جن سے ایک شخص بچپن میں دوچار ہوتا ہے۔ ج۔ن کے نفس میں بطور ایک عورت کے جنسی کردار انجام دینے کا رجحان کیوں اس قدر شدت سے بیدار ہوا؟ بظاہر یہ ایک نفسیاتی معمہ ہے۔ اس نفسیاتی معمے کا حل یہ ہے کہ بچپن میں ج۔ن کو کوئی ایسا جذباتی حادثہ پیش آیا کہ ان کے اندر سوئی ہوئی عورت بیدار ہوگئی۔ کیا ہوسکتا ہے یہ جذباتی حادثہ؟ اس کی کنجی تحلیل نفسی کے پاس اور صرف تحلیل نفسی کے پاس ہے۔ صرف تحلیل نفسی (ذہن کی چھان بین) کے ذریعہ یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ جنسی رجحان کی نشوونما کے دوران ان کا ذہن کہاں اور کس طرح اٹک کر رہ گیا؟ مسلسل کتابت کے ذریعہ بھی یہ مقصد حل ہوسکتا ہے۔ ایک ''ہینڈسم بوائے'' کی یہ خواہش ہے کہ میں کسی جوان رعنا

کی بیوی کے فرائض انجام دوں کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں۔ ج۔ن تفصیل سے اپنے حالات لکھیں۔ انکی چند سطروں سے کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ تو ح۔ن یقین رکھیں۔ میں ہر خدمت کو حاضر ہوں۔

حاصل کلام

اگر آپ اس سلسلہ مضمون کے باضابطہ قاری ہیں تو آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ ہم جن ذہنی کیفیتوں کو جذباتی الجھنیں کہتے ہیں۔ وہ درحقیقت ذہن کی معتدل کیفیات ہیں۔ دنیا کا کوئی شخص ایسا نہیں جس کا ذہن صرف ایک ہی رفتار پر سفر کرتا ہو۔ اضطراب، انتقام، افسردگی اور اضمحلال وغیرہ سب کے سب قدرتی جذبے ہیں بشرطیکہ ایک حد میں رہیں کبھی نہ کبھی ہم پر ناخوشی کی حالت بھی طاری ہوگی۔ کبھی نہ کبھی ذہن الجھے گا بھی کبھی نہ کبھی مایوسی اور اداسی کی کیفیت غالب آجائے گی۔ ان سے گریز ممکن نہیں۔ اگر ہم ایک لمحہ کے لئے بھی عقل سلیم کو حرکت میں لے آئیں۔ تو ان ساری دماغی پریشانیوں کی حقیقت کھل جائے گی۔ نصاب تعمیر و تنظیم کے ذریعہ ذہن کے بہت سے شگافوں کو رفو کیا جاسکتا ہے لیکن ایکدم ممکن نہیں۔ کوئی معجزہ وقوع پذیر نہیں ہوسکتا۔ اپنے اندازفکر کو بدلنا ایک دن کا کام نہیں۔ یہ بڑا محنت طلب، وقت طلب اور صبر طلب عمل ہے۔ تاہم ناممکن نہیں (اور دنیا میں کوئی چیز بھی ناممکن نہیں) اس غلط فہمی میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں کہ اپنے جذباتی کردار کو بدلا نہیں جاسکتا بدلا جاسکتا ہے اور بدلا جاتا ہے۔ کل کا فرشتہ آج کا شیطان بن سکتا ہے ان حقیقتوں سے بھی انکار ممکن نہیں۔ حاصل کلام یہ کہ اگر وقتی طور پر کوئی جذبہ آپ پر غالب آ گیا ہے (مثلاً آپ کسی خوف میں مبتلا ہوگئے ہیں) تو ہرگز یہ تصور نہ کرلیں کہ میں نفسیاتی مریض بن گیا ہوں۔ یا میرے دماغ میں کوئی خلل واقع ہوگیا ہے۔ یہ سب توہمات ہیں۔ اگر آپ نے میری تصنیف کردہ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہر انسان کسی نہ کسی وقت اس درد سے گزرتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

ابتدائی زندگی

میری عمر اس وقت 33 سال کی ہے 1937ء میں بمقام بمبئی ایک سنی بوہری خاندان میں پیدا ہوا۔ سات سال کی عمر تھی کہ والد "مرحوم" ہوگئے۔ انہوں نے کافی جائیداد چھوڑی تھی۔ 1948ء کا ذکر ہے۔ بمبئی میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوگئے۔ چچا جان کے مشورے پر ہم لوگ (ماں اور بیٹا) کراچی چلے آئے یہاں ماں نے ایک اسکول میں داخلہ کرادیا۔ چچا جان ہمیں کراچی پہنچا کر بمبئی چلے گئے وعدہ یہ تھا کہ ایک مہینہ بعد خود کراچی آجاؤں گا لیکن نہ چچا جان واپس آئے نہ یہ پتہ چلا کہ وہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں۔ نہ یہ معلوم ہوا کہ بمبئی میں ہماری جو جائیداد تھی۔ اس کا کیا حشر ہوا؟ 1950ء میں ہمارے مالی حالات بہت خراب ہوگئے۔ تیرہ سال کی عمر تھی کہ میں 25 روپے ماہانہ پر آٹے کی مل میں نوکر ہوگیا۔ تعلیم کا بے حد شوق تھا لیکن حالات اس کی اجازت کہاں دیتے تھے۔ پھر ایک سنار کے یہاں ملازمت شروع کی۔ انہوں نے پچاس روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کی۔ رفتہ رفتہ میں سونے کا اچھا کاریگر بن گیا۔ اور آٹھ سال میں تنخواہ ایک سو ساٹھ روپے تک پہنچ گئی۔ والدہ کے انتقال کے بعد میں کراچی میں تنہا رہ گیا تھا۔ یہاں جی نہ لگتا تھا۔ چنانچہ میں 1960ء میں ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) چلا گیا اور صرافہ بازار میں ایک جوہری (جیولر) کے یہاں ملازم ہوگیا۔ اب ماہانہ تنخواہ آٹھ سو روپے تک پہنچ گئی تھی۔ ابھی مجھے ان سیٹھ صاحب کے یہاں ملازمت کرتے ہوئے چھ مہینے ہی ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی نوجوان بیٹی کے رشتے کی پیشکش کردی۔ وہ لوگ مجھے اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ اور میں اس گھر میں اپنے گھر کی طرح رہتا تھا۔ میں زندگی کے تمام دکھ درد بھول چکا تھا اور ایک سنہرے مستقبل کا منتظر تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے ان لوگوں نے ماں باپ کا پیار دیا تھا۔ سات مہینے تک میں نے تنخواہ ضرور لی۔ اس کے بعد بلا تنخواہ کام شروع کردیا کیونکہ میں اس کو اپنا کام سمجھتا تھا۔ نہ سینما کی لت تھی نہ سگریٹ نہ چائے کی۔ 33 سال کی عمر ہوگئی تھی۔ مگر میرا کوئی دوست تک نہ تھا۔ یہاں ملازمت کرتے ہوئے گیارہ مہینے ہوگئے تو انہوں نے مجھے شادی کی تاریخ سے مطلع کیا اور میرے لئے

ایک مکان خرید دیا۔آخر شادی کا دن آ گیا۔شادی سے ایک رات پہلے میں بہت رو دیا۔ماں باپ کی یاد ماضی کی یاد اپنی تنہائی کا خیال ان تمام باتوں نے دل کو کچل دیا۔روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور سو گیا۔

عجیب خواب

میں نے خواب میں دیکھا کہ گلاب کا ایک پودا ہے اس پر گلاب کے دو خوبصورت پھول کھلے ہوئے ہیں۔جی چاہا کہ انہیں توڑ لوں کہ اچانک ایک پھول پودے سے زمین پر گر گیا۔اور اس کی پتیاں ادھر ادھر بکھر گئیں۔میں نے پتیاں اٹھائیں تو پتہ چلا کہ وہ گلاب کا پھول نہیں کس اور قسم کا پھول ہے۔جس میں نہ رنگ ہے نہ خوشبو۔اس خواب کو دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔حیران کہ یہ کیسا خواب تھا۔اور اس کا میرے مستقبل سے کیا تعلق ہے؟اسی خیال میں غرق تھا کہ اچانک وہ لڑکی میرے کمرے میں داخل ہوئی۔جو آج میری بیوی بننے والی تھی۔

حیران کن

یہ ایک حیران کن نظارہ تھا میں اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔وہ چند سیکنڈ میرے سامنے کھڑی رہی۔اسکے بعد اس کی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برسنے لگیں۔قبل اس کے میں کوئی سوال کرتا۔اس نے ایک لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میری خوشیاں ہی نہیں زندگی بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔آپ چاہیں تو دونوں کو برباد بھی کر سکتے ہیں۔آباد بھی''

یہ الفاظ کہنے کے بعد وہ تیزی سے چلی گئی۔میں نے بڑی بیتابی سے وہ لفافہ چاک کیا۔رقعہ کا مضمون تھا کہ

ڈیئر۔۔۔السلام علیکم دس برس سے جاوید میرا دوست ہے۔روحانی ساتھی۔اور میں اس سے شادی کا وعدہ کر چکی ہوں ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر

ہماری سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ شادی کے مقدس رشتے میں منسلک ہو جائیں۔ آپ ماشاءاللہ کافی ذہین ہیں۔ میری عاجزانہ التجا یہ ہے کہ آپ اسی وقت ڈھاکہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں۔ چند گھنٹے بعد شادی ہونیوالی ہے اور آپ ان چند گھنٹوں ہی میں میرے ساتھ یہ احسان کر سکتے ہیں۔ مجھے یہ شادی منظور نہیں۔ اس سلسلے میں میرا فیصلہ اٹل ہے۔ اگر آپ کو میری التجا منظور ہے تو آپ ساعت عقد سے قبل یہ گھر اور شہر چھوڑ دیں۔ ورنہ ممکن ہے کہ ڈولی کے بدلے جنازہ گھر سے نکلے۔

(مجبور رضیہ)

آسمان ٹوٹ پڑا

یہ رقعہ پڑھ کر ایسا لگا کہ میرے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ اور پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ میں چند لمحہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہا۔ رفتہ رفتہ شعور بحال ہوا تو سوچا کہ اس طوفان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں؟ سوال یہ تھا کہ جاؤں تو کہاں جاؤں؟ اسی سوچ میں صبح کے دس بج گئے کہ یکایک رضیہ میرے کمرے میں داخل ہوئی اور چھوٹتے ہی سوال کیا کہ جلدی بتائیں کہ آپ نے میرے حق میں کیا فیصلہ کیا؟

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ جو آپ چاہیں گی وہی ہو جائے گا اور میں ایک گھنٹہ کے اندر اندر آپ کا گھر اور آپ کا شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ میرے ان الفاظ پر رضیہ رونے لگی اور سوال کیا مگر آپ جائیں گے کہاں؟ میں نے کہا مجھے اپنی منزل کا علم نہیں یہ سنکر رضیہ نے بمنت کہا کہ ڈھاکہ سے کراچی تک کا ٹکٹ میرے پاس موجود ہے۔ اسے رکھ لیجئے۔ بارہ بجے پرواز جائے گی۔ میں نے رضیہ سے ٹکٹ لیا۔ اس گھر کو جو میری تمناؤں کا مدفن تھا آخری سلام کیا۔ اور ڈھاکہ کے ہوائی اڈہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب میں کراچی پہنچا ہوں تو میری جیب میں صرف چودہ روپے تھے اور ان کپڑوں کے علاوہ جو جسم پر تھے کوئی سامان نہ تھا۔ دوسرے روز ایک مل میں مزدور کی حیثیت سے بھرتی ہوگیا لیکن اضطراب دل

کہاں اطمینان سے بیٹھنے دیتا تھا۔مل میں چندروز مزدوری کر کے لاہور چلا گیا۔وہاں بھی محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے لگا۔اورنجی طور پرتعلیم شروع کردی۔میٹرک کر کے ڈان میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا اور وہاں سے درجہ اول میں ہومیو پیتھی معالج کی سند حاصل کرلی۔اور لاہور سے کراچی چلا آیا۔یہاں ایک ہوزری مل میں بھرتی ہوا۔چھ ماہ تک درزی کا کام سیکھا ۔اورروزانہ 35 سے 40 روپے کمالیتا ہوں۔

(اس تمہید کے بعد لکھتے ہیں کہ)

تنہا تنہا

یہ تنہا تنہا زندگی بڑی جان لیوا ہے سکون قلب عنقا ہے۔ہروقت اپنے سے الجھا رہتا ہوں۔نیند بہت کم آتی ہے۔یا بالکل نہیں آتی۔خواب بہت کم آتے ہیں۔کبھی کوئی خواب نظر بھی آتا ہے تو دوسرے روز وہ حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے۔تقریباً نناوے فیصد خواب سچے ثابت ہوتے ہیں ۔تنہائی میں ماضی کو دہراتا ہوں ۔بمبئی سے کراچی آنا اور چچا کی گمشدگی ،ابتدائی زندگی کی دشواریاں پھر یہ خیال کہ ڈھاکہ والے بزرگ نہ جانے میرے متعلق کیا سوچتے ہوں گے۔وہ لوگ مجھے نمک حرام، بے وفا اور نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہوں گے صرف خدائے بزرگ و برتر کو ہی علم ہے کہ مجھ پر کیا گزری؟ رئیس صاحب! خدارا بتلایئے کہ مجھے سکون قلب کس طرح مل سکتا ہے ؟ آپ جو بھی مشورہ دیں گے۔اس پر وفاداری سے عمل کروں گا اور تا زندگی آپ کے لئے دعا ئے خیر کرتا رہوں گا۔

(م۔رانا)

فسانہ عجائب

یہ افسانہ نہیں حقیقت ہے ہم پر جو واقعات گزرتے ہیں۔اگر ہم ان کو ایک سلسلے میں مرتب کریں تو محسوس ہوگا کہ یہ ایک داستان ہے ایسی داستان جسے اگر بخوبی سمجھا جائے تو طلسم ہو

ثربایافسانہ عجائب کا ایک باب مرتب ہوجائے۔م۔رانا نے افسانوی زندگی گزاری ہےاور ظاہر ہے کہ اس افسانوی زندگی کے اثرات ان کی حقیقی زندگی پر بھی پڑے ہیں۔بمبئی سے ہجرت چچا کی گمشدگی کراچی کی پرازمشقت ابتدائی زندگی، تلخ وتکلیف دہ بچپن پھر ڈھاکے کا سفرایک اجنبی میزبان کی شفقتیں،شادی کا اقرار،اس ناٹک میں رضیہ کا ڈرامائی ظہور،ڈھاکہ سے ان کی یکا یک روانگی اور پھراز سرنو کراچی میں زندگی شروع کرنا۔یہ تمام واقعات کسی ڈرامہ کے ابواب لگتے ہیں۔جیسا کہ عرض کر چکا ہوں۔ہم سب کی زندگی ایک ڈرامہ ہے۔ ہر شخص مختلف ادوار سے گزرتا ہے۔مختلف حالات سے دو چار ہوتا ہےاوراس سے مختلف نتائج نکلتے ہیں۔جو ہمارے حال و مستقبل پراثرانداز ہوتے ہیں۔رانا نے اضطراب قلب کا ذکر کیا ہے۔شدید احساس تنہائی اور بے خوابی کا ذکر کیا ہے۔وہ سوچتے ہیں کہ ڈھاکہ کے میزبان یعنی سیٹھ صاحب جنہوں نے رانا کو بٹیا سمجھ کراپنا داماد بنانے کی پیشکش کی تھی ان کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔یقیناً بہت کچھ سوچتے ہوں گے اور یہ سوچ کر حیران رہ جاتے ہوں گے کہ جس شخص کو شام کو دولہا بننا تھا۔وہ دن کے دس بجے کہاں غائب ہوگیا۔اسے زمین کھاگئی یا آسمان؟اب رہی رضیہ (جواسکی دلہن نہ بن سکی) تو حقیقت واقعہ یہ ہے کہ رضیہ بھی اسے نہ بھلاسکی ہوگی ممکن ہے کہ جاوید کے ساتھ اسکی ازدواجی زندگی خواشگوارگزررہی ہولیکن ممکن نہیں کہ وہ رانا کو بھلاسکے۔جس نے اسکی آبادی کی خاطراپنی بربادی گوارا کرلی۔رانا سوچتے ہوں گے کہ

جہاں میرا نشیمن جل گیا تھا
وہاں شعلہ سا بل کھاتا تو ہوگا

بہرحال ماضی حال بن سکتا ہے رانا کو اب حال کی حقیقتوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ان کی عمر33سال کی ہے۔ابھی انہیں سالہا سال زندہ رہنا ہے۔ابھی تک وہ بھرپور جوانی کے عہد سے گزررہے ہیں۔سکون قلب کی یہ صورت قلبی اورفطری ہے کہ وہ ازدواجی زندگی اختیار کرلیں۔ ورنہ شدید احساس تنہائی (جوایک موجود حقیقت ہے) رفتہ رفتہ ناقابل برداشت ہوجائے گا۔اگر

کوئی مناسب روحانی ساتھی (رفیقہ حیات) انہیں مل جائے تو وہ یقیناً بہت حد تک اپنے اضطراب قلب پر غالب آ جائیں گے۔اب رہیں پرانی باتیں اور پرانی یادیں! تو وہ باتیں انہیں ہمیشہ یاد آتی رہیں گی۔رانا کو فخر کرنا چاہئے کہ انہوں نے غیر معمولی ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا ہے۔انہوں نے رضیہ اور جاوید کی خاطر اپنی مسرتوں اور کامرانیوں اور نشاط سامانیوں کے گلشن کو آگ لگا دی۔عظیم اخلاقی کارنامہ انجام دینے کے بعد انسان عجیب قسم کی روحانی سعادت اور ذہنی مسرت محسوس کرتا ہے۔ یقیناً رانا نے وہ مسرت اور سعادت محسوس کی ہوگی۔ان کی شادی ان کی ناشادی کی تلافی کر سکتی ہے۔وہ 40/35 روپے روز کماتے ہیں اچھے خاصے کاریگر ہیں۔انہیں بلاشبہ عمدہ رشتہ مل سکتا ہے۔ذہنی صحت کے لئے S.C.T کی مشقیں تجویز کروں گا۔وہ مجھ سے براہ راست خط و کتابت کریں اور ہاں رانا! جس طرح شدت غم انسانی کردار کو بدل دیتی ہے۔اسی طرح عشق بھی! عشق ایک انقلاب انگیز طاقت ہے۔عام لوگ اسے تخریب ذات کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ تعمیر ذات کا زینہ ہے۔مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ

خوش بیا اے عشق اے سودائے ما
اے طبیب جملہ علت پائے ما

اے عشق آ۔خوشی سے آ۔تو ہمارے لئے سودائے حیات کی حیثیت رکھتا ہے اور تو ہماری تمام ذہنی بیماریوں کا معالج ہے۔

ایک اور داستان

مس۔۔۔۔لکھتی ہیں کہ آپ کی تصنیف جنیات (حصہ اول) پڑھ چکی ہوں۔کتاب کی آخری سطور نے مجھے بے حد متاثر کیا۔آپ کا یہ جملہ روح میں پیوست ہو گیا کہ

''عشق انسان کی شخصیت کو بدل دیتا ہے''

آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ میں نے لکھا تھا۔کہ چند مسائل ایسے ہیں کہ میں آپ کو کوشش کے باوجود نہیں بتا سکتی کہ فطری شرم مانع ہے! لیکن میں نے دیکھا کہ لوگ آپ سے کچھ بھی نہیں

چھپاتے۔ اپنی بے حد نجی باتیں بھی بتا دیتے ہیں۔ تو مجھے ہمت ہوئی۔ اچھا اب سنیئے یہ 1971 کی بات ہے میری عمر 14 سال کی تھی۔ شباب کی آمد آمد تھی۔ میں گاؤں سے شہر آئی ہوئی تھی۔ ہمارے ہمسائے میں ایک شریف روشن خیال خاندان رہتا تھا۔ ہمارے ان سے مراسم ہوئے۔ ہوتے ہوتے اتنے بڑھے اتنی اپنائیت پیدا ہوئی کہ میں نے (بلکہ ہم نے) سربراہ خاندان سے پردہ ترک کر دیا۔ وہ بڑی پیاری شخصیت کے مالک تھے۔ پر از شفقت لہجہ اور من موہنی گفتگو۔ ان کے بڑے لڑکے کی عمر ہوگی بائیس سال کی۔ میں اس خاندان سے اتنی متاثر ہوئی کہ لاشعور میں یہ خواہش مچلنے لگی کہ کاش میں اس خاندان کی ایک فرد ہوتی۔ اس خواہش کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کا ماحول ہمارے ماحول سے بالکل مختلف تھا۔ ہمارا خاندان بڑا لمبا چوڑا ہے۔ وہ ایک مختصر سا روشن خیال اور پرسکون گھرانا تھا۔ ایک روز ہم انکے یہاں مدعو تھے۔ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لئے باتھ روم کی طرف جا رہی تھی کہ وہ ادھر سے آتے ہوئے نظر آئے دروازے میں ہمارا ٹکراؤ ہو گیا۔ میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ نظریں خود بخود جھک گئیں۔ کافی دیر تک سر جھکائے منتظر کھڑی رہی کہ وہ دروازے سے ہٹ کر مجھے راستہ دیدیں۔ لیکن جب انہوں نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی تو میں نے نظریں اٹھا کر ڈرتے ڈرتے دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ حد درجہ پرشوق نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرے سارے جسم پر کپکپی طاری تھی۔ اور ایسا لگ رہا تھا کہ ان کی نظروں کی تپش و حرارت سے میرا وجود پگھل جائے گا۔ اس طرح چودہ سال کی عمر میں ہی یہ دل اس جذبے سے آشنا ہوا۔ جسے محبت کہتے ہیں۔

محبت اختیاری شے نہیں ہے
محبت کی نہیں جاتی کسی سے

نجانے کتنی دیر تک اس عالم بے خودی میں کھڑی رہی کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور وہ جلدی سے کمرے میں گھس گئے۔ اس کے بعد میں نے انہیں کئی مرتبہ دیکھا مگر آمنا سامنا کبھی نہیں ہوا۔ چند ہفتہ بعد ہم لوگ شہر چلے گئے لیکن وہ نظریں میں اپنے ساتھ لیتی آئی۔ عرض کر چکی ہوں کہ اس خاندان کی زندگی کو دیکھ کر میرے لاشعور میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ کاش میں اس گھر

انے کی ایک رکن ہوتی ۔ ان سے تعلق خاطر کا سبب غالباً یہی لاشعوری تمنا تھی کہ میں اس خوبصورت خاندان میں شامل ہوتی۔

تبدیلی شخصیت

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس حادثے نے میری شخصیت بدل ڈالی ۔اس واقعہ سے قبل میں بے وقوفی کی حد تک سادہ لوح تھی ۔کافی جھگڑالو اور ہنگاموں کی بے حد دلدادہ اس کے بعد آہستہ آہستہ تنہائی پسند ہوتی چلی گئی ۔مزاج میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ۔طبیعت میں دھیما پن اور قناعت آ گئی ۔اور پہلے کی بہ نسبت معاملات کے بارے میں زیادہ حقیقت پسندانہ رویہ ہو گیا ۔ بہت سے بہن بھائی ہیں میں تین چار کے سوا سب سے چھوٹی ہوں لیکن حالت یہ ہے کہ ابو سے لیکر چھوٹے بھائی تک سب میری عزت کرتے ہیں ۔ بڑے بھائیوں کا حال بھی یہی ہے دوسری بہنیں مجھ سے دبی رہتی ہیں ۔میں نہیں سمجھتی کہ اس واقعہ کے نتیجے میں میرے اندر کیا بات پیدا ہو گئی ہے ۔مختصر یہ کہ اس خوبصورت حادثے نے مجھے دیہاتی لڑکی سے شاعر، افسانہ نگار اور نہ جانے کیا کیا بنا دیا ۔ میں نے کئی مرتبہ اپنا تجزیہ کیا ہے اور ہر بار اس نتیجہ پر پہنچی کہ میں لاشعوری طور پر خود کو ہر وقت اس ماحول سے ایڈجسٹ کرنے کے لئے تیار رہتی ہوں ۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن جناب! مسئلہ یہ ہے کہ پانچ سال سے مجھے ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ محبت نے میری شخصیت کی تکمیل تو کر دی ۔مگر میرا جذبہ محبت ہنوز نامکمل ہے ۔ بے چین نگاہیں ابھی تک تشنہ ہیں ۔ظاہر ہے کہ اس قدر شدید جذبہ بھی تو اپنی تسکین چاہتا ہے ۔المیہ یہ ہے کہ وہ شخص جانتا تک نہیں کہ اس کی گرم و بیباک نگاہوں نے میری روح میں کیا آگ لگا دی ہے اور میں نے اس کے لئے اپنے کو کس قدر تبدیل کر دیا ہے؟ میں نے اپنے ماحول میں اپنا ایک منفرد مقام بنا لیا ہے ۔اور انشاءاللہ ادبی دنیا میں بھی بنا لوں گی لیکن اس کے دل میں بھی میرا کوئی مقام پیدا ہو سکے؟ اس گھر کا ایک فرد بننے کی جو تمنا میرے دل میں مچل رہی ہے ۔ وہ تمنا پوری ہو سکے گی؟ اس سلسلہ میں مجھے کچھ نہیں معلوم ۔ میں کچھ نہیں جانتی لیکن رئیس صاحب! سوال یہ

ہے کہ محبت میں ناکامی کا حادثہ میری شخصیت کو توڑ پھوڑ تو نہیں دے گا؟ میں اس مقام سے گرتو نہیں جاؤں گی۔ جس مقام کو میں نے بڑی جدو جہد کے بعد حاصل کیا ہے۔ پانچ سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ یہ عمر کا خطرناک ترین دور ہوتا ہے۔ یہ آپ بھی بارہا فرما چکے ہیں لیکن میں اس پل صراط سے بخوبی گزر آئی ہوں۔ مجھ سے عملی تو کیا خیالی اور تصوراتی لغزش بھی سرزد نہیں ہوئی۔ شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ مردانہ حسن کی لاجواب تصویر تھا۔ میں نے کوئی خوبصورت چیز دیکھی بھی تو اس سے اس حد تک متاثر ہوئی کہ

تمہاری صورت زیبا کو کرلیا سجدہ
نظر جہاں بھی کوئی شکل دلربا آئی

ایک روز میرے رشتوں کا ذکر ہورہا تھا کہ والدہ فرمانے لگیں۔اس کے پیام تو فلاں خاندان (وہی میرا محبوب خاندان) کے لڑکے (آہ وہی میرا محبوب) کے بھی آئے تھے۔ پر ہم نے لڑکی کو اتنی دور بھیجنا گوارا نہ کیا۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ والدہ کی زبان سے انکشاف سن کر میرا کیا حال ہوا۔ قلب وذہن پر بجلی گر پڑی۔ اگر والدہ یہ انکشاف نہ کرتیں۔ تو میں صبر کر لیتی لیکن ہائے افسوس کہ منزل نے خود میرے قریب آنا چاہا۔ اور میری بدنصیبی دیوار بن گئی۔ آف میری محرومیاں۔

(مس۔۔۔) ں طرح

بی بی تیار رہو

یہ خط لڑکی کا ہے میں اس کی ذہنی اور جدائی کیفیات سے بخوبی واقف ہوں۔ دیکھا آپ نے عشق کس طرح انسانی کردار کو تبدیل کر دیتا ہے۔ اس لڑکی نے اپنا جو ذہنی تجزیہ کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنی خودشناس اور حقیقت پسند ہے اور اس کی نظر کتنی گہری اور اس کی بصیرت کس درجہ بے داغ ہے؟ بے شک ایک کربناک مسئلہ درپیش ہے اور وہ مرحلہ یہ ہے

کہ اگر (خدانخواستہ) یہ محبت ناکام رہی تو اس کا اثر اس غریب کی شخصیت پر کیا پڑے گا؟ بی بی! کیا یہ ضروری ہے کہ ہر محبت جسمانی قربت پر ہی تمام ہو اور اس کے بغیر نامکمل رہے تم ایک ذہین باشعور اور پاکیزہ ذوق رکھنے والی لڑکی ہو۔ اگر یہ مرحلہ بھی پیش آئے تو ابھی سے اس کے لئے اپنے ذہن کو تیار کرنا شروع کردو۔ بہرحال آدمی کو ہر مرحلہ سے گزرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے اور بی بی! جب میں تمہارا مسلمہ استاد ہوں تو پھر تم ان مرحلوں کے بارے میں اتنی متفکر کیوں ہو؟

متفرقات

شہلا نقوی کا مکمل خط میں نے پڑھ لیا۔ ان کی عمر سترہ سال کی ہے اگر وہ میری تصانیف کا مطالعہ کریں تو انہیں اندازہ ہو جائے گا کہ اس عمر میں اس قسم کی دشواریاں پیش آیا ہی کرتی ہیں ۔ بہرحال شہلا کا واحد علاج خودنویسی ہے (2) برمنگھم کی جو خاتون عشق و محبت کو فلموں اور ناولوں کا کھیل سمجھتی ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ خدا کے جس برگزیدہ بندے کی (فیملی ڈاکٹر) کی جدائی کا انہیں شدید احساس ہے۔ وہ انہیں یاد کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کریں اور روزانہ تین ہزار ایک سو پچیس مرتبہ 41 روز اللہ اللہ کو وظیفہ کیا کریں۔ انشاء اللہ وہ تمام چیزیں حاصل ہو جائیں گی۔ جن کے لئے وہ بے چین ہیں۔

پریشان کن مسئلہ

میری عمر اس وقت اٹھائیس سال کی ہے۔ شادی کو دو ڈھائی مہینے ہوئے ہیں۔ شوہر پاکستان سے باہر ہیں۔ ویزا ملنے پر میں بھی باہر چلی جاؤں گی۔ شادی سے پہلے بھی میرے لئے یہ مسئلہ پریشان کن تھا۔ اور آج بھی پریشان کن ہے کہ میں ہمیشہ احساس کمتری میں مبتلا رہی ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اپنی اور بہنوں کے مقابل میں بہت کم رو (کم خوبصورت) ہوں۔ دوسرے

بدن اور چہرے پر گوشت بے تکم ہے۔ اس لئے اپنے جسم اور چہرے میں کوئی دلکشی محسوس نہیں کرتی ۔ البتہ رنگ گورا ہے جس سے قدرے ڈھارس بندھی رہتی ہے لیکن اب رنگ بھی میلا ہوتا جارہا ہے۔ میری ٹھوڑی، گالوں اور ہونٹوں کے گرد بال ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے یہ محسوس کر رہی ہوں کہ یہ بال وبال بنتے جارہے ہیں یعنی ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ بال نمایاں ہوتے چلے جارہے ہیں۔ میں پہلے بھی (اس سبب سے کہ میں خوبصورت نہیں اور چہرے پر بال ہیں) لوگوں سے ملتے ہوئے گھبراتی تھی اور کسی نہ کسی بہانے محفلوں میں شرکت سے گریز کرتی۔ جب بہت مجبور ہوتی تو شریک محفل ہو کر دوپٹہ سے چہرہ چھپا کر یا لوگوں سے ہٹ کر بیٹھتی تا کہ چہرے کے بالوں پر لوگوں کی نظر نہ پڑے۔ یہ بھی سن لیں کہ یہ جاننے کے باوجود کہ میں اپنی بہنوں اور بھائیوں کے مقابل معمولی شکل وصورت کی ہوں۔ اس خوش فہمی اور غلط فہمی میں مبتلا تھی کہ چونکہ میرا رنگ گورا ہے۔ اس لئے میں یقیناً لوگوں کو اچھی لگتی ہوں گی مگر اب کچھ دن سے حالت یہ ہے کہ میں اپنے گھر والوں سے بھی منہ چھپاتی پھرتی ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہر بچے بوڑھے اور چھوٹے بڑے کی نظریں میرے بال دار چہرے پر لگی ہوتی ہیں۔ دنیا کی ہر چیز سے جی اچاٹ ہو گیا ہے۔ کسی چیز میں دلکشی محسوس نہیں ہوتی۔ سر کے بال بھی جھڑ رہے ہیں۔ محسوس کرتی ہوں کہ میری شکل عجیب وغریب ہو گئی ہے۔ باوجودیکہ شادی کے بعد سسرال میں ہر شخص نے مجھ کہا ہے کہ ماشاءاللہ دلہن خوبصورت ہے میری جٹھانی نے بتایا کہ دلہن بدصورت بھی ہو تب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ خوبصورت ہے۔ میرے شوہر کا رنگ کالا ہے اور شکل وصورت معمولی! پھر بھی میں مطمئن نہیں از راہِ کرم میری مدد فرمائیں۔

(ایس این)

احساس کمتری

آپ نے دیکھا کہ ایس این کے لئے بال کا وبال کس قدر پریشان کن بن گیا ہے۔ انہیں یہ شبہ ہے کہ ان کے چہرے پر داڑھی اگ رہی ہے۔ وہ جوان کے چہرے پر ہلکا سا رواں ہے

اسے وہ اپنے چشم تصور سے ''ریش دراز'' کے روپ میں دیکھتی ہیں اور اس تصور نے (بقول خود) انہیں احساس کمتری میں مبتلا کر دیا ہے۔ حالانکہ خود یہ تصور کہ داڑھی نے میرا حلیہ بگاڑ دیا ہے) احساس کمتری کی پیداوار ہے احساس کمتری ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے۔ اس ذہنی کیفیت کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ ہم اپنے کسی جسمانی نقص (خواہ وہ حقیقی) ہو یا غیر حقیقی) کو مبالغہ آمیز انداز سے دیکھنے لگتے ہیں۔ مثلاً اگر قد کسی قدر چھوٹا ہے تو خود کو بونا تصور کر لیں گے۔ رنگ میلا ہے تو یہ گمان ہوگا کہ میرے چہرے پر کالک ملی ہے۔ یہ کوئی ضرب المثل اور کہاوت نہیں بلکہ سائنسی حقیقت ہے کہ ہم وہی کچھ بن جاتے ہیں جو کچھ اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ انسان کا طرز فکر اور اس کے سوچنے کا ڈھنگ انسانی کردار، انسانی اعضا اور انسانی اعضاء کی حرکت پر اس شدت سے اثر انداز ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ، ایس این بار بار الفاظ میں اور خیال میں یہ ترغیب دہراتی رہتی ہیں کہ میں بدصورت ہوں اور میرے چہرے پر داڑھی اگ رہی ہے۔ ''سوچ'' کی یہ بنیادی خامی، کہیں ابتدائی تربیت یعنی بچپن کے ماحول اور تعلیمات کا نتیجہ تو نہیں ان کے کئی بھائی بہنیں ہیں۔ یقیناً انہیں محسوس ہوا ہوگا کہ میرے ساتھ گھر والوں کا سلوک نامناسب ہے اور یہ کہ مجھے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ ''میں اپنے بھائی بہنوں کے سامنے معمولی شکل وصورت کی ہوں۔ درحقیقت یہی اعتراف یہی تصور اور یہی احساس، ان کی موجودہ دماغی الجھنوں کا محرک ہے۔ کاش ایس این کو اندازہ ہوتا کہ ''حسن صورت'' آنی جانی اور عارضی چیز ہے کسی حسین کو چند روز بخار آ جائے۔ اس کے بعد اس کا چہرہ دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ حسن جسمانی کا رنگ وروپ کس قدر جلد فنا ہو جاتا ہے۔ تیزاب کی ایک بوند چہرے کے حسن وجمال کا خاتمہ کر دیتی ہے وہ کوئی اور چیز ہے جو انسان کو کشش کا مجسمہ بنا دیتی ہے اور اس کشش کا زوال ممکن نہیں۔ اب میں ایس این کو کس طرح بتاؤں کہ ''حسن سیرت'' کسے کہتے ہیں۔ اور اس کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ وہ ہر لمحہ یہ فقرہ دہراتی رہتی ہیں کہ میں ''بدصورت'' ہوں۔ اب تک وہ یقیناً بدصورت نہیں۔ اور نہ چہرے کا رواں کسی تشویش کا سبب بن سکتا ہے لیکن ایس این جس بے

سے یاد ہوتا ہے (3) دل چاہتا ہے کہ کوئی ہمت افزائی کرے مگر سب لوگ کہتے ہیں کہ تم میڈیکل کے لئے موزوں نہیں ہو حالانکہ میں ڈاکٹر بن کر خدمت خلق کرنا چاہتی ہوں۔ میں ہر چیز کے سلسلے میں احساس کمتری کا شکار ہوں (5) آخر میں اس قدر سنجیدہ کیوں ہوں۔ اب نہ تو میں T.V دیکھتی ہوں۔ نہ ریڈیو سنتی ہوں (6) بے حد حساس ہوں کوئی کچھ کہہ دے تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں (7) آخر میں اب اسقدر نالائق اور ناکارہ کیوں ہوگئی۔ پہلے تو ایسی نہ تھی (8) لوگ مجھ سے اچھی طرح کیوں پیش نہیں آتے۔ سب مجھ پر ہنستے کیوں ہیں (9) جناب عالی! میری اصلاح کس طرح ممکن ہے۔ یہ ایک طویل خط کے اقتباسات ہیں۔ خط لکھنے والی نے بار بار اپنی بدصورتی کا بھی ذکر کیا ہے اور وہی کہانی دہرائی ہے کم وبیش جو ایس این دہرا چکی ہیں۔

شخصی مقناطیسیت

لڑکیاں اپنے چہرے کے بارے میں غیر معمولی حساس ہوتی ہیں۔ ان کا حسن صورت ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ جہاں تک حسن سیرت کا تعلق ہے تو حسن سیرت کی ساحرانہ کشش کا انہیں اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ انہیں معلوم نہیں کہ شخصیت کی مقناطیسیت اور ذات کی کشش چشم وابرو اور لب ورخسار کی رعنائی سے کہیں زیادہ موثر ہے اور ہو سکتی ہے۔

خوبی ہمیں کرشمہ ناز وخرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

خوبی ومحبوبی فقط ناز وخرام (ناز آفرینی اور چلنے پھرنے کے جادو) ہی کو نہیں کہتے۔ حسینوں کی بہت سی ادائیں ایسی ہیں کہ ان کا کوئی نام نہیں۔

گاہے گاہے جسے تم بھی نہیں کرتے محسوس
تم میں اک ایسی پر اسرار ادا اور بھی ہے

میں میڈیکل کی اس طالبہ کو بھی وہی مشورہ دوں گا جو ایس این کو دے چکا ہوں۔ بی بی! جب تک تم اپنی سوچ کو نہ بدلو گی۔ اور منفی سوچ کی جگہ مثبت سوچ اختیار نہ کرو گی اور دل

چاہے یا نہ چاہے۔ اپنے سے یہ نہ کہتی رہو گی کہ میں بدصورت نہیں خوبصورت ہوں۔ اس وقت تک ممکن نہیں کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کر سکو۔ یہ قانون افراد پر ہی نہیں اقوام پر بھی عائد ہوتا ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو احساس جس کو اپنی حالت کے بدلنے کا

یعنی جس قوم میں یہ مثبت سوچ پیدا ہو جاتی ہے کہ اسے اپنی حالت کو بدلنا چاہئے خدا اس قوم کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ اگر تبدیلی کی خواہش سے قومی زندگی میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے تو انفرادی زندگی میں کیوں انقلاب برپا نہیں ہو سکتا۔ تم دونوں لڑکیاں اس نکتہ پر غور کرو۔ میں یہ مشورہ بعد کو دوں گا کہ تم نصاب تعمیر تنظیم شخصیت S.C.T کی مشقیں شروع کرو۔ فی الحال تمہیں میری تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

بعض اوقات

سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں اور خط کی ابتدا کس طرح کروں؟ اپنا حال دل کس کو بتاؤں کسی کو بتا نہیں سکتا لوگ میرا مذاق اڑانے لگیں گے لیکن نفسیاتی مریضوں سے آپ کا طرز خطاب اور شفقت آمیز لہجہ دیکھ کر ہمت بندھی اور تسلی ہوئی، بظاہر میری زندگی اطمینان بخش ہے لیکن بعض اوقات، بعض اوقات میں نے جان بوجھ کر یہ فقرہ تین مرتبہ لکھا ہے۔ سب غیر حقیقی لگتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں مصنوعی زندگی بسر کر رہا ہوں شاید آپ کو کبھی اس قسم کے کسی کیس سے واسطہ نہ پڑا ہو۔ میرا حال کچھ عجیب سا ہے۔ بعض اوقات یہ جی چاہتا ہے کہ میرے ہاتھ میں اسٹین گن ہو اور سب پر گولیاں برسانے لگوں لیکن اسٹین گن تو اسٹین گن اگر چاقو بھی ہاتھ میں آ جائے تو دل لرزنے لگتا ہے۔ ہاتھ کانپنے لگتا ہے مجھے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے غیر معمولی محبت ہے لیکن جب جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ تو جی چاہتا ہے کہ جو شخص بھی سامنے آئے اس کے سینے میں چھری اتار دوں لیکن پھر فوراً ہی خیال آتا ہے کہ اپنے پیٹ میں چاقو گھونپ لوں۔

تحاشہ طور پر یہ ترغیب دہرا رہی ہیں کہ میں بدصورت ہوں ۔ اس کا اثر لازمی طور پر ان کے چہرے پر پڑے گا ۔ سوال یہ ہے کہ اس منفی سوچ کو کہ میں بدصورت ہوں ۔ مثبت سوچ میں کہ میں خوبصورت ہوں ۔ کس طرح بدلا جائے ۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ چاہے ان کا لاشعور اندر سے بغاوت ہی کیوں نہ کرے ۔ وہ یہ فقرہ سوتے جاگتے ۔ چلتے پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے دہرایا کریں کہ میں روز بروز حسین سے حسین تر ہوتی چلی جارہی ہوں ۔ جب بھی ذہن میں یہ خیال آئے کہ میں بدصورت ہوں اور میرے چہرے پر داڑھی اگ رہی ہے ۔ وہ مثبت فقرہ دہرانا شروع کر دیں ۔ بظاہر یہ علاج طفلانہ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ایس این پابندی سے اس تجویز اور ترغیب پر عمل کریں تو رفتہ رفتہ انہیں محسوس ہونے لگے گا کہ وہ اندر سے بدل رہی ہیں ۔ ان کے باطن میں ایک انقلاب رونما ہو رہا ہے ۔ وہ اس تجویز پر عمل کر کے تو دیکھیں ۔ اس کے ساتھ اگر وہ میری تصانیف کا بھی مطالعہ شروع کر دیں تو میرے طریق علاج کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گی ۔

ایک اور لڑکی

ایک اور لڑکی کا خط لطیف آباد حیدر آباد سندھ سے وصول ہوا ہے وہ بھی احساس کمتری کی شکایت سے پر ہے ۔ لکھتی ہیں کہ میں کافی پڑھتی ہوں مگر استاد (ڈیمانسٹریٹر) کے سامنے جا کر اُلجھ جاتی ہوں ۔ گو ہر سوال کا جواب میرے ذہن میں ہوتا ہے لیکن اسے بیان نہیں کر سکتی ۔ میری زبان گنگ ہو جاتی ہے ۔ مجھے استاد اور لڑکے لڑکیاں حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں ۔ ایک طرف تو یہ خامیاں ہیں دوسری طرف میں انگلش کی مقررہ شاعرہ اور ٹوٹی پھوٹی افسانہ نگار بھی ہوں مصوری سے بھی کس قدر شغف ہے ۔ ڈراموں میں بھی حصہ لیتی رہی ہوں ۔ گلوکاری سے بھی واسطہ رہا ہے ۔ سوشل سوسائٹی اور سائنس سوسائٹی کی نائب صدر بھی رہ چکی ہوں ۔ مختصراً انہوں نے اپنی حسب ذیل خامیاں گنوائی ہیں ۔

(1) میں ہر وقت پڑھائی کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں ۔ حتیٰ کہ خواب میں بھی (2) سبق دیر

ہے کہ میں کسی تجویز دوسرے کے چھری ماردوں یا اپنے پیٹ میں خنجر اتاردوں۔ پر عمل نہیں ملتا مگر ان خیالات سے چھٹکارہ بھی نہیں پاسکتا۔ گھر میں ہوں تو دل چاہتا ہے کہ کالج جاؤں اور کالج جاتا ہوں تو گھبراہٹ ہوتی ہے کہ گھر جاؤں۔ کلاس میں بیٹھا رہوں تو عجیب عجیب پریشان کن خیالات آتے ہیں۔ مثلاً میری عدم موجودگی میں ماں باپ کو کچھ نہ ہو گیا ہو۔ یا میری بہن کو کسی نے نہ چھیڑا ہو۔ ان خیالات سے جنونی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اور رگ رگ سے چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ کلاس سے اُٹھ کر بھاگ جاؤں لیکن قوت سلب ہو جاتی ہے اور دانت پیس کر رہ جاتا ہوں۔ کوئی تقریب ہوتی ہے تو پہلے شرکت کا ارادہ کرتا ہوں لیکن پھر عین وقت پر اس ارادے کو منسوخ کر دیتا ہوں۔ تقریب میں ہی شریک ہوں تو لطف نہیں آتا۔ افسوس ہوتا ہے۔ کیوں شریک ہوا۔ کسی خوبصورت لڑکی کو دیکھتا ہوں۔ تو جی چاہتا ہے۔ بے اختیار تمنا ہوتی ہے کہ اسے چاہوں اور یہ مجھے چاہے کسی لڑکے کو کسی لڑکی سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے دیکھتا ہوں۔ تو جی چاہتا ہے کہ اسے جہنم رسید کر دوں لیکن بعض اوقات اس لڑکی سے گفتگو کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ فلمیں بہت دیکھتا ہوں۔ رسالے بہت پڑھتا ہوں۔ اور ہیرو بننے کو جی چاہتا ہے۔ صنف نازک کے کسی فرد سے سامنا ہو جائے تو بول نہیں سکتا۔ البتہ کان گرم ہو جاتے ہیں۔ بے حد ضدی ہوں۔

(ط۔ ح۔ ن)

عجائب المخلوقات

آپ نے دیکھا کہ ''ایب نارمل'' یعنی ذہن کی غیر متعدل کیفیت آدمی کے لئے کس قدر جان لیوا ہوتی ہے۔ اور انسان کس طرح اشرف المخلوقات کے بجائے عجائب المخلوقات بن کر رہ جاتا ہے یہ لڑکا (ط۔ ح۔ ن) اپنے آپ میں اُلجھ کر رہ گیا ہے۔ اسے ہر چیز غیر حقیقی اور مصنوعی لگتی ہے کبھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسٹین گن لے کر اُٹھوں اور گولیاں برساتا ہوا نکل جاؤں کبھی دوسروں کے چاقو مارنے اور کبھی اپنے سینے میں خنجر اتارنے کو جی چاہتا ہے۔ طرح طرح کے

وہم ستاتے ہیں ۔ ماں باپ کو کچھ نہ ہو گیا ہو۔ بہن کو کسی غنڈے نے چھیڑا ہو۔ عاشق بننے کا ارادہ بھی ہے ۔معشوق بننے کا بھی (مگر کسی ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں ہوتی) عورت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اپنی عجیب وغریب کیفیات کو سمجھنے سے قاصر ہیں ۔آخر یہ سب کیا گورکھ دھندا ہے؟ کچھ بھی نہیں ۔صرف سوچ کی خامی اور فکر کی کجی ہے ۔ط ۔ح ۔ن کو کسی نے حقیقت پسندانہ انداز فکر کا سبق ہی نہیں دیا۔ان کی اُٹھان کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ وہ ہر چیز کو غیر حقیقی اور مصنوعی سمجھنے لگے ہیں اور یہ جوان کے مزاج میں تشدد کی کیفیت ہے ۔یعنی اسٹین گن لیکر گولیاں برساتا ہوا نکل جاؤں تو اس تشدد پسندی کا سبب وہ جذباتی ہیجان ہے جس کا لاوا ان کے اندر پک رہا ہے ۔اس جذباتی ہیجان کی نوعیت جنسی ہے ۔آپ کو تو علم ہی ہے کہ جنس اور تشدد دو جڑواں جذبے ہیں ۔

اگر انسانی شعور جنسی ہیجان کو دبا دے تو خونریزی اور تشدد پسندی (حیوانیت) کی قوت اُبھر آئے گی۔ یہ نوجوان اگر اپنے نفسیاتی تجزیہ پر قادر ہوتا (اپنے ذہن کی چھان بین کر سکتا) تو خود سمجھ جاتا کہ اس کی جذباتی الجھنوں کا سبب کیا ہے ۔ وہم رشک ،خوف اور تشدد، یہ سب انسانی خصوصیات ہیں ۔اگر متعدل حد میں رہیں تو یقیناً ذہنی صحت مندی کا سبب ثابت ہوتی ہے ۔اگر ذہنی نشوونما میں رکاوٹ پیدا ہو جائے اور ذہن ایک مقام پر اٹک کر رہ جائے تو آدمی کا وہی حال ہوتا ہے۔ جو ط ۔ح ۔ن کا ہوا ہے۔ایسے مریضوں کا علاج صرف S.C.T کی مشقوں کے ذریعہ ممکن ہے۔ یہ صاحبزادے (ط ۔ہ ۔ن) کا برقع اتار کر براہ راست مجھ سے خط وکتابت کریں۔

ش (اقبال کہتی ہیں کہ)

مجھے ہر چیز کی بو علیحدہ علیحدہ محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً بدکرداری سے تعلق رکھنے والی بو خاص ہے ۔رشوت کی بو الگ ہے۔ جھوٹ میں ایک خاص قسم کی بدبو ہوتی ہے جس شخص میں جتنی روحانی طاقت (روحانی حساسیت) ہوگی ۔وہ اتنی ہی شدت سے اس بدبو کو محسوس کرے گا۔ میں نے اب سانس کی مشق اور مراقبہ نور شروع کر دیا ہے گوشت ترک کئے ہوئے اب پورے تین سال ہو گئے لیکن اب ڈاکٹر صاحب نے شوربہ تجویز کیا ہے۔ آپ کا کیا حکم ہے؟ مراقبہ نور میں اب

بھی گرمی محسوس ہوتی ہے۔آخر اس گرمی کا تدارک کسطرح کیا جائے۔میرا جسم سانس کی مشق کا عادی ہو گیا ہے لہٰذا میں سانس کی مشق ترک نہیں کرسکتی۔شفا بخشی کی قوت برقرار ہے۔البتہ میں آج کل اس مشق پر توجہ نہیں کررہی مگر مریض میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔جس کو انکار کردوں ناراض ہوجاتا ہے۔

روحانی غذائیں

ش۔اقبال روحانی طور پر شدید حساس واقع ہوئی ہیں اور یہ حساسیت ان میں مشق تنفس نور اور مراقبہ نور کے سبب بیدار ہوئی ہے۔میری ہدایت پر انہوں نے ترک حیوانات (گوشت،انڈا،مچھلی) پر عمل کیا ہے اوران کی اعصابی حساسیت میں جونکھار پیدا ہوا ہے۔ان کا سبب بھی ترک حیوانات کی پابندی ہے۔سانس کی مشقیں اور مراقبہ(ارتکاز توجہ) انسانی نفس کے لئے بڑی صحت مند غذائیں ہیں۔ان کی اہمیت کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں۔جنہوں نے یہ مشقیں کی ہیں۔اور کررہے ہیں۔ش اقبال نے اپنا عجیب تر تجربہ بیان کیا ہے۔یعنی وہ مختلف آدمیوں سے مختلف قسم کی''بو'' سونگھتی ہیں۔جھوٹ کی بو الگ ہے۔بدکرداری کی الگ۔رشوت ستانی کی الگ۔عیاشی کی الگ۔اس بیان سے ایک اور گرہ واہ ہوئی وہ یہ کہ انسانی کردار وافکار سے اس کی بو یا خوشبو کا تعین ہوتا ہے۔

دل سے یا گلستان سے آتی ہے
ان کی خوشبو کہاں سے آتی ہے
خود وہی میرکارواں تو نہیں
بوئے خوش کا رواں سے آتی ہے

سچ ہے جس طرح دوست میں خوشبو ہوتی ہے (خوشبوئے اُنس) اسی طرح نفرت وغبار کی بدبو بھی ہوتی ہے مگر اس خوشبو یا بدبو کو سونگھ لینا صرف ایسے لوگوں کا کام ہے جن کی روحیت بیدار ہوتی ہے۔

روح تیری ہے

(ن م ع) کا خط اس معذرت پر تمام ہوا ہے کہ

(نوٹ) میری مادری زبان سندھی ہے اگر کہیں غلطی ہو گئی۔ ہو تو معاف کر دینا۔

سوال یہ ہے کہ اس معذرت کی ضرورت کیوں پیش آئی ء میری تجویز پر سندھی زبان و رسم الخط کی تعلیم کے لئے جو ادارے کھولے گئے ہیں۔ مثلاً قائد ملت کالج نشتر روڈ میں سندھی زبان کی تعلیم کے اسباق۔ ان کے نتائج سے تجربہ ہوا کہ اردو بولنے والے طلبہ اور طالبات چند ہفتے میں سندھی زبان کی تقریر اور سندھی رسم الخط کی تحریر پر قادر ہو جاتے ہیں۔ اردو کی تحریر اس سے بھی آسان ہے۔ نئے سندھی ہوں یا پرانے سندھی۔ نہ ان کیلئے سندھی نہ ان کے لئے سندھ مشکل ہے۔ نہ ان کے لئے اردو۔

مولانا سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اردو کی ابتدا سندھ میں ہوئی۔ سندھ سے اس نے ملتان کا رُخ کیا۔ وہاں سے لاہور ہوتی ہوئی شمالی ہند پہنچی اور ستر ہوی اٹھارہوی صدی میں پورے برکو چک کا چکر لگا کر پھر سندھ میں آ پہنچی اب معیاری اردو ہی ہے جو اے عزیز ن۔م۔ع! میں اور تم بولتے ہیں۔ بہر حال اب تمہارے خط کے مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ تمہاری عمر 27/26 سال کی ہے تم نے سترہ سال کی عمر میں اسے دیکھا اور

صبر رخصت ہوا ایک آ ہ کے ساتھ
ہوش اڑنے لگے نگاہ کے ساتھ

تم بیک نظر اسے دل بیٹھے اس کے بعد ایسا موقع آیا کہ تم نے اس سے حال دل کہہ دیا اور بقول تمہارے مجھے یہ سن کر گہرا روحانی اطمینان نصیب ہوا کہ وہ بھی اسی آگ میں جل رہی ہے۔ جس میں تم بھسم ہو چکے ہو۔ بلکہ ادھر کچھ سوز محبت کی آنچ زیادہ تیز ہے۔

جب ادھر سوز محبت میں کمی ہوتی ہے
دیکھتا ہوں تو ادھر آگ لگی ہوتی ہے

تم نے لکھا ہے کہ

ہم میں باہم عہد و محبت کے پیمان ہوئے چار سال تک صرف آنکھوں آنکھوں میں تبادلہ جذبات ہوتا رہا۔ایک طرف تو یہ صورت تھی دوسری طرف میری منگنی چچازاد بہن سے کم عمری میں ہو چکی تھی۔والدین کو میری شادی کی فکر ہوئی تو میں نے انکار کر دیا۔ہم سندھیوں میں رواج ہے کہ اپنی لڑکیاں غیر قوم (غیر کفو) میں دینے کو حرام جانتے ہیں۔والدین نے کہا کہ نہ ہم اس رشتہ پر تیار ہیں نہ وہ تیار ہوں گے (یعنی میری محبوبہ کے والدین) ہوسکتا ہے کہ اس سلسلہ میں خونریزی ہو جائے اور نہ جانے یہ خونریز سلسلہ کب تک جاری رہے۔رئیس صاحب! آپ ہی بتائیں کہ میں اس صورتحال کو کس طرح برداشت کرسکتا تھا۔میں نے بہت سوچ بچار کے بعد اس لڑکی کی ماں سے ملنے کا فیصلہ کیا۔(ان کے گھر میرا آنا جانا تھا) جب میں نے محبوبہ کی ماں سے یہ ذکر چھیڑا تو وہ آگ بگولہ ہوگئی اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ تم اس گھر میں نہ آیا کرو!

رئیس صاحب! میں اپنی داستان کو مختصر کرتا ہوں۔بڑی لمبی کہانی ہے۔کہاں تک سناؤں گا ۔مختصر یہ کہ میں نے اپنے والدین کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔سر جھکا دیا اور اپنی چچازاد بہن سے شادی کرلی۔بیوی ناپسندیدہ، ناخواندہ، جھگڑالو، ادھر والدین سے کشمکش! اس عذاب دماغی سے بچنے کے لئے شراب کا سہارا لینا پڑا۔

بہت قاتل ہے زہرناک لیکن کیا علاج اس کا
کہ اکسیر غم آفاق ہے یہ زہرناک اب تک

ادھر اس لڑکی کی شادی بھی ہوگئی۔اس نے (شادی کے بعد) کہلوایا کہ میرا جسم دوسرے کا میری روح تیری ہے۔

میں نے اس کے لئے اپنی دولت لٹادی۔جان نچھاور کر دی۔لڑکی کے والدین نے مجھ پر دو مرتبہ قاتلانہ حملے کرائے۔اب رئیس صاحب! ان حادثات کو 8/7 سال گزر چکے ہیں۔چار پانچ بچوں کا باپ ہوں۔اپنا گھر ہے۔بھائی ہے بہن ہے۔والدین (بحمد اللہ) بقید حیات ہیں یہ سب کچھ ہے مگر دل ہے کہ اداس رہتا ہے۔ایک لمحے کے لئے بھی اس کی یاد فراموش نہیں ہوتی۔میں

بھولنا چاہوں بھی تو اسے نہیں بھول سکتا۔

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی ! ترک الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں
حقیقت کھل گئی حسرت ترے ترک محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

بڑے بڑے ولیوں کے مزار پر حاضری دی۔ وظیفے پڑھے۔ رئیس صاحب! مجھے اپنے بچوں کا مستقل تاریک نظر آتا ہے۔ جب ان کو دیکھتا ہوں تو درد کی لہر رگ وپے میں دوڑ جاتی ہے۔ اپنے سے کہتا ہوں کہ خیر تو نے تو اپنے کو محبت میں تباہ کر لیا۔ ان بچوں کی زندگی کو تو مت تباہ کر۔ خدا کے لئے مجھے مشورہ دیجئے۔

(ن۔م۔ع)

بار بار

بار بار ''عشق ناکام'' کے موضوع پر لکھ چکا ہوں مگر بار بار اسی ایک مضمون کو دہرانا پڑتا ہے۔ پچھلے مضمون میں بھی ایک تباہ شدہ لڑکی کے مضمون محبت پر قلم اٹھایا تھا۔ جو ایک شادی شدہ مرد کے دام عشق میں اسیر ہے۔ اور اس مرتبہ بھی ایک شادی شدہ شدہ محبوبہ کے عاشق ناکام کی فریاد سن رہا ہوں!

تو کیا کیا جائے ؟ معاشرہ اس لئے وجود میں آیا تھا کہ مناسب تعمیری اور مفید انداز سے انسان کے حقیقی جذبات اور جبلی خواہشوں کی تکمیل کو سر وسامان بہم پہنچائے جائیں لیکن وہ تلوار جسے ہم نے اپنے بچاؤ کے لئے ایجاد کیا تھا۔ اس سے خود ہمارا گلا کاٹا جارہا ہے۔ ن۔م۔ع نے معاشرے (جس کے اقتدار کے مظہر گھر میں والدین ہوتے ہیں)۔ کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور چچازاد بہن سے شادی کر لی۔ نہ کرتے تو کیا کرتے ؟ اگر زبردستی محبوبہ سے بیاہ رچا لیتے تو طویل خونریزیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ اب تک ان پر دو قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ اب ن

۔م۔ع خود چار بچوں کے باپ ہیں سات آٹھ سال گزر چکے ہیں مگر ہنوز ان کے سینے میں آتش محبت سرد نہیں ہوئی۔اب بظاہر کوئی اُمید نہیں کہ اس عاشق جگر خستہ کی لیلیٰ اسے مل جائے لیکن دل کو صبر نہیں آتا۔صوفیوں کا بیان یہ ہے کہ عشق مجازی کا کمال یہ ہے کہ عشق حقیقی تک ترقی کر جائے یعنی بندے کے بجائے خدا (حقیقت مطلق) بندے کا محبوب ومقصود بن جائے لیکن یہ کمال عشق کسی کوگاہے گاہے نصیب ہوتا ہے۔کیا میں ن۔م۔ع کو یہ مشورہ دوں کہ وہ حقیقت مطلق سے لولگائیں اور لیلیٰ لیلیٰ کے بجائے اللہ اللہ کرنے لگیں۔انشاءاللہ سچے عاشق ہیں تو چند سال میں ولایت کے درجہ پر فائز ہو جائیں گے۔مشورہ تو نیک ہے مگر کسی نے اس مشورے پر عمل کیا ہے۔آج تک! سوائے چند کے میں نے تو کسی عاشق کو ولی یا قلندر بنتے نہیں دیکھا۔ حیران ہوں کہ م۔ن۔ع کو کیا مشورہ دوں؟ نفسیاتی نقطہ نظر سے تو وہ محبت کے چکر میں پڑ کر ''ذہنی مریض'' بن گئے ہیں۔یہ صاحب بے حد حساس اور شدید اثرات قبول کرنے والی فطرت رکھتے ہیں۔ورنہ عام طور پر محبت کا دائرہ تین چار سال میں مکمل ہو جایا کرتا ہے۔یہ سالہا سال سے ایک ہی غم کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔صبر کے علاوہ چارہ نہیں۔لوگ قریب ترین ماں باپ بہن بھائی اور جوان بیٹے بیٹی کے حادثہ مرگ کو فراموش کر دیتے ہیں۔یہ کیسا زخم ہے جس کی تپش کم نہیں ہوتی۔یہ کیسا درد ہے جس کی شدت بدستور ہے۔یہ مشورہ دینا تو بہت آسان ہے کہ تم اسے بھول جاؤ مگر کیسے بھولیں کیسے بھلائیں اس کا طریقہ کوئی نہیں بتلاتا ۔بہرحال ہمارے دوست کو میری گزارشوں اور معروضات کی روشنی میں ایک مرتبہ پھر اپنی سر گزشت پر غور کرنا چاہئے اور عقل سلیم (مگر شدت عشق میں عقل سلیم کب سالم رہتی ہے) کو بروئے کار لاکر خود طے کرنا ہے کہ اب کیا قدم اٹھائیں؟ اب کیا کریں؟ میری تمام خدمات اس سلسلے میں حاضر ہیں!

بھوت کی طرح

ش۔م۔پنڈی سے لکھتے ہیں کہ

اس سے پہلے بھی ایک خط غالباً مارچ 1974ء میں لکھ چکا ہوں جس کا جواب آپ نے کالج کے پتے پر دیا تھا۔ آپ نے میرے مرض کا جو علاج تجویز کیا تھا میں نے اس پر عمل کیا مگر کچھ آرام نہ آیا۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کون سا مرض! تو عرض یہ ہے کہ مرض محبت کے علاوہ اور کون سا مرض ہو سکتا ہے۔

مرض عشق عیاذٌ باللہ
اس کے بیمار کہیں جیتے ہیں

میں نے چار سال بڑی خاموشی سے گزارے ہیں۔ اس دوران میری جو حالت ہوئی۔ خدا ہی جانتا ہے اب یہ عالم ہے کہ سینے میں میٹھا میٹھا درد رہنے لگا ہے۔ سوچتا ہوں۔ یہی حالت رہی تو کسی موذی مرض کا شکار نہ ہو جاؤں۔ میرے لئے ایک ایک سیکنڈ گزارنا مشکل ہے۔ ہر وقت اس کی یاد میں تڑپتا رہتا ہوں۔

بقول جگر

آئی جو اس کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

وہ ہمارے پڑوس میں رہتی ہے کچھ بچپن کا حصہ اور کچھ اوائل کا زمانہ اس کے ساتھ گزارا ہے۔ ہم لوگ آپس میں کافی بے تکلف (فری) تھے۔ وہ سارا دن ہمارے گھر میں رہتی۔ پندرہ بیس منٹ کے لئے گھر جاتی۔ پھر لوٹ آتی۔ اسے اپنے گھر چین ہی نہ پڑتا تھا۔ پھر ایک دن ہمارے اور اس کے درمیان ناراضی پیدا ہو گئی۔ آنا جانا بند ہو گیا۔ اسی زمانے میں ہمارے گھر والے گاؤں چلے گئے۔ گھر خالی ہو گیا۔ لہٰذا اس کی آمدورفت بالکل بند ہو گئی۔ ایک روز کالج سے واپس آ کر جونہی گھر میں قدم رکھا تو دیکھا کہ وہ کھڑی ہے یکایک ہماری نظریں چار بلکہ دو چار ہوئیں۔ اس کی آنکھوں میں ایسی بے چارگی تھی کہ مجھے بے اختیار ترس آ گیا اس کی آنکھوں میں ایسی التجا تھی کہ میرے پاس الفاظ نہیں کہ وہ کیفیت بیان کر سکوں۔ یہ حالت دیکھ کر میں اسے نہ چاہتے ہوئے بھی چاہنے لگا۔ بابا! میں نے جان بوجھ کر محبت نہیں کی نہ جانے کیسے ہو گئی مگر دماغ مجھے بعض اوقات بہکا

دیتا ہے۔ میرا دل اسے ہر حالت میں قبول کرنے کو تیار ہے۔ اس موذی مرض کی بدولت تعلیم بھی منقطع ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ سوجھتا نہیں۔ ادھر کچھ دولت مند لوگ اس کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے اس کا رشتہ وہیں ہو جائے۔ میں بڑا پریشان ہوں۔ آپ اس بات کا اندازہ اس طرح لگا لیجئے۔ کہ اوٹ پٹانگ بک رہا ہوں۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

آپ ضرور اس پریشانی کا حل بتایئے یہ مت لکھئے کہ "جتنا یاد آتی ہے اتنا ہی یاد کرو"۔ خدا کے لئے عالمی ڈائجسٹ کے اگلے شمارے میں میرے مسئلے پر ضرور گفتگو کیجئے۔ میں بے چینی سے آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔

وہی معاشقہ

ش۔م کا خط بہت تفصیلی ہے۔ وہی معاشقہ کا معاملہ اور وہی محبت کا مسئلہ! ش۔م نے اظہار محبت میں بڑی دلیری اور جرأت دکھائی ہے اب وہ ایک قدم اور اٹھائیں اور یہ قدم اٹھا کر اپنے والدین کو عشق نہیں۔ عقد پر تیار کرلیں۔ دوستو! یا تو محبت کا دعویٰ نہ کرو اور یا محبت کو اس کے آخری انجام تک پہنچا کر دم لو۔ یعنی ازدواجی رفاقت! بے شک شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے لئے وعدہ محبت کو نبھانا اور پیمان عشق پر عمل کرنا ممکن نہیں ان کے راستے میں ہزاروں رکاوٹیں حائل ہیں اور ان رکاوٹوں کو عبور کرنا حد امکان بشر سے باہر ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ غلبہ شوق اور شدت عشق کے عالم میں دل دماغ کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور جذبات کی رو میں حقیقت پسندی کی صلاحیت فالج زدہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ تاہم آدمی چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے سب کچھ ممکن ہے اگر میں مریضان محبت کو مشورہ دوں کہ وہ ذہنی بحالی اور دماغی چستی کے لئے نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (سیلف کلچر ٹریننگ کورس S . C . T) کی مشقیں کریں تو وہ مجھے دیوانہ سمجھیں گے۔ اور کہیں گے کہ

درمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

یعنی بیمار محبت کا علاج تو صرف محبوب کا شربت دیدار ہے

آنکھیں ترس رہی ہیں تری دید کے لئے

تاہم امر واقعہ یہ ہے کہ جن عشاق جراحت خوردہ نے میری زیر ہدایت سانس اور ارتکاز توجہ اور خود ترغیبی اور خود تنویمی کی مشقیں کیں۔ انہیں غیر معمولی فوائد کا احساس ہوا۔ آخر میں م۔ ع۔ ن اور ش۔ م کو یہ مشورہ دوں گا کہ وہ برابر مجھ سے رابطہ قائم رکھیں۔ کیونکہ بہت سے ایسے مسئلے ہیں جو باہمی گفت وشنید یا آپس کی خط وکتابت سے حل ہو جاتے ہیں۔

تین بچیاں پیدا ہوئیں۔ آخر خدا خدا کر کے چوتھی بار لڑکے کی ولادت (باسعادت) عمل میں آئی اور بقول شخصے سارا گھر نئے چاند کی چاندنی سے جگمگا اُٹھا لیکن اس کے بعد ایک حادثہ پیش آیا۔ یہ کہ ماں پر دماغی دورے پڑنے لگے۔ اب اس کا عجیب عالم ہے۔ اس نے اپنی تین بچیوں کو فراموش کر دیا ہے۔ وہ انہیں اپنے قریب بھی نہیں آنے دیتی۔ نہ ان کے قریب جاتی ہے البتہ بچے کو گلے کا ہار بنائے رکھتی ہے کس کی مجال ہے کہ بچے کو اس کی گود سے لے لے۔ یہ مادرانہ شفقت کے سبب نہیں اس کا سبب ناپاکی کا وہم ہے۔ میں نے سوال کیا کہ مریضہ کو پاکی ناپاکی کا وہم اس سے پہلے بھی تھا۔ بتایا گیا کہ نہیں۔ یہ وہم چوتھے بچے کی ولادت کے بعد پیدا ہوا ہے۔ وہم کا مرکز ''گرد وغبار'' ہے اسے یہ وہم ہو گیا ہے۔ کہ اگر میں کسی کے نزدیک جاؤں گی تو ناپاک ہو جاؤں گی۔ اسے اپنے بھائی رحمان سے بے حد محبت ہے۔ مگر اللہ رے وہم کہ ایک مرتبہ وہ بیٹھی آٹا گوندرہی تھی کہ بھائی قریب سے گزرا۔ فوراً وہ آٹا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہم نے آ کر گلا دبا دیا کہ آٹا گندہ ہو گیا ہے۔ بھائی کے پاؤں کی گرد اس پر پڑ گئی ہے اس کے بعد مریضہ پر دورہ پڑ گیا۔ آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ ہاتھ پاؤں اینٹھ گئے اور وہ ایک لوتھ (لاش) کی طرز مین پر گر پڑی میں نے پوچھا کہ ڈاکٹروں کی تشخیص کیا ہے (وہ کون سا مرض تجویز کرتے ہیں) جواب ملا کہ مختلف تشخیص اس مرض کی کی گئی ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ یا لڑکی پر کسی نے جادو کرایا ہے یا کسی جن کا سایہ ہے۔ بس ہماری تجویز تو یہی ہے۔

قصہ کو تہ گشت ورنہ درد سربسیار بود

بیماری یا آسیب

یہ گفتگو پشاور سے آئے ہوئے ایک دوست سے ہوئی جو اپنی بہن کے علاج کے سلسلے میں بغرض مشورہ کراچی آئے تھے اور صرف مقصد تھا میری ملاقات! ان دوست کا نام رحمٰن ہے۔ یہ آج سے دس گیارہ سال قبل میری تجویز پر S.C.T کی مشقیں کر چکے ہیں۔ خاصے معقول اور لکھے پڑھے آدمی ہیں۔ رحمٰن صاحب نے بتایا کہ مریضہ بچے کی پیدائش سے قبل (بظاہر) ٹھیک ٹھاک تھی اور کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وہ وضع حمل (ولادت) کے چند ہفتہ بعد اس مصیبت میں مبتلا ہوجائے گی دماغی دورے کی سب سے بڑی اور نمایاں علامت ہے ''گرد کا وہم'' اسے ہر شے گرد آلود نظر آتی ہے اور اس شے کے قریب جاتے ہوئے اندیشہ ہوتا ہے کہ ''ناپاک'' آسیب زدہ اور ملعون گرد مجھ سے لپٹ جائے گی۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آتا ہے۔ (مثلاً کوئی اسے چھودے) تو فوراً دورہ پڑ جاتا ہے۔ مٹھیاں بھنچ جاتی ہیں اور وہ آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔ یہ ہے مریضہ کا حال مریضہ پر کسی آسیب کا سایہ ہے یا نہیں۔ فی الحال میں اس موضوع کو زیر بحث نہیں لاؤں گا۔ یہ ایک اور ماجرا ہے اور کسی مناسب وقت پر آسیب زدہ مریضوں کی روداد ذہنی پیش کی جائے گی۔ یہ معاملہ (کیس) سراسر نفسیاتی ہے۔ مریضہ کے مقفل ذہن کی کنجی صرف ایک لفظ ہے ''گرد'' جو اسے ناپاک کر دیتی ہے۔ جو اسے نجس کر دیتی ہے اور جو اس پر لعنتیں برسا سکتی ہے۔ مریضہ کے ذہن میں ''گرد'' کا کوئی خاص تصور موجود ہے کوئی بھیانک ' ہولناک اور وحشت انگیز تصور اور پھر پاکی ناپاکی کا اندیشہ! یہ اندیشہ کیوں پیدا ہو؟ اس اندیشہ کو کس نے پیدا کیا؟ مریضہ کو یہ خوف کیوں رہتا ہے کہ کسی کے چھودینے (نہیں صرف دوسرے آدمی کے گرد پڑ جانے) سے وہ ناپاک ہوجائے گی۔ کیا یہ ذہنی رویہ قابل غور نہیں ہے؟ بے شک قابل غور ہے۔ جب تک مریضہ کی تحلیل نفسی نہ ہو یعنی اس کے تمام نظام تصورات کو الٹ پلٹ کرا سکے موجودہ رویہ کا تعین نہ کیا جائے۔ اس کا علاج ممکن نہیں۔ نفسیاتی مریضوں کے ذہن بند تہہ خانوں کی حیثیت رکھتے ہیں

۔ان کے دماغ کی سرنگ میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے! انہیں خود پتہ نہیں چلتا کہ وہ ایسا کیوں کررہے ہیں؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ جس طرح مشین عمل پر مجبور ہو جاتی ہے۔اسی طرح کسی انجان طاقت کے زیر اثر وہ کسی خاص عمل پر مجبور ہو جاتے ہیں! ورنہ چاہے کے باوجود بھی وہی کرتے ہیں۔ جو یہ انجان طاقت ان سے کرانا چاہتی ہے۔ مثلاً مریضہ کو علم ہے کہ گرد کا وہم بے بنیاد ہے۔تاہم گرد کے خیال ہی سے وہ بے قابو ہو جاتی ہے۔

تنویم کاری اور معمول

آیئے۔تنویم کاری (ہپناٹزم) کی روشنی میں اس ذہنی رویہ کی وضاحت کریں جب کسی شخص پر ترغیبات کے ذریعہ تنویمی نیند طاری کردی جاتی ہے تو ننانوے اعشاریہ نو حالتوں میں اسکی قوت فیصلہ معطل ہو جاتی ہے۔اور وہ معمول کے اشاروں پر بے اختیار عمل کرنے لگتا ہے۔ معمول خلاف ورزی کی کتنی ہی کوشش کرے۔ عامل اپنے حکم کی تعمیل کرا کے رہتا ہے۔تنویمی کیفیت میں معمول کے تمام حواس بصارت' سماعت' ذائقہ' لامسہ اور شامہ یعنی دیکھنے، سننے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے کی تمام صلاحیتیں عامل کے زیر تسلط آجاتے ہیں۔ عامل معمول سے (اس عالم میں) کہتا ہے کہ تمہیں میرے ہاتھ میں چھ انگلیاں نظر آرہی ہیں جس میں انگوٹھا دو فٹ کا ہے اور باقی پانچ انگلیاں چھ چھ فٹ کی ہیں۔ جھوٹ موٹ نہیں۔ سچ مچ معمول کو یہی نظر آنے لگے گا اور وہ اس خیالی دیوزاد کے ہاتھ سے خوفزدہ ہو جائے گا۔ یا عامل معمول سے کہے گا کہ دیکھو تم کلاسیکی موسیقی سن رہے ہو۔ پھر وہ منہ سے سیٹی کی آواز نکالے گا اور معمول یقین کرے گا کہ وہ واقعی سیٹی کی آواز نہیں۔اعلیٰ درجہ کی کلاسیکی موسیقی سن رہا ہے۔ عامل معمول کو نمک چٹا دے گا۔ یہ کہہ کر کہ تم شکر چاٹ رہے ہو اور وہ درحقیقت مٹھاس سے لطف اندوز ہونے لگے گا یہی حال شامہ اور لامسہ کا ہے۔ عامل کی ترغیب ہدایت اور حکم (سجیشن) پر تنویم زدہ بدبو کو خوشبو اور سخت کو نرم سمجھ لیتا ہے۔اور پھر اسی کے مطابق عمل کرتا ہے! ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ عامل نے معمول کے حکم پر بہ ارادہ قتل گولی چلادی۔ الغرض تنویم زدہ (جس پر ہپناٹک نیند طاری کردی جائے) تنویمی حالت میں پوری طرح

عامل کی مٹھی میں ہوتا ہے۔ وہ مٹھی بند کرے تو سمٹ جائے گا۔ مٹھی کھولدے تو ناچنے لگے گا یہی نہیں ۔ترغیبات کی ایک قسم وہ ہے ۔جنہیں پوسٹ ہپنا ٹک سجیشنز کہتے ہیں یعنی ترغیبات بعد تنویم! معمول سے کہا جاتا ہے کہ تم تنویمی نیند سے فلاں وقت ہشاش بشاش اور چاق و چوبند بیدار ہو جاؤ گے اور بیدار ہونے کے بعد بالکل بھلا دو گے کہ بحالت تنویم تم سے کیا کہا گیا ہے۔ پھر تم فلاں اور فلاں دن یہ اور وہ کام کرو گے! مثلاً آج 25 جولائی ہے۔ آج ''الف'' نامی کسی شخص پر تنویمی نیند طاری کی گئی اور اسے سجیشن ترغیب دیا گیا کہ تم 25 اگست ستمبر یا 25 اکتوبر (عامل جو چاہے وقت کا تعین کرے) کو دن کے ٹھیک 9 بجکر 45 منٹ پر اپنے ڈرائینگ روم میں کپڑے اتار کر برہنہ ہو جاؤ گے اور اسی برہنہ حالت میں پورے گھر کا چکر لگاؤ گے پھر پانی کا نل کھول دو گے اور اپنے تمام نئے کپڑے نل کے نیچے رکھ دو گے پھر باورچی خانے میں گھسو گے۔ وہاں تمہیں ایک ریچھ نظر آئے گا۔ تم اس ریچھ کو اٹھا کر سر پر رکھ لو گے اور ریچھ تم سے چینی زبان میں باتیں کرے گا۔ اور تم اس کی ہر بات پر سر ہلاؤ گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یقین کیجئے کہ تنویم کار اپنے فن میں ماہر ہے۔ اور اس نے ان ترغیبات بعد التنویم یعنی (پوسٹ ہپنا ٹک سجیشنز) کو معمول کے ذہن میں پیوست کر دیا ہے۔ (اور پیوست کر ہی دیا جاتا ہے) تو وہ عمل تنویم کے ایک مہینہ بعد 25 اگست یا 25 ستمبر کو مقررہ وقت یعنی نو بجکر 45 منٹ پر وہ سب کچھ کرے گا۔ جس کا عامل نے حکم دیا تھا۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ تنویمی حالت کسے کہتے ہیں۔ بعض اوقات یا بعض حالات میں انسانی ذہن کے اندر تاثر پذیری (بیرونی اثرات یا اندرونی محرکات) کی ایسی شدید کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ذرا سا اشارہ صرف ایک لفظ فقط ایک جنبش نظر ہر قسم کے عمل و اقدام کے لئے کافی ہوتی ہے۔ انسان کی قوت فیصلہ اور آزادارادہ (فری ول) اپنے مقام پر برحق! تاہم کبھی کبھی کسی طاقت کے زیر اثر قوت فیصلہ مفلوج اور آزاد ارادہ معطل ہو جاتا ہے۔

کون سی ہے یہ طاقت؟ نفسیات داں کہیں گے کہ لاشعور کی طاقت (جو تمام خواہشوں، جبلتوں اور جذباتی ہنگاموں کا مرکز ہے) روحانیت پسند لوگ اسے ''روح'' کی کارگزاری قرار دیں گے۔ بہرحال عرض کرنا یہ ہے کہ اگر انسان کے نفس کی اندرونی تہہ میں کسی خاص جذباتی کیفیت کے

پیش نظر کوئی ترغیب گاڑ دی جائے۔اسے دفن کر دیا جائے۔

تو وہ ترغیب انسان کی جذباتی شخصیت کا ایک محرک، فعال اور سرگرم جز و بن جاتی ہے اور انسانی عقل پر حکومت کرنے لگتی ہے! بعض افراد اپنی شدید حساسیت کی بناء پر قدرتاً تنویمی معمول ہوا کرتے ہیں یعنی ان پر بعض اوقات ایک عجیب وغریب حالت طاری ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! اس حالت میں ان کے کردار کا جو سانچہ بن جاتا ہے وہ مشکل سے تبدیل ہوسکتا ہے۔اب پھر میں پشاور کی مریضہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں نے اس مریضہ کو کبھی نہیں دیکھا۔(ب) نہ اسکی سوانح حیات (کہاں پیدا ہوئی بچپن کن حالات میں گزرا والدین کا سلوک کیسا تھا۔کس قسم کے جذباتی صدموں سے دوچار ہوئی۔ازدواجی زندگی کا ڈھنگ کیا تھا) کا علم ہے (3) نہ میں نے مریضہ کی تحلیل نفسی کی ہے! اس لئے مریضہ کا قطعی اور حتمی علاج کرنے سے قاصر ہوں۔البتہ چند باتیں بالکل واضح ہیں۔ (الف) مریضہ بچپن ہی سے قدرتی طور پر تنویمی معمول تھی۔(ب) پاکی ناپاکی کے بارے میں بعض تصورات ابتداء سے اس کے ذہن میں جاگزیں تھے۔ کیوں جاگزیں تھے۔اس کا مجھے علم نہیں کیونکہ مریضہ کے حالات سے میں قطعاً لاعلم ہوں ۔(ج) چوتھے بچے کی پیدائش نے اس کے نفس پر گہرا اثر ڈالا اور وہ اختناق الرحم ہسٹریا ،دماغی اور اعصابی دورے میں مبتلا ہوگئی۔عورت کے لئے وضع حمل کا مرحلہ۔ بڑا زبردست ذاتی مرحلہ ہوا کرتا ہے۔رحم کی ذراسی خرابی (سکڑاؤ، پھیلاؤ اور اینٹھن) ذہن اعصاب اور دماغ پر شدت سے اثر انداز ہوتی ہے۔میرا خیال یہ ہے کہ مریضہ کو وضع حمل کے دوران میں کچھ اندرونی دقتیں پیش آئیں۔رحم کی وضع میں تبدیلی ہوئی جس سے دماغ متاثر ہوا اور اس کے لاشعور میں جو کچھ اور جتنا کچھ دبا ہوا تھا۔وہ سب ابل پڑا۔مثلاً دبے ہوئے غصے۔دبائی ہوئی خواہشات، مدفون بیزاریاں پاکی ناپاکی کے اوہام الغرض توہم منفی نظام تصورات تھا۔جو مریضہ کے لاشعور میں کارفرما تھا۔اس کو نمایاں اور برسرکار آنے کے لئے ایک تحریک کی ضرورت تھی۔ولادت کے وقت یا اس کے بعد کسی عضویاتی خرابی نے رحم (بچہ دانی) کو متاثر کیا۔اس کا اثر دماغ پر پڑا۔اور عورت ہسٹریا کی مریض بن گئی۔ میں نے مریضہ کے بھائی

سے جو پشاور سے بغرض علاج کراچی آیا تھا۔ اس کا بیان یہی ہے۔ واللہ اعلم کہا کہ وہ اس کا علاج بجلی کے جھٹکوں سے (الیکٹروشاک تھراپی) کے ذریعہ کرائے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا مجبوراً تعویذ لکھ کر دے دیا۔ خدا کرے کہ یہ تعویذ روحانی طور پر مریضہ کو متاثر کر سکے اور اس کے علاوہ میرے اختیار میں کیا تھا۔

چہ کند بے نواہمیں دارد

روحانی معمول

اس مضمون کی تحریر کے دوران کیپٹن محمود علی خاں سے ملاقات ہوئی۔ جو فی الوقت ملیر کالونی میں مقیم ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے عجیب وغریب واقعات سنائے۔ کیپٹن محمود علی خان پیدائشی طور پر روحانی معمول واقع ہوئے ہیں۔ تنویمی اور روحانی (روحی زیادہ مناسب اصطلاح ہے) معمول میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص یا 90 فیصد افراد پر بذریعہ ترغیبات تنویمی نیند طاری کر کے اس کے اندر کی نفسی صلاحیتوں کو عارضی طور پر ابھار دیا جاتا ہے۔ کسی نہ کسی حد تک تنویمی معمول بن سکتا ہے لیکن روحی صلاحتیں خاص خاص افراد میں پائی جاتی ہیں۔ کیپٹن محمود علی خاں کی ولادت ضلع بریلی کے ایک گاؤں میں ہوئی۔ جب یہ دس گیارہ سال کے ہوئے تو ان کے والد نے طے کیا کہ محمود کو رامپور کے کسی انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا جائے۔ محمود علی خاں انگریزی تعلیم سے خوش نہ تھے۔ جب انہیں ان کے والد انگریزی اسکول میں داخل کرانے کے لئے رام پور پہنچے تو محمود علی خاں پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہوگئی۔ یعنی اردو کی بجائے (جو ان کی مادری زبان ہے) عربی بولنے لگے! اور متواتر دو روز تک عربی بولتے رہے۔ سب لوگ حیران کہ کیا قصہ ہے۔ بڑے بڑے مولوی ملا اور عامل اور سیانے بلائے گئے مگر نہ وہ ان کی کیفیت کو سمجھ سکے ۔نہ ان کی عربی زبان کو! محمود علی خاں کہتے ہیں کہ میں اب تک عربی زبان سے بے بہرہ ہوں۔ دس گیارہ سال کی عمر میں تو پہلے پارے کے سوا عربی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ سب لوگ حیران کہ یہ کیا حالت ہے؟ آخر مدرستہ عالیہ (رام پور کی مشہور درسگاہ جہاں السنہ شرقی کی تعلیم دی جاتی تھی)

پیش نظر کوئی ترغیب گاڑ دی جائے۔اسے دفن کر دیا جائے۔

تو وہ ترغیب انسان کی جذباتی شخصیت کا ایک محرک، فعال اور سرگرم جزو بن جاتی ہے اور انسانی عقل پر حکومت کرنے لگتی ہے! بعض افراد اپنی شدید حساسیت کی بناء پر قدرتاً تنویمی معمول ہوا کرتے ہیں یعنی ان پر بعض اوقات ایک عجیب و غریب حالت طاری ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! اس حالت میں ان کے کردار کا جو سانچہ بن جاتا ہے وہ مشکل سے تبدیل ہو سکتا ہے۔ اب پھر میں پشاور کی مریضہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں نے اس مریضہ کو کبھی نہیں دیکھا۔(ب) نہ اسکی سوانح حیات (کہاں پیدا ہوئی بچپن کن حالات میں گزرا والدین کا سلوک کیسا تھا۔ کس قسم کے جذباتی صدموں سے دوچار ہوئی۔ ازدواجی زندگی کا ڈھنگ کیا تھا) کا علم ہے (3) نہ میں نے مریضہ کی تحلیل نفسی کی ہے! اس لئے مریضہ کا قطعی اور حتمی علاج کرنے سے قاصر ہوں۔ البتہ چند باتیں بالکل واضح ہیں۔ (الف) مریضہ بچپن ہی سے قدرتی طور پر تنویمی معمول تھی۔ (ب) پاکی ناپاکی کے بارے میں بعض تصورات ابتداء سے اس کے ذہن میں جاگزیں تھے۔ کیوں جاگزیں تھے۔ اس کا مجھے علم نہیں کیونکہ مریضہ کے حالات سے میں قطعاً لاعلم ہوں۔ (ج) چوتھے بچے کی پیدائش نے اس کے نفس پر گہرا اثر ڈالا اور وہ اختناق الرحم ہسٹریا، دماغی اور اعصابی دورے میں مبتلا ہو گئی۔ عورت کے لئے وضع حمل کا مرحلہ۔ بڑا زبردست ذہنی مرحلہ ہوا کرتا ہے۔ رحم کی ذراسی خرابی (سکڑاؤ، پھیلاؤ اور اینٹھن) ذہن اعصاب اور دماغ پر شدت سے اثر انداز ہوتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ مریضہ کو وضع حمل کے دوران میں کچھ اندرونی دقتیں پیش آ ئیں۔ رحم کی وضع میں تبدیلی ہوئی جس سے دماغ متاثر ہوا اور اس کے لاشعور میں جو کچھ اور جتنا کچھ دبا ہوا تھا۔ وہ سب ابل پڑا۔ مثلاً دبے ہوئے غصے۔ دبائی ہوئی خواہشات، مدفون بیزاریاں پاکی ناپاکی کے اوہام الغرض پورا منفی نظام تصورات تھا۔ جو مریضہ کے لاشعور میں کارفرما تھا۔ اس کو نمایاں اور برسرکار آنے کے لئے ایک تحریک کی ضرورت تھی۔ ولادت کے وقت یا اس کے بعد کسی عضویاتی خرابی نے رحم (بچہ دانی) کو متاثر کیا۔ اس کا اثر دماغ پر پڑا۔ اور عورت ہسٹریا کی مریض بن گئی۔ میں نے مریضہ کے بھائی

سے جو پشاور سے بغرض علاج کراچی آیا تھا۔ اس کا بیان یہی ہے۔ واللہ اعلم کہا کہ وہ اس کا علاج بجلی کے جھٹکوں سے (الیکٹروشاک تھراپی) کے ذریعہ کرائے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا مجبوراً تعویذ لکھ کر دے دیا۔ خدا کرے کہ یہ تعویذ روحانی طور پر مریضہ کو متاثر کر سکے اور اس کے علاوہ میرے اختیار میں کیا تھا۔

چہ کند بے نواہمیں دارد

روحانی معمول

اس مضمون کی تحریر کے دوران کیپٹن محمود علی خاں سے ملاقات ہوئی۔ جو فی الوقت ملیر کالونی میں مقیم ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے عجیب وغریب واقعات سنائے۔ کیپٹن محمود علی خان پیدائشی طور پر روحانی معمول واقع ہوئے ہیں۔ تنویمی اور روحانی (روحی زیادہ مناسب اصطلاح ہے) معمول میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص یا 90 فیصد افراد پر بذریعہ ترغیبات تنویمی نیند طاری کر کے اس کے اندر کی نفسی صلاحیتوں کو عارضی طور پر ابھار دیا جاتا ہے۔ کسی نہ کسی حد تک تنویمی معمول بن سکتا ہے لیکن روحی صلاحتیں خاص خاص افراد میں پائی جاتی ہیں۔ کیپٹن محمود علی خاں کی ولادت ضلع بریلی کے ایک گاؤں میں ہوئی۔ جب یہ دس گیارہ سال کے ہوئے تو ان کے والد نے طے کیا کہ محمود کو رامپور کے کسی انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا جائے۔ محمود علی خاں انگریزی تعلیم سے خوش نہ تھے۔ جب انہیں ان کے والد انگریزی اسکول میں داخل کرانے کے لئے رام پور پہنچے تو محمود علی خاں پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہوگئی۔ یعنی اردو کی بجائے (جو ان کی مادری زبان ہے) عربی بولنے لگے! اور متواتر دو روز تک عربی بولتے رہے۔ سب لوگ حیران کہ کیا قصہ ہے۔ بڑے بڑے مولوی ملا اور عامل اور سیانے بلائے گئے مگر نہ وہ ان کی کیفیت کو سمجھ سکے۔ نہ ان کی عربی زبان کو! محمود علی خاں کہتے ہیں کہ میں اب تک عربی زبان سے بے بہرہ ہوں۔ دس گیارہ سال کی عمر میں تو پہلے پارے کے سوا عربی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ سب لوگ حیران کہ یہ کیا حالت ہے؟ آخر مدرسہ عالیہ (رام پور کی مشہور درسگاہ جہاں السنہ شرقی کی تعلیم دی جاتی تھی)

کے فاضل اساتذہ کو بلوایا گیا۔ کہنے لگے کہ لڑکا بری فصیح و بلیغ عربی بول رہا ہے اور ہم اس کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

عربی کے بعد انگریزی

کیپٹن محمود علی خاں کہتے ہیں کہ دو روز کے بعد یہ کیفیت زائل ہوگئی لوگوں کے اصرار پر انہیں انگریزی اسکول میں داخل کرادیا گیا۔ کہتے تھے کہ میں نے کبھی انگریزی کے مضمون میں امتیازی نمبر حاصل نہیں کئے نہ جانے کیوں ماسٹر صاحبان مجھے امتحان میں پاس کر دیتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم ہوتی تو خانصاحب ریاستی فوج میں بھرتی ہو گئے اور لطف یہ کہ انہیں کوارٹر ماسٹر بنادیا گیا۔ اس دفتر میں سارا کام انگریزی میں ہوتا ہے۔ خان صاحب مذبذب تھے ۔سوچتے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ میری انگریزی روانی کا حال تو یہ ہے کہ نہ ایک فقرہ صحیح بول سکتا ہوں نہ ایک جملہ صحیح لکھ سکتا ہوں لیکن کوارٹر ماسٹر بننے کے بعد وہ انگریزی میں اس قدر رواں ہو گئے کہ لوگوں کو حیرت ہوگئی۔ کیپٹن محمود علی خاں کو کلام کے دوران میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا احساس نہ ہوا کہ ان کی انگریزی کمزور ہے اور وہ انگلش تحریر و تقریر پر قادر نہیں ۔خانصاحب کا بیان یہ ہے کہ

قلب بولتا تھا

اس زمانے میں ان کا قلب بولتا تھا۔ اور جو کچھ بولتا تھا۔ وہ مو بہ مو صحیح اور حرف بہ حرف درست ہوتا تھا۔ خانصاحب نے ایک عجیب نکتہ بیان کیا۔ یہ کہ اگر انہیں تاؤ دلایا جائے۔ یا وہ بحث و تکرار میں ضد پر آ جائیں۔ تو اس عالم میں جو کچھ ان کی زبان سے نکلے گا وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

شہر والو! میں پیمبر نہ قلندر نہ فقیہہ
جو کہا میں نے وہی ہو کے رہا میرے بعد

اسی گفتگو میں خانصاحب نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا۔ رام پور میں سردار نامی ایک نوجوان غنڈہ تھا۔ عدالت نے اسے سزائے موت دی تھی۔ رحم کی متعدد اپیلیں کی گئیں مگر خارج اور مسترد ہو گئیں۔ ہز ہائی نیس رضا علی خاں (مرحوم) (نواب رام پور) بمبئی گئے۔ ملزم سردار خاں کے اعزہ بھی بمبئی پہنچے اور انہوں نے سر سلطان کے ذریعہ ہز ہائی نیس کی خدمت میں رحم کی اپیل پیش کی۔ سر سلطان چنائے سے نواب صاحب کے قریب ترین تعلقات بلکہ خاندانی روابط تھے۔ ان تعلقات کے باوصف ہز ہائی نیس نے سر سلطان چنائے کی سفارش کو مسترد کر دیا۔ اور اپنی مجبوری ظاہر کی۔ کہا کہ قانون میں ذرا سی بھی گنجائش نہیں کہ ملزم کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا جائے۔ اب خاں صاحب کی داستان سنیئے۔ سزائے موت کے قیدی سردار کو کل صبح پھانسی دی جانے والی ہے۔ کیپٹن محمود علی خاں سے جیل کے سپرنٹنڈنٹ ظریف الحسن کی بحث ہو گئی۔ ظریف الحسن نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کے احکام میرے پاس آ چکے ہیں۔ کل صبح یقیناً سردار کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے گا۔ بحث بڑھ گئی کچھ اور لوگ بھی گفتگو میں شریک ہو گئے۔ بات طول پکڑ گئی۔ خاں صاحب میں (یہ انہیں کے الفاظ ہیں) گرمی پیدا ہو گئی۔ کہنے لگے اللہ میں بڑی قدرت ہے۔ کل سردار کو پھانسی نہیں ہوگی۔ یہ بات تھی عجیب وغریب! بھلا کون اس پر یقین کر سکتا تھا کہ عدالت ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ملزم کو قتل کا مجرم قرار دے چکی ہے۔ رحم کی متعدد اپیلیں مسترد ہو چکی ہیں۔ یہاں تک کہ ہز ہائی نیس رام پور کے خاص دوست سلطان چنائے کی سفارش بھی بیکار ہوئی۔ پھانسی کے حکام جیل کے سپرنٹنڈنٹ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ جلاد کو تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اور خاں صاحب کہہ رہے ہین کہ نہیں۔ سردار کو پھانسی نہیں ہوگی۔ نہیں یہ پیشنگوئی نا قابل یقین ہے۔ اس سے قبل محمود علی خاں کی کتنی ہی پیشنگوئیاں کیوں نہ پوری ہو چکی ہوں۔ یہ پیشنگوئی کسی طرح پوری نہیں ہو سکی۔ اب سنیئے کیا ماجرا پیش آیا؟ رات کے دو بجے بمبئی سے ہز ہائی نیس کا فون سید بشیر حسین زیدی (رام پور کے وزیراعظم) کے نام آیا!

بشیر رہز ہائی نیس فون پر مخاطب تھے۔ کل صبح سردار کو پھانسی دی جانے والی ہے۔

جی سرکار! پھانسی کے انتظامات مکمل ہیں۔

بشیر! مجھے نیند آ رہی سخت بے چینی ہے۔ بار بار سردار کا خیال آ تا ہے اچھا ہم نے پھانسی منسوخ کی۔ بیس سال کی عمر قید کی سزا کافی ہے۔

آج بھی کیپٹن محمود علی خاں کی روحانی صلاحیتیں تر د تازہ ہیں۔ البتہ ایک بات یاد رکھئے۔ انسان کی ذہنی قوت اور روحانی صلاحیت یکساں نہیں رہتی جسمانی زوال وکمال کی طرح روحانی نشیب وفراز بھی انسان کا مقدر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

Ajaib-e-Nafs



Written by :
Rais amrohvi

مصنف کی دیگر کتابیں

1 – نفسیات و مابعد النفسیات	7 – جنات
2 – عالم برزخ	8 – ہپناٹزم
3 – مظاہر نفس	9 – جنسیات
4 – لے سانس بھی آہستہ	10 – حاضرات ارواح
5 – توجیات	11 – عالم ارواح
6 – مراقبہ	12 – قطعات

WELCOME BOOK PORT
Main Urdu Bazaar, Karachi Pakistan
Tel: (92-21) 32633151, 32639581 Fax:(92-21) 32638086
Email: welbooks@hotmail.com
Website: www.welbooks.com
ISBN: 978-996-500-098-5